

# رکشی خورشید فہک 4

(۱۰ تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

عینِ حین سے میں انہیں چُن چُن کے لایا ہوں  
شامل ہیں جتنے پھول مری اس کتاب میں

صلاح الدین نیئر

## حکمہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

ماہ و سن اشاعت	جون ۱۹۶۲ء
تعداد صفحات	۴۵۰
تعداد اشاعت	۵۰۰
قیمت	۲۰ روپے
ڈائریکٹری ایڈیشن	۲۵ روپے
کتابت	سید النور احمد
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس چیمبرہ یازارہ
ناشر	صلاح الدین نیشر

### کتابیں ملنے کا پتہ

- سیاست کیل کاؤنٹر۔ جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدر آباد علی
- خٹائی بک ڈپو مچھلی کمان پتھر گئی۔ حیدر آباد علی
- مصنف۔ کھکشاں ۸۲/۷-۳۔ ۱۱ جدید ملے پٹی حیدر آباد علی
- فون۔ ۱۵۰۳۳۳



- ۱۱۹ اردو انگریزی لغت کے تدوین کار شگفتہ مرثیہ
- ۱۲۴ قلندر صفت، فقیر منش، قابل، خداد
- ۱۳۴ عالمی شہرت یافتہ، قابل، شہرہ شہس، کچھ مشق مشاعر
- ۱۴۱ نامور گلوکار مجید آبادی، نند، بی بی، روایات، کچھ با سدا
- ۱۴۵ منفرد دانشور، دانشور، شاعر، باوقار شخصیت
- ۱۵۰ معاشرہ کا تیز مسافر، نامور صحافی، ادیب و نقاد
- ۱۵۴ سہما صفت ادیب، نقاد، فعال شخصیت
- ۱۵۴ اورینٹل اردو کالج سے جامعہ تک، علمی و ادبی سفر
- ۱۶۰ خوش نظر، خوش گفتار، بے نیاز شاعر
- ۱۶۲ کھر انسان، سچا دوست، بہترین شاعر
- ۱۶۴ باکمال شاعر، مہذب شہری، معجز انسان
- ۱۷۴ دلوں کو جوڑنے والے اردو مہندی کے منفرد شاعر
- ۱۷۶ اردو دوست، ہمدرد، اکبر، شائستہ انسان
- ۱۸۱ ماہر دکنیا، ممتاز محقق، قابل استاد، مشہور شاعر
- ۱۸۸ خریف الطبع محقق انسان، معتبر استاد اردو
- ۱۹۵ بے داغ شخصیت، باصلاحیت دانشور
- ۲۰۳ چشمہ آب رواں، ننویر دیدہ و دل
- ۲۱۱ نامور صحافی، ممتاز دانشور، لا جواز شاعر، نفیس انسان
- ۲۱۸ باصلاحیت صحافی و مقرر، بہترین شخصیت، بااخلاق انسان

پروفیسر سید محمد

پروفیسر عبدالرزاق فاروقی

سید محمد خوش نمیس

پروفیسر سید

پروفیسر سید

پروفیسر مصطفیٰ کاماں

ڈاکٹر لطیف انصاری

پروفیسر کبیر علی بیگ

ڈاکٹر محمد کریم

ڈاکٹر محمد حسن

پروفیسر اختر

پروفیسر سنگھ ورما

ڈاکٹر رام پرمشار

پروفیسر محمد علی آفر

پروفیسر انور الدین

پروفیسر احمد

پروفیسر سید

غضنفر علی خان

عابد علی



ظہیر الدین علی خان

در نقیب غیاث الدین

انترغوری

حسن فرسخ

علی الدین نوید

نواب نور الدین خان

مستود میتن

پروفیسر قادری بیگم

پروفیسر حبیب ضیاء

عسر سز النساء صاحبہ

ڈاکٹر اختر سلطانی

منظفر النساء ناز

لیو سفا یکت

شاعر ادریبہ

مومن نوحاں ثنونی

شفیع اقبال

بشیر احمد

ڈاکٹر راہی

قاضی انجم عارفی

افتخار احمد اقبال

حجم شرافت، پیکر خلوص، روشن خیالی، نامور ادیب، مستور، مقبرہ

کامیاب ناجر، پیکر شرافت، پاک و صاف انسان ۳۰

نئی فکر، لب و لہجہ کا باشعور شاعر ۳۹

ذہین و فطین شاعر، نامور ادیب، ہمنانی ۴۶

ذہین و باصلاحیت، متغیر لہجے کا محفول شاعر ۵۵

پرانے شہر کی ہندو شخصیت، بہترین مضمون، معتبر شخصیت ۱۲

اردو فیول کے مرکز نگاہ، خوشگوار، انوکھے، بہترین ۱۱

قابل مغرر، روشن دماغ، قانون، عاشق، ماہر تعلیم ۶

دیدہ پرہم، دل خنداں کی ادیبہ، درخشاں، بہ فائقون ۲۸۲

دن کی باد فاریں، ہندو شہر، پافر، شاعرہ، ممتاز، فائقون ۹

شائستہ گھرانے کی نیک، فائقون، صاحبہ، حرز ادیبہ ۹۵

جیل آباد کی پرفور، فائقون، سلیج، بہوئی شاعرہ ۲۰

شادی محفول کی بہترین، ہندو شخصیت، معتبر شاعر ۴۴

رسائل کی دنیا کا بہترین شاعر، شریف، دل، بہترین، ادیبہ ۹۹

ہندو انسان، معتبر شاعر، فصاحت، ہندو شخصیت ۱۷

باکردار انسان، مسٹر، محافی، ہاؤس، دوست ۲۸

شاعر حسن و جمال، و منہ دار، شخصیت ۳۵

روشن خیالی، شعرا، حرکیاتی، شخصیت، معتبر، قلم ۴۴

مسلم معاشرہ کی ہندو شخصیت، ہندو، مشفق، شاعر ۴۹

بہترین شاعر، نامور ادیب، عمدہ انسان ۵۷

۳۶۲	خانوادہ حبیلی کا ایک اور چراغ۔ ایک اچھے شاعر	رمشید حبیلی
۳۶۶	صاف گو نیک سیرت انسان۔ شاعر و ادیب	نائب سگھہ نشتر
۳۷۲	گنگا جی تہذیب کی منفرد شخصیت، بہترین انسان	ایم۔ بالیا
۳۷۸	گوگنڈہ کا ہیرو۔ عوامی خدمت گزار	منظور ظفر
۳۸۵	انسانی رشتوں کے طرفدار، بااثر انسان، ہمدرد شخصیت	غلام صادق الدین
۳۹۱	باصل جیت آفسر، خوش نصیب انسان	خواجہ معین الدین
۳۹۸	منکسر المزاج۔ خاموش طبع انسان	خواجہ معین الدین ایسل
۴۰۳	تہذیبی رشتوں کے پاسدار، بااخلاق و بامروت شخصیت	جی ایم قان (غلام محمد علی)
۴۱۱	خوش مزاج۔ خوش اخلاق انسان	محمد اعظم
۴۱۷	اچھے شاعر۔ منکسر المزاج۔ فرض شناس عہدہ دار	عبیر افضل
۴۲۲	بہترین موسیقار۔ نیک دوست، شریف آدمی	واجہ بہاء الدین
۴۳۰	سکرٹریٹ کے سفید پوش۔ نیک سیرت انسان	غلام الدین
۴۳۶	سکرٹریٹ کی ایک باغ و بہار شخصیت	عباس ہاشمی
۴۴۲	ایک مخلص مجلس سبائی کارکن۔ کامیاب تاجر	غابدی الدین
۴۴۶	مصنف	اظہارِ تشکر
۴۴۷	مصنف	اشتماب
۴۴۸	.....	مصنف کی کتابیں

# روشنی، خوشبو، مہک

’روشنی، خوشبو، مہک‘ میرے تشرافی سے ’مضامین کا مجموعہ‘ ہے۔  
 تشرافی تیسری اور چھٹے سے متعلق یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں بعد ۱۲۶۷ء کی کتاب  
 ہے اس کتب میں جبکہ ان کی بقیہ تشرافی ان شخصیتوں پر میرے تشرافی مضامین  
 شامل ہیں جن کی خدمات مختلف شعبہ حیات میں نمایاں رہی ہیں  
 اولوں انعام سے میرے شخصی مراسم ہیں۔ ان میں شاعر بھی ہیں ادیب  
 بھی، محقق بھی ہیں نقاد بھی، قانون دان بھی ہیں سلام کار بھی، سماجی  
 بھی ہیں اور تہذیبی فکار بھی۔ اسی کے علاوہ مہذب معاشرہ سے  
 وابستہ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی خدمات لائق تحسین ہی نہیں قابل  
 تقلید بھی ہیں۔ ان میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ہیں جن پر تشرافی  
 مضامین لکھے جاسکتے ہیں لیکن میں نے اختصار کے سناٹہ ان کے  
 شخصیت اور خدمات کے کچھ نمایاں پہلوؤں کو منظر عام پر لانے کی  
 کوشش کی ہے ان شخصیتوں پر اپنے مراسم کی بنیاد پر جس طرح میں نے

انہیں محسوس کیا، لکھا ہے۔ ان کے علاوہ شہر میں اور بھی لوگ ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے ان کے حالات اجازت دیں تو انشاء اللہ بعض اور شخصیتوں پر بھی غامض فرمائے گمروں گما۔ یہ تمام مضامین میں نے قلم برداشتہ رکھے ہیں اور یہ صبح ۵ بجے سے چھ بجے کے دوران تخلیق ہونے میں کتابت کو دینے سے پہلے جہاں ضرورت محسوس کی گئی مضامین میں جزوی کمی و بیشی کی گئی ہے۔ ان اشراقی مضامین میں نہ صرف عصر حاضر کے حالات کی بھی لکھا گیا ہے بلکہ غلام احمد اترہم سالہ دور کے علمی و ادبی، سماجی و تہذیبی سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان برسوں میں بسبب کچھ نہ سہی بہت کچھ بدل گیا ہے اس کتاب میں جن شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں وہ اپنے اپنے میلان میں سرگرم عمل ہیں۔ میں ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ جو لمحے اپنے قبضہ میں ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے اس لیے کہ آج میں کچھ لکھنے کے موقف میں ہوں ہو سکتا ہے کل لکھنے کے موقف میں نہ رہوں۔

اس کتاب سے پہلے سال گذشتہ میری دو کتابیں ”خوشبوئے بہاراں“ (جون ۲۰۰۱ء) اور ”ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے“ (نومبر ۲۰۰۱ء) شائع ہو چکی ہیں خوشبوئے بہاراں میں یہ قیدہ حیات ۲۰ نامور شخصیتوں ڈاکٹر سعید عبدالمنان، نواب شاہ عالم خان سید شعلی اختر، ڈاکٹر قادری، ڈاکٹر راج پیا، ڈاکٹر زینت ساجدہ

ڈاکٹر سی نادرین ریڈی، پروفیسر جعفر نظام، ایس ایم ہاکار ریڈی، کنول پرشار  
 کنول، پروفیسر معنی تنیس، زاہد علی خان، خلیل الرحمن، پروفیسر فضل محمد  
 آصف پاشام، ڈاکٹر کشیام سندز، ڈاکٹر وزارت رسول خان، شرمینی  
 روڈ امتزی، ڈاکٹر موہن نعل نگر اور نجل حسین پر اور، ممیٹ سوگند  
 داستان کہنے کہنے، "ہیں اورانی مائنی سے تعلق رکھنے والی ۲۱ ممتاز  
 شخصیتوں ڈاکٹر مسید محمد الدین قادری زور، پروفیسر حبیب الرحمن  
 پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، پروفیسر  
 مسید محمد رائے بانگی پرشار، عابد علی خان، محبوب حسین جگر، ڈاکٹر  
 حسینی شاید بھارت چند کہتے، علامہ حیرت بدایونی، مخدوم جی الدین،  
 شاہد صدیقی، علامہ فخر عربی، خورشید محمد جانی، اورج یعقوبی،  
 سعید شہید، سلیمان اریب، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم اور  
 شاذ تمکنت پر مضامین شامل ہیں دونوں کتابیں باسٹرنٹیز ۱۹۶  
 اور ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔

پہلی کتاب "سلسلہ تصویبوں کا (۱۹۹۲) میں سکریٹریٹ  
 کے ۲۲ اعلیٰ عہدہ داروں میں اے قادی بھارت چند کہتے، سید ہاشم  
 علی اختر، غلام احمد، بیس اے واسح، محمد ناز الدین، بی این ڈاگھڑے  
 بیس اے عزیز، صادق احمد، من راو، سید نواب الحسن، خواجہ حمید احمد  
 عبدالمحمود، مبشر احمد، رشید قریشی، سعد حسین، سعد غلام دستگیر قریشی  
 نمیندرو پتھر، ڈاکٹر حسن الدین احمد، خالد انصاری، اے کے گوٹل، ونیکٹ

رہنا چاری، نہ سہارا اور نہ ٹکڑاؤ کے علاوہ عظمت عبد القیوم  
صاۃ الطاف، ڈاکٹر ہما برہ سید، فاطمہ نسرن، انجم قریم سوز،  
ابیس قیوم فیاض، منظر انسا، ناز، کوہنا کرن اور شنفیہ قادری پر  
مضامین شامل ہیں۔ "پھر وہی پرچھائیاں" (۱۹۹۳ء) میں  
ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ناصر  
کرنولی، رحمن جاتی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، سہیل سنگھ ورما، اکمل  
حمید آبادی، ڈاکٹر طیب انصاری، عزیز بھارتی، پرواز، کہکشاں  
(۱۹۹۶ء) میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، مومن خان شوق اور منوہر لال بہار  
پر مضامین شامل ہیں۔ تاحال تقریباً ۱۰۰ کتابیں میری زیر نگینی  
نشرت ہو چکی ہیں۔ زائد ۲۰ ادبی میگزین میں سے مرتب کیے ہیں  
کچھ اور مضامین پر مشتمل کتاب اشاعت پذیر ہے جو تبصروں،  
دیباچوں اور تعارفی تحریروں کی شکل میں منظر عام پر آئے گی۔ ماہنامہ  
خوشنوی کا سفر کے منتخب ادارے بھی شائع کرنا چاہتا ہوں  
نعتیہ کلام کا ایک مختصر مجموعہ کلام ترتیب پا چکا ہے ویسے غزلوں  
اور نظموں پر مشتمل کتاب بھی صورت گیری کے مرحلوں سے گزر رہی ہے  
میری کتابوں "سلسلہ پھولوں کا" "پھر وہی پرچھائیاں"  
اور "کہکشاں" میں جن شخصیتوں پر میرے تفصیلی مضامین شائع  
ہوئے ہیں ان میں سے کچھ شخصیتوں پر نہایت مختصر تحریریں بھی  
اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں تاکہ اس طویل فہرست میں ان کے نام

میں موجود ہیں۔

’روشنی، خوشبو، ہلکے کے جد بیرون ریاست اور بیرون ملک میں نفیم بعض ادبی شخصیتوں پر مضامین بھی کتابی شکل اختیار کر کے دے چکے ہیں۔ اصلاح آندھرا پردیش اور اصلاح حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والی بعض ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر مشتمل مضامین کی بھی ایک علاحدہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ جس میں بہ قید حیات نامور شخصیتوں کے علاوہ قابل احترام مرحوم شخصیتوں پر لکھے گئے مضامین شامل ہیں گئے۔ جسے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے شعری مجموعوں کی طرح سال گذشتہ شائع شدہ کتابیں ’’خوشبو سے بہاراں اور‘‘ ہمیں سونگئے داستان کہتے کہتے‘‘ انکی ادبی حلقوں میں کافی پڑھرائی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خاص طور پر حیدر آباد کے ادبی حلقوں میں میری یہ کتاب ’’روشنی، خوشبو، ہلکے‘‘ پسندیدہ نظروں سے دیکھی جائے گی۔

صلاح الدین نبیر

گھنٹاں۔ جنت شاں۔ لمبے پٹی

824 / 7 - 3 - 11

حیدر آباد ۵۰۰۰۱

# جس سردار علی خان

(ماہنامہ دانشور - بصیرت نواز شخصیت - عظیم قانون داں)

حقیقی معنوں میں دانشوری کا لفظ بعض ایسی عالی قدر اعلیٰ  
 شخصیتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کے  
 ہر مہمتی - عام طور پر وہ لوگ  
 بہ فہم و ادراک ہوتے ہیں  
 ان تو کیا جانتا ہے لیکن حقیقی دانشور  
 کر یا سکتے ہیں - یہ ایک مسئلہ  
 بہت نازک و پیچیدہ ہے اور ان کی  
 حیثیت رکھتی ہے - دانشوری  
 حاصل بھی ہوتی ہے لیکن وہ  
 ان کا سرچشمہ ہونی ہے ذہانت و



ہمارے شہر میں ہر شعبہ حیات میں بہت سے دانشور  
 ہیں گے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کے سبب اپنی اڑان بھرتے لہتے  
 ہیں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے رہے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر  
 اپنے قدموں کے نشان چھوڑتے چلے جا رہے ہیں اور وہ جس راستے  
 سے بھی گزر رہے ہیں وہاں صرف آجال ہی آجال دکھائی دیتا ہے۔  
 ہمارے شہر کے مشہور دانشوروں میں ایک ایسے فرد اور دانشور  
 بھی موجود ہیں جن کا ہر لفظ اور ہر جملہ نہ صرف دانشورانہ ہی ہوتا  
 ہے بلکہ اس معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی دل میں اترنا چلا جاتا ہے  
 جسٹس سردار علی خان صاحب جہاں ایک اعلیٰ درجہ کے قانون دان ہیں  
 وہیں متوق و نمائندہ دانشوروں کی فہرست میں نمایاں مقام پر بھی  
 ہیں۔ جسٹس سردار علی خان صاحب اکنسابی دانشوروں میں بھی شمار کئے  
 جاتے ہیں اور اہلانی دانشوروں میں بھی اور ان دانشوروں میں بھی جن  
 پر خدا کا خاص کرم ہوتا ہے اور جن کے ذہن و فکر کے تمام گوشے ہمیشہ  
 روشن رہتے ہیں۔ سردار علی خان صاحب ایک کامیاب قانون دان  
 کی حیثیت سے اسی وقت سے اپنی پہچان بنانے لگے جب انہوں نے  
 شعبہ قانون میں پہلا قدم رکھا۔ ایک ذہین و باشعور طالب علم کی  
 حیثیت سے وہ اپنے تمام ساتھی طلباء میں الگ پہچانے جاتے  
 تھے انہوں نے منفرد طالب علمانہ شغف و شغف کے ساتھ اپنا تعلیمی  
 سفر جاری رکھا انکشان کے تعلیمی ماحول میں بڑے بڑے قانون دان

اور دانشوروں سے ربط و ضبط اور بہترین اساتذہ کی تربیت نے ان کی قانونی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ اور جب وہ قانون کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہو کر حیدر آباد لوٹے تو انہیں قانون داں حلقوں میں بافقوں ہاتھ لیا گیا۔ اُن کا خیر مقدم کیا گیا۔ وکالت کے ابتدائی پیرکشمش، محنت طلب لمحوں سے گذرتے ہوئے کافی شہرت پائی۔ یہاں تک کہ آئندہ خواہر دیشورام کو رٹ کے کارگزار چیف جسٹس ہی رہے۔ مرکزی اقلیتی جسٹس سردار علی خان صاحب ہمارے

میں سے ایک ہیں جنہیں پیر درگاہ، بلیک جسٹس سردار علی خان نے ہر جہت سے ہی یاد کیے جاتے ہیں و تحقیقاتی حلقوں میں بھی امتیازی جسٹس سردار علی خان انگریزی میں جیتی روانی سے اردو بولتے ہیں۔ خاص طور پر اردو فقہ پر سنیہ برمتاثر ہوتے ہیں کہ ایک لمحہ ان بہتیں ہوتی۔ بڑوں محسوس ہوتا۔ بات ہو رہی ہے۔ کانوں میں پیراثر ہوتا ہے۔ جسٹس صاحب پیر دار رہتا ہے فقہ کے دوران

اُن کی آنکھیں بھی بولنے لگتی ہیں۔ چہرہ کی رنگت اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ وہ اپنی بات مدلل انداز میں کہتے جائیں گے۔

خدا نے انہیں بھرپور اظہارِ بیان کی طاقت عطا کی ہے۔ کثرتِ مطالعہ اُن کی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ جسٹس سردار علی خان کا علمی سرمایہ قابلِ رشک ہے انہیں کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تقریر کی بہترین صلاحیتوں کا اظہار اُس وقت پورے شباب پر ہوتا ہے جب کسی ایک خاص موضوع پر سربستہ خطاب کے لیے دعوت دی گئی ہو۔ سردار علی خان صاحب کے مشاہدات و تجربات میں ہم آہنگی ہے۔ جسٹس سردار علی خان اُردو زبان اُردو شعر و ادب اور اردو تہذیب سے واہانہ وابستگی رکھتے ہیں اُردو کے جلسوں میں اپنے معلومات اُردو خیالات سے حاضرینِ محفل کو مسحور کر دیتے ہیں جسٹس صاحب کی تقریر اُس وقت دو آتشہ ہو جاتی ہے جب وہ دورانِ خطاب اُردو کے بہترین شعرا سے ہیں۔ سردار علی خان صاحب کو شعر و ادب سے عجیبے حد لگاؤ ہے۔ مشاعروں کے لیے حد شوقین ہیں۔ میں نے سردار علی خان صاحب کو پہلی دفعہ اُس وقت دیکھا تھا جب وہ ایک سامع کی حیثیت سے ۳۰ سال پہلے تماشہ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام تماشہ کلب میں منعقد ایک شاعرہ میں بر جلیت سامع موجود تھے۔ شاعرہ میں سامعین کے کعبے فرش کا انتظام کیا گیا تھا جسٹس صاحب شہ نشیں کے بالکل قریب مقابل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں شہر کے شاعروں کے ساتھ شہ نشیں پر بیٹھا ہوا

تھا حبش صاحب نے ہر اچھے شعر پر کھلے داد دے رہے تھے اُس مشاعرہ میں میں نے بھی اپنا کلام سنایا تھا میری غزل کو بھی حبش صاحب نے داد و تحسین سے نوازا تھا۔ اُس پہلی ملاقات کے بعد حبش صاحب سے مختلف مشاعروں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کبھی کبھی خبر دگاہ معظم جا ہی مارکٹ کی میسر ہو لے کے قریب ہی ملاقات ہوا کرتی تھی۔ حبش صاحب کا آفس خبر دگاہ کے ایک کمرہ میں آج بھی موجود ہے۔ میں اُن دنوں زندہ دلان حیدر آباد اور فاکس آرٹس اکیڈمی سے وابستہ اپنے دوستوں سے ملنے کے لیے کبھی کبھی وہاں جایا کرتا تھا۔ میں بھارت نیوز کو بھی اپنی ادبی انجمنوں کی نیوز کے سلسلے میں جاتا تھا۔ سردار علی خان صاحب ملک کے مشہور و مستند قانون دان کی حیثیت سے بعض سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے وابستہ رہے اور اب بھی وابستہ ہیں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ قانون سے بھی ان کا تعلق رہا ہے اس کے علاوہ جاموں کی مختلف کمیٹیوں میں بھی رہے ہیں۔ حبش سردار علی خان صاحب کے قانونی مضامین سیاست میں چھپنے رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آتے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ گجرا ل کمیٹی کے بعض قانونی نکات پر مشورہ کے لیے انہیں عابد علی خان صاحب یاد کیا کرتے تھے۔ عابد علی خان گجرا ل کمیٹی کے رکن تھے۔ حبش صاحب شہر کے مختلف علوم و فنون کے اداروں کے علاوہ دینی و ملی انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں۔ جن کی بہترین مشاورت اور مدد و تجاویز سے کئی انجمنیں بہتر طریقے سے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھی ہوئی

ہیں۔ میری اور رئیس اختر کی شاعری کے بھی وہ دلدادہ ہیں۔ ہم دونوں سے ملی کر ہمارا کلام سن کر وہ مسرت محسوس کرتے ہیں۔ میرا شہر میرے لوگ کے جلوں میں حبش سردار علی خان کبھی صدر اور کبھی ہمان ٹھکڑی کی حیثیت سے مدعو رہتے ہیں۔ میری کتابوں کی رسم اجراء تقاریب میں بھی وہ مدعو رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں حبش سردار علی خان، رئیس اختر اور مجھ کو جدہ کے ایک عظیم الشان مشاعرہ میں مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے لیے بزم عثمانیہ جدہ جناب عارف قریشی داعی مفضل تھے جب انہوں نے فون پر مجھ سے مشورہ کیا تو یہ دریافت کیا کہ مشاعرہ کی صدارت کے لیے حیدر آباد سے کس شخصیت کو مدعو کیا جاسکتا ہے؟ میں نے کہا کہ سردار علی خان صاحب موزوں رہیں گے آپ انہیں مدعو کیجئے۔ میں نے اس سلسلے میں بزم عثمانیہ جدہ کے ایک رکن منظر الدین الشمس صاحب سے جو ان دنوں حیدر آباد کے ہوئے تھے اور رئیس اختر سے مشورہ کیا تو دونوں کے بعد میں نے حبش سردار علی خان صاحب کو عارف قریشی کے حوالے سے مدعو کیا۔ ہم تینوں حیدر آباد سے ذبیحہ ہواٹی جہاز زمینی روانہ ہوئے۔ ممبئی میں ویزا کے حصول میں دو دن کی تاخیر ہوئی ہم دو دن ممبئی میں رکے رہے۔ ہندوستان کے دیگر مدعو شاعروں کو جدہ لے جانے کی ذمہ داری برہمچریا سوہنی گئی تھی جن میں خاربارة کوئی بھی تھے۔ ہم تمام جب جدہ پہنچے تو ایئر پورٹ پر ہمارا خیر مقدم کیا گیا ہم ایئر پورٹ سے ایک ہوٹل میں پہنچے جہاں ہمارے لیے ایک دن کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا دوسرے دن ہم تمام عارف قریشی کے ہاں چلے گئے۔ سردار علی خان صاحب کے ایک رشتہ دار انہیں اپنے گھر لے گئے۔ مشاعرہ سے ایک دن قبل ہم نے عمرہ کی

اسطوت حاصل کی مثالہ کے دوسرے دن میں اور تیس خرد ربار رستا  
 میں کچھ حاضری دینے کے لیے مدیر چلے گئے۔ دن بھر مدینہ میں رہے جب ہم  
 شاپنگ کے لیے بازار پہنچے تو قریب چھ بجے ایک ناسلوم  
 ہندوستان نے ہم سے کہا کہ باری مسجد ڈھادی گئی ہے اور سارا ہندوستان  
 فرقہ وارانہ فادات کی لپیٹ میں ہے۔ ہم مدینہ سے جدہ واپس ہوئے جدہ  
 میں ہم تینوں کا قیام مظہر الدین الشمس صاحب کے پاس تھا ہم تینوں ایک  
 ساتھ ایک کمرہ میں رہے۔ ہم اس سانچے کے تیرے دن یعنی پہنچے۔ جب ہم  
 ایئر پورٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ بمبئی کے حالات بہت خراب ہیں ہر طرف لوٹ  
 مار، قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے۔ ہم بہت پریشان ہوئے۔ بمبئی سے  
 حیدرآباد کے لیے ٹکس کنفرم نہیں تھے۔ بڑی مشکلوں سے ہم نے ٹکس حاصل  
 کیے۔ جب حیدرآباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ شہر میں کرفیو لگا ہوا ہے ایئر پورٹ  
 پر ہم نے کرفیو پاس حاصل کر لیا۔ میں اور رئیس ختر ایک ٹیکسی کے ذریعہ  
 اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ خیرو عافیت سے حیدرآباد پہنچے پر ہم نے مسجد  
 ادا کیا۔ جب شہر کے حالات نارمل ہوئے تو شہر میں پھر ادبی محفلوں  
 اور مشعوذوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سردار علی خان صاحب سے ملاقاتیں  
 ہوتی رہیں۔ سردار علی خان صاحب سے راج بھون کی تقاریب میں  
 بھی ملاقات ہو کر تھی۔ جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش  
 کے زمانہ میں راج بھون میں شعری و تہذیبی محفلیں عروج پر تھیں۔  
 حبش صاحب سے ان محفلوں کے علاوہ راج بھون کی بعض خاص محفلوں

میں بھی کبھی کبھی ملاقات ہوا کرتی تھی۔  
 شہر کے بلند مرتبت دانشوروں میں سردار علی خان صاحب اپنی  
 مخصوص شہنائت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں۔ قابل فرزند جامعہ  
 عثمانیہ نے اپنی حداداد صلاحیتوں کو یورپ میں کار لائے ہوئے ہے  
 اپنا ایک ایٹم اور ناقابل قرار موشن مقام اٹھا لیا ہے۔ میری خدائے قدوسہ  
 دعا ہے کہ ان کے درجات اور ان کی عظمتوں میں اور اضافہ کرے۔

# محمود بن محمد

نامور دانشور، صاحبِ فہم و ادراک ممتاز شخصیت (

خدا تبارک و تعالیٰ کی پہچان اُس کی ذاتی شرافت، اُس کے رکھ رکھاؤ اور اُس کے طرزِ زندگی سے خود بہ خود عیاں ہو جاتی ہے۔ معاشرہ میں اپنی ایک الگ پہچان کے ساتھ اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے والے لوگ جہاں پندرہ و سترہ ارتقا پذیر عوامل سے آشنا رہتے ہیں وہیں ان کا فکری و خیالی و اسباب پر مبنی نظریہ کہتے ہیں زندگی کے مرحلوں سے سرسری گزرتے والے لوگ اپنی وسعتِ نظر کا مظاہرہ پوری طرح نہیں کر سکتے۔ حالات کی کشاکش، جہدِ مسلسل اور کچھ پانے اور کچھ سکر دکھانے کی گنجائش، دھن ایک انسان کو شہرت کی بلندی تک لے جاتی ہے اور ایسا شخص جو اعتدال پر نہ طبعیت کا محور رہا ہو وہ ہر مرحلہ کو صبر و تحمل کے ساتھ سہہ جانتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے رنگ و نوری کہکشاں بن کر پھیل جاتا ہے۔ اس کی روشنی ذہن، فکر کو ہی منور



نہیں کرتی بلکہ اطراف و اکناف کے ماحول کو بھی جکا چوند کر دیکھنے سے ذہانت  
 فکر و آگاہی کے چراغوں کو بجھنے نہیں دیتی۔ لاکھ آندھیاں آتی رہیں۔  
 ہوا میں چلتی رہیں نہم و ادراک کا چراغ جلتا ہی رہے گا۔ ہمارے شہر  
 کے نامور دانشور قابل اڈمنسٹریٹر ممتاز شہری محمود بن محمد ہماری محفلوں  
 کے لیے ایک ایسا روشن چراغ ہیں جن کی روشنی اس غمہیدی عبارت سے  
 گہرا واسطہ رکھتی ہے۔ ان تمام عوامل کی جانب بلا واسطہ اشارہ  
 کیا گیا ہے جو ایک قابل انسان کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔  
 محمود بن محمد ایک اصولی ذمہ دار اور معقولیت پسند انسان ہیں جن کی  
 علمی زندگی کا آغاز ایک اسکول ٹیچر کی حیثیت سے ہوا۔ اپنی اعلیٰ تعلیمی صلاحیتوں  
 کے سبب اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور ایک دن آئی پی ایس آفیسر بن  
 گئے۔ ڈپٹی کمشنر کراچی کے علاوہ قلمکچہ پولیس کے مختلف عہدوں پر فائز  
 رہے۔ سکریٹریٹ میں ڈپٹی سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ بھی رہے اور جب  
 قیمت نے باوری کی تو وہ سفیر ہند برائے سعودی عرب بن گئے۔ محمود بن محمد  
 انگریزی زبان کے بہت اچھے شاعر و ادیب ہیں جس زمانے میں سکریٹریٹ  
 اردو اسوسی ایشن کی ادبی و تہذیبی سرگرمیاں شروع ہوئیں ان دنوں  
 شریک محمد سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن جناب شکیل احمد جو ہوم ڈپارٹمنٹ  
 میں یہ حیثیت اسٹنٹ سکشن آفیسر کام کرتے تھے مجھ سے ایک دن کہا  
 کہ محمود بن محمد انگریزی زبان کے شاعر ہوتے ہوئے بھی اردو زبان و ادب اور  
 شعروشاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جب میں نے اپنے رفقاء کے تعاون سے

سکریٹریٹ میں ۱۹۶۹ء میں سکریٹریٹ اردو اسکی ایشن کی بنیاد ڈالی  
 تو مخرورغ ہی سے جسے یہ بات پیش نظر رکھی تاکہ ہماری اسکی ایشن کی  
 ہیئت ترقی پزیر ہو اسکی ایشن کی سرگزشتوں کی طرح منفرد رہے۔ چنانچہ  
 ہم نے سکریٹریٹ کے ہر محکمہ کے اعلیٰ عہدہ داروں (اڈلس) کو آئی پی  
 ایس) کو سکریٹریٹ اردو اسکی ایشن کے نائب صدور کے عہدوں پر  
 فائز رہنے کے لیے آمادہ کیا۔ محمود بن محمد نے بھی ہماری خواہش کو ملحوظ  
 رکھتے ہوئے ہم میں شامل ہو گئے اسکی ایشن کے بعض مشاعروں میں حصہ  
 لیا اور اپنی انگریزی نظمیں سنائیں۔ محمود بن محمد سے میری پہچان اردو اسکی  
 ایشن کی وساطت سے ہوئی۔ جب وہ سیف ہندوستان کے سجدی عرب مقرر  
 کیے گئے تو سارے شہر میں خاص طور پر مسلم معاشرہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔  
 حیدرآباد میں اس مسرت میں کئی غیر متعلقہ جلسے ہوئے۔  
 میں ایک یادگار قیمتی جلسہ جناب جیلانی پیراک نے ہونے بجا رہا تھا اعلیٰ  
 پیرا نے ہر شخص کو خطاب کیا تھا۔ شہر کے بہت سے معززین شریک محفل تھے مثلاً  
 سے پہلے یعنی سرشام محفل کا راستہ کی گئی تھی۔ اس محفل میں جیلانی صاحب نے  
 مجھے اور رئیس اختر کو مدعو کیا تھا۔ ہم دونوں نے قیمتی نظمیں سنائیں جو پسند  
 کی گئیں۔ محمود بن محمد کے سیف ہندوستان کے بعد ایک طے عرصے تک ان سے میری  
 ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ جیلانی صاحب ہندوستان کے دو بھائی شمس  
 کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی بیسیوں  
 نقابا میں محمود بن محمد صاحب نے اپنے عالمانہ خیالات سے حاضرین محفل کو

مستغفید کیا اور یہ سلسلہ رکا نہیں آج بھی جاری ہے جلیل پاشاہ کے زیر انتظام  
ہونے والی تقریباً ہر تقریب میں محمود صاحب شرکت کوٹنے میں محمود بن  
محمد صاحب کو میں نے اپنے زیر انتظام کئی ادبی جلسوں میں مدعو کیا ہے۔  
محمود بن محمد صاحب کو فارسی ادبیات سے بھی گہری وابستگی ہے۔  
محمود بن محمد صاحب کے شعری و ادبی مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ  
انگریزی ادبیات کے ساتھ ساتھ اردو ادبیات سے بھی کافی دلچسپی رکھتے  
ہیں محمود بن محمد صاحب کی تقریر سننے سے تعلق رکھتی ہے بڑی روانی کے  
ساتھ اپنے مشاعرہ و شگفتہ انداز خطاب سے پوری محفل کو متوجہ کر دیتے  
ہیں۔ دوران تقریر اردو اسانڈہ کٹمن کے بر محل اشعار بھی پیش کرتے ہیں  
جس سے اُن کی تقریر کا لطف دو بالادہ جانا ہے۔ محمود صاحب کے  
مزاج میں مزاح کا پہلو بھی در آتا ہے کچھ اس طرح لطیف مزاح کا سہارا  
لیتے ہیں کہ ماری قفل لالہ زار میں جاتی ہے۔ وہ ایسے دانشور ہیں جن کے فکر و  
خیال کی خوشبو پھکنے لگتی ہے۔ اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف کوٹنے  
میں اظہار خیال پر مملہ حاصل ہونے کا وجہ سے اپنی بات قفل کر رکھتے ہیں اور  
تمام حاضرین محفل اُن کے معلومات آفرین خیالات سے استفادہ کرتے  
ہیں۔ ادبی جلسوں میں اس انداز سے آتے ہیں کہ قسوس ہوتا ہے کہ ہمارے  
شہر کی ایک یا کمال شخصیت رونق افروز ہو رہی ہے جن لوگوں کو اپنے  
اپنے میدان میں شخصیت بننا چاہی ہے انہیں محفل کی کسی بھی صف میں بٹھا دیا  
جائے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں جس کی محفل میں بھی محمود بن محمد

دکھائی دیں گے تو حاضرینِ محفل کو یہ اندازہ ہو جانا ہے کہ وہ یا تو صدرِ محفل ہیں یا ہمارے خصوصی۔ شاید ہی انہوں نے ایک عام مقرر کی حیثیت سے کسی ادبی و علمی تقریب میں حصہ لیا ہو۔ محمود صاحب کھلے دل و دماغ کے انسان ہیں ہر مسئلہ کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور منصفانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ جنابِ محمود بن محمد اگرچہ اردو ادبیات کے طالب علم نہیں رہے لیکن وہ اردو زبان سے تعلق رکھنے والے اہم جلسوں میں مدعو رہتے ہیں محمود صاحب شہر کی مختلف ادبی، تعلیمی و فلاحی انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں محمود صاحب ایک اہول پسند شخص ہیں پابندیِ وقت کو اہمیت دیا کرتے ہیں۔ میں نے انہیں اپنی تقریرِ بنام کتابوں کی رسمِ اجراء تقریب میں یہ حیثیت ہمارے خصوصی مدعو کیلئے حیدرآباد کے شاعروں میں سرِ ریش اور میں اُن کے بہت قریب ہیں انہیں ہماری شاعری پسند ہے کبھی کبھی اپنی تقریر میں ہم دونوں کی شاعری کا تذکرہ کرتے ہوئے بیڑے اچھے انداز میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یوں تو حیدرآباد میں مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے اصحاب سے ان کی رسمِ دراز ہے لیکن وہ جلیلِ پستہ کی تعلیمی و تہذیبی سرگرمیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں انہوں نے جلیلِ پستہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ہر بیڑے جلسے کو ملی طبع کیا ہے محمود بن محمد صاحب کئی برسوں سے نظامس ٹرسٹ کے ایک شعبہ کے سرسٹی ہیں ایک ٹرسٹی کی حیثیت سے ہی اپنی قابلیت و لیاقت کا انہوں نے گواہی دینا شروع کی ہے۔ تمام ریشہ میں محمود بن محمد خصوصیت کے حامل ہیں۔ مختلف علوم و فنون سے کا حقہ

واقفیت کی وجہ سے بھی وہ اس قابل رہتے ہیں کہ انہی بات سلیف سے پیش کر سکیں۔ محمود بن محمد کیونکہ انگریزی کے ایک صاحب طرز ادیب ہیں اس لیے ان کی تحریروں میں سیاہی شعور اور آگہی کے چراغ ہر جگہ روشن ملتے ہیں۔ سابق ریاست حیدر آباد کے نظم و نسق اور حسن انتظام کے وہ ہمیشہ معترف رہے ہیں۔ محمود بن محمد صاحب مولانا آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے صدر نشین ہیں ان کی زیر سرپرستی انسٹیٹیوٹ کی جانب سے آئے دن مختلف موضوعات پر جلسے ہوا کرتے ہیں شہر کی بعض نامیدہ شخصیتیں ارکان انسٹیٹیوٹ میں شامل ہیں جناب کمال الدین علی خان انسٹیٹیوٹ کے اعزاز میں سکریٹری ہیں ہم نے مولانا آزاد انسٹیٹیوٹ میں کئی ادبی تقاریب منعقد کی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ہم پھر اپنے جلسوں کے لیے ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ کی خدمات حاصل کر رہے ہیں محمود بن محمد کی طرح کمال الدین علی صاحب کا بھی تعاون ہمیں حاصل ہے۔ ہمارے معاشرہ میں آج بھی کچھ ایسی فعال شخصیتیں موجود ہیں جو اپنی عمر کا لمبا لے آسنہ طے کرنے کے بعد بھی علمی و ادبی فلاحی و تہذیبی سرگرمیوں کی سرپرستی کیا کرتی ہیں ان میں ایک نام محمود بن محمد کا بھی ہے اس طرح کے محترم لوگ جب تک ہمارے معاشرہ میں موجود رہیں گی یہ احساس ہوتا رہے گا کہ زندگی رواں دوا ہے اور زندگی کا ہر نبیل گذرتے ہوئے بن کا تسلسل ہے۔ محمود بن محمد جیسی شخصیتوں کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے اس طرح کی شخصیتیں ہی معاشرہ کے اہم کردار ہوتے ہیں گوہ اپنی صلاحیتوں سے معاشرہ کی بہتری کے لئے کلیدی رکھل ادا کرتے ہیں۔

# سید رحمت علی

( ممتاز سیاست دان، نامور صحافی، مشعل بیان مقرر )

جن لوگوں کی زندگی نرم و گرم ماحول سے گذرتی رہتی ہے وہ زندگی کے سفر کے دوران دم لینے اور رک رک کے چلنے سے گریز کیا کرتے ہیں۔ مسلسل چلتے رہنا زندگی کی مثبت علامت سمجھی جاتی ہے۔ چلتے چلتے تھک کے بیچہ جانے والے لوگ کبھی بھی اپنی منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتے۔ دوران سفر ٹنڈی چھاؤں کی تلاش میں رہنے والے لوگ اپنے سفر کی دُوریوں کو گھٹاتے نہیں، بڑھاتے ہیں۔ اس طرح کے پس منظر میں سانس لینے والے لوگ ہمیں معاشرہ کی ہر سطح پر مل جاتے ہیں لیکن حالات کا بہ غاثر معاشرہ لینے والے لوگوں کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ یک در گیر محکم گیر کے نظریہ پر قائم رہنے والے لوگ شاید ہی زندگی کے سفر میں ناکام رہے ہوں بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کر دکھانا چاہتے ہیں معاشرہ میں اپنی شناخت

اکو باقی رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ مرحلہ دار اپنی زندگی کی بہترین صورت گری کا آئینہ بنا لیتے ہیں۔ اُن کے ہر عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہچان کی برقراری کے لئے تساہلی دلا پرواہی سے کام نہیں لیتے۔ جہد مسلسل، سخت محنت اور اپنے نقطہ نظر کی برقراری و توسیع کے لئے باوقار طریقہ حیات کا اعلیٰ نمونہ بنے رہتے ہیں اس طرح کی خصوصیات کی آئینہ دار ممتاز شخصیتوں میں سید رحمت علی صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ سیاسی زندگی میں سرگرم عمل رہنے سے پہلے رحمت علی صاحب کی ہفت روزہ ترجمانِ قلم نیا سنا کے نام سے شائع کرتے تھے اپنے دور کے نوجوان صحافیوں میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں سیاسی سماجی و فلاحی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ جیسے ہی وہ کانگریس پارٹی سے وابستہ ہو گئے اپنی سیاسی زندگی میں رنگ بھرنے لگے۔ ایک کانگریسی کارکن اور پھر ایک قائد کی حیثیت سے معروف رہنے لگے۔ اپنے ابتدائی دور میں سماجی و تہذیبی کئی چھوٹی چھوٹی ادبی و تہذیبی انجمنوں سے وابستہ ہوتے گئے۔ ایک روشن خیال کانگریسی کارکن کی طرح عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے لگے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم برس پہلے رحمت علی صاحب مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں ملے حدِ دلچسپی لیتے تھے۔ خاص طور پر آزاد می ہند فوجی یکجہتی تقاریر کے سلسلے میں بڑے ہی اہتمام سے مشاعروں کا

اہتمام کرتے تھے۔ میں اور رئیس اختر شاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے رحمت علی صاحب شہر کے اُس دور کے مشاعروں میں ہماری مسلسل حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ رحمت علی صاحب جب روزنامہ ملاپ سے وابستہ ہو گئے تو ایک رپورٹر کی حیثیت سے بہت جلد مدیر ملاپ جناب یدھ ویر کی نظروں میں آ گئے۔ یدھ ویر جی رحمت علی صاحب کو اپنا ایک یا اعتماد ساتھ لکھنے لگے۔ رحمت علی صاحب کئی برسوں تک ملاپ سے وابستہ رہے۔ چونکہ ترقی کی منزل بس طے کرنا ان کی قسمت میں تھا اس لیے وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مقبولیت حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے کانگریس پارٹی میں اپنا ایک اہم مقام بنایا یہاں تک کہ وہ ڈپٹی ایسیکرریٹری اسبلی کے ذمہ دارانہ خدمت پر بھی فائز رہے۔ پھر وہ نیشنل راجہ سبھا رہے۔ ان دنوں ریاستی کانگریس پارٹی کے اقلیتی سب کے صدر نشین ہیں۔ کانگریس پارٹی کے مختلف شعبوں میں خوش اسلوبی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ آج بھی وہ سرگرم عمل ہیں۔ رحمت علی صاحب کو میں مشاعروں کی وساطت سے جانتا ہوں۔ ان سے میری پہلی پہچان کا واحد وسیلہ شعری محفلیں ہیں وہ مجھ سے دوستانہ خوشگوار موڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔ نہایت نڈر، بے خوف و بے باک مقرر ہیں۔ ایک شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں سیاست کے ہر موضوع پر سیر حاصل تقریر کرنے کے موقف میں رہتے ہیں۔ شعری و ادبی محفلوں سے ان کی وابستگی پہلے



بھی تھی اور اب بھی ہے۔ انجمن ترقی اردو آئندہ ہر ایرڈیشن کے رکنِ عالم ہیں  
 جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر سے ان کے بہت اچھے  
 مراسم تھے۔ جناب زاہد علی خان صاحب سے بھی اچھے مراسم ہیں  
 ایک زمانے میں روزنامہ ملاپ میں ان کے سیاسی و ادبی مضامین شائع  
 ہوتے تھے۔ ملاپ کے بعد روزنامہ سیاست میں ان کے سیاسی و ادبی  
 مضامین شائع ہوا کرتے ہیں جو قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں  
 سیاست کے بہتہ داری کا لم بین کچھ عرصہ تک ان کے ادبی، سیاسی و سماجی  
 مضامین شائع ہوتے رہے۔ ادارہ سیاست کی جانب سے ان کے مضامین  
 پر مشتمل مجموعہ ”سرفروشان وطن“ شائع ہو چکا ہے رحمت علی صاحب  
 ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔ اپنی گرجدار پیر اثر آواز سے اپنی تقریر  
 کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا دیتے ہیں۔ ہر موضوع پر بلا کسی قصاصت  
 کے کھل کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ کانگریس پارٹی نے ان کی شعلہ بیانی اور  
 ان کی پیر اثر تقریر سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اب بھی فائدہ اٹھا  
 رہی ہے۔ اب بھی وہ مسلم اقلیتی سیاست کا فائدہ کی حیثیت سے نہ صرف ملک  
 کے عام مسائل پر مبرا اظہار کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے مسائل پر بھی ملک  
 کے سربراہوں کو توجہ دھمکتے رہتے ہیں۔ رحمت علی صاحب اردو اکیڈمی  
 آئندہ ایرڈیشن کے ۱۹۹۲ میں صدر نشین رہ چکے ہیں۔ جن کی صدر نشینی  
 کے زمانے میں تھے یہ اعزاز حاصل تھا کہ میں رکن بورڈ آف گورنرس مہاراجہ  
 ارکان بورڈ ہم خیال تھے رحمت علی صاحب نے اپنے دورِ صدر نشینی میں اردو اکیڈمی

کچھ بہت سی ایکمات کو رو بہ عمل میں لایا اور بغیر کسی شکایت کے خاص طور  
 پر شاعروں، ادیبوں کے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے دورِ صدارت میں  
 شہر اور اضلاع کے تمام اہل قلم حضرات اور اردو اداروں کے سربراہ  
 مطمئن رہے۔ شہر کے علمی، ادبی، شعری و تہذیبی جلسوں میں  
 کبھی تو صدر کی حیثیت سے اور کبھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے  
 مدعو کیے جاتے ہیں اور اپنی پُر اثر تقریر سے جلسہ کو کامیاب بناتے ہیں  
 کانگریس پارٹی سے وابستہ سیاسی قائدین میں شامل ان کے قریب  
 ترین دوستوں میں سابق وزیر قانون جناب آصف پاشا ہیں۔  
 ان دونوں کی دوستی ہم خیالی اور ذہنی ہم آہنگی یا بیدار اور مضبوط ہوتی  
 چلی گئی۔ جناب سید رحمت علی ابوان پر جس معظّم جاہِ شمع کے مشاعروں  
 میں بہ حیثیت مہمان خصوصی شرکت کرتے ہیں اور اپنی معلومات آفرین  
 عمدہ تقریر سے حاضرینِ مفضل کو حیدر آباد کی پھلّی روایتوں، اعلیٰ قدروں  
 اور اس زمانے کی گنگا جمنی تہذیب کی یاد دلاتے ہیں۔ ہمارے شہر کے  
 سینیئر ترین مسلم قائدین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ رحمت علی صاحب  
 جہاں ایک باشعور سیاستی قائد ہیں وہیں ایک بہترین شہری کی حیثیت  
 سے مشہور ہیں۔ شہر کے تقریباً تمام شاعروں، ادیبوں سے واقف ہیں  
 سیاستی قائدین خاص طور پر مسلم سیاسی قائدین کی خدمات اور ان کے  
 کارناموں سے کا حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اپنی تقریریں اور خبریں  
 میں انہوں نے ہمیشہ بے باکی سے کام لیا۔ بڑی جرأت و حوصلہ کے ساتھ

کسی مصلحت کو درمیان میں لائے بغیر بھرپور اعتماد کے ساتھ ۔  
 تمام سیاسی، تہذیبی و ادبی حلقوں میں رحمت علی صاحب کی عزت کی جاتی  
 ہے ۔ میں نے یہ فحوس کیسے کہ حیدر آباد کے سینئر کالج میں قائدین  
 میں نواب میر احمد علی خان کی قیادت کے وہ قدردان تھے رحمت علی  
 صاحب نے اپنی سیاسی و سماجی زندگی اپنی ذاتی محنت، لگن اور  
 مسلسل جدوجہد سے بنائی ہے اگرچہ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی میں  
 بعض قائدین سے تعاون حاصل کیا ہے ۔ انہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں  
 کو ہر طرف اول کی حیثیت دی ہے ۔

میں گو لکڑہ کی نامزدہ شخصیت منظور ظفر اور حیدر آباد کی فعال و  
 متحرک شخصیت غلام صادق الدین کا نام بھی ان کے احباب کی فہرست میں  
 نہایا ہے ۔ سیاسی قائدین میں ڈاکٹر ایم جباری اور ٹی ایچ ایم ایم  
 ہاشمی دیکھتے ہوئے ان کے ہمیشہ معاون رہے ۔ تمام سیاسی قائدین  
 رحمت علی صاحب کی عزت کرتے ہیں ۔ آج بھی ان کی کافی اہمیت ہے  
 رحمت علی صاحب اپنی تقریر کے دوران اردو اشعار کا بیر محل استعمال کرتے  
 ہیں جس کی وجہ سے ان کی تقریر کا اثر دو بالا ہو جاتا ہے سیدھے سادے  
 شریف النفس، روشن دماغ انسان ہیں ان کا سیاسی فہم ہی رتبہ ہمیشہ اعلیٰ  
 اقدار کا ترجمان رہا ہے رحمت علی صاحب حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب کے عکس دار ہیں ان کے  
 ملنے والوں میں ہر سطح کے لوگ شامل ہیں ہر شخص سے اُس کے مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے  
 ملتے ہیں ہمارے ساتھ مل کر رحمت علی صاحب کا جو ایک سایہ درخت کی طرح ہے جو اپنی ٹھنڈی  
 چھاؤں سے نکلے ماندے مسافروں کو راحت بخاتا رہتا ہے ۔

# ڈاکٹر مجید خاں

نام نہاد ہر نفسیات۔ ممتاز صاحب طرز ادیب

ممتاز ہر نفسیات ڈاکٹر مجید خان صاحب سے میری تاحال صرف دو شخصی ملاقاتیں رہی ہیں۔ ویسے ان کا نام شہر کی بعض ممتاز شخصیتوں کے ساتھ ہر اعلیٰ سوسائٹی میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ایسی محفلوں میں بھی تذکرہ ہوتا رہتا ہے جہاں پیشہ ڈاکٹری سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں رہتے۔ پیشہ مسیحائی ایک اعلیٰ و ارفع پیشہ ہے خدمت خلق کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر اپنے پیشہ سے ایمانداری کے ساتھ وابستہ رہے تو اس کی عظمتوں اور توقعات کی حد قائم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹری کا پیشہ، جذبہ انسانیت و خدمت خلق کے لیے ایک ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں ڈاکٹر اور مریض کی شکلیں ایک دوسرے کے لیے سوالیہ نشان بن جاتی ہیں۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کا مریض مکمل شفا پائے لیکن مریض اپنی مکمل صحت یا بالی تک تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ مختلف امراض کے مخصوص

ڈاکٹر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ڈاکٹر ہیں جو ہر قسم کا علاج کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب کے ہاں جتنے مریض آتے ہیں۔ ان کی تشخیص صرف اور صرف نبض پر ہاتھ رکھ کر کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے سٹ کی رپورٹ کی ان کے ہاں قطعی اہمیت نہیں رہتی۔ وہ مریض کو خوش نصیب ہوتے ہیں جو ڈاکٹر مجید خان صاحب کے زیر علاج رہتے ہیں۔ ماہر نفسیات و عارضہ دماغ کی حیثیت سے ڈاکٹر مجید خان صاحب کا نام حیدرآباد کے ڈاکٹروں میں نمایاں ہے۔ خاص طور پر مسلم معاشرہ اور اردو حلقوں میں ڈاکٹر مجید خان صاحب کا نام بہت زیادہ روشن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر مریضوں کی صحت یا بی ڈاکٹر صاحب کی تسلی آمیز باتوں سے ہی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں نہایت کامیاب میچا ہیں۔ ڈاکٹر مجید خان صاحب ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں ان کے مضامین برسوں سے اخبار سیاست میں شائع ہو رہے ہیں جو نہایت دلچسپ و معلومات آفرین ہونے کے علاوہ پُر اثر تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک اچھے مقرر بھی ہیں نفسیات کے موضوع پر انہوں نے بہت سے عمدہ عمدہ لکچر دیئے ہیں جن کا ثبوت اخبارات میں شائع شدہ جلسوں کی روئیدادیں پیش کرتی ہیں۔ سیاست اخبار میں ان کے مضامین بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں ان کے زیادہ تر مضامین ان کے تمام نثری مشاہدات و تجربات کے آئینہ دار ہونے

ہیں۔ میرے دل و دماغ پر گزشتہ ۲۵، ۳۰ برسوں سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ پہلی بار میں نے ڈاکٹر صاحب کو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے میوزیکل پروگرام میں دیکھا تھا جس کا میں جزیل سکریٹری تھا۔ ان سے میرا تعارف صدر اسوسی ایشن جناب صادق احمد اسسٹنٹ سکریٹری محکمہ رقانون نے کروایا تھا۔ وہ سکریٹریٹ کی تنہا سب سے قریب میں جناب صادق احمد کی دعوت پر آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اردو شعر و ادب کے علاوہ محفل موسیقی کی شائستہ و منتخب محفلوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جب کبھی میں حمید رآباد کے اہم ترین مسلم ڈاکٹروں کا ڈکٹر کرتا ہوں تو ڈاکٹر سید عبد المنان، ڈاکٹر حمید رحمان اور ڈاکٹر مجید خان کے نام خود بہ خود میرے لبوں پر آجاتے ہیں یہ تینوں ڈاکٹر اپنی اپنی شائستہ مزاجی اور اپنے اپنے طریقہ علاج کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر مجید خان صاحب سے میری دوسری ملاقات آن کے کلینک (آدرش نگر) میں ہوئی تھی جہاں میں اپنے ایک عزیز کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ میں نے اپنے وزیٹنگ کارڈ کے ساتھ اپنے دوسرے مجموعہ کلام ”زخمی کے گلارے“ کی ایک جلد بھیجی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فوری جواب دیا۔ میں نے مریض کو ڈاکٹر صاحب کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مرض کی تشخیص لگائی نہیں لی۔ ڈاکٹر صاحب کی شاعر نوازی کا میں ہمیشہ سنون رہی ہوں۔ میں کچھ اور دماغی اور نفسیاتی مریضوں کو سہارشی خط کے ساتھ بھیجی تھا ڈاکٹر صاحب نے پوری دلچسپی کے ساتھ جواب دیا تھا۔

کچھ تحقیق ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی جانب لوگ کھینچے چلے جاتے ہیں۔  
 نہ مہسکو کی محفلوں میں ڈاکٹر صاحب اکثر شرکت فرماتے ہیں۔  
 حال ہی میں انہوں نے ایک بہت ہی اچھا کچر شکری شوہر، شکری بیوی کے  
 زیر عنوان دیا جو ڈیڑھ ماہ کا سفر کا سفر نامہ ہے۔ اس محفل کا  
 کا اقتباس میں نے "خوشبو کا سفر" شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع کیا  
 ہے۔ وقتاً فوقتاً خوشبو کا سفر میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع  
 ہوتے رہتے ہیں۔ سیاست اخبار میں مختلف موضوعات پر خاص طور پر  
 دماغی امراض اور نفسیات کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی تحریریں شائع  
 ہوتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر جمید خان صاحب جہاں ایک کامیاب ڈاکٹر ہیں  
 وہیں ایک صاحب طرز بہترین ادیب بھی ہیں۔ عموماً کچھ لوگ صرف اپنے  
 پیشے ہی میں معروف رہتے ہیں ڈاکٹر جمید خان صاحب جیسے ڈاکٹر  
 بہت کم ہوں گے جو اپنے پیشے میں شہرت رکھنے کے علاوہ اردو شعرد  
 ادب میں بھی مشہور ہیں۔ تجھے یہ کہتے ہوئے سرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر  
 صاحب نے میری ہر سفارش کی پیروی کی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی  
 ڈاکٹر صاحب سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کے لئے کئی بیرون  
 ممالک کا سفر کیا۔ جہاں ان کے پیش کردہ مضامین / مقالات کو بے حد  
 پسند کیا گیا۔ جناب محبوب حسین جگر صاحب ڈاکٹر جمید خان صاحب سے  
 سیاست میں اشتغلت کے لیے مضامین روانہ کرنے کا خواہش کرتے  
 تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کا رشتہ آج بھی سیاست سے برقرار ہے۔

# پروفیسر احمد اللہ خاں

(شاہین نظر، روشن دماغ، دل پر نور، معتبر انسان)

جب ہم کسی صمن صمن میں پہنچ جاتے ہیں تو مختلف اقسام کے پھول  
 ہمارا استقبال کرتے ہیں مختلف رنگوں کے پھول مختلف تان رنگ کے پھول  
 کی رونق پر ہلنے کے لیے تہمتیں رہتے ہیں۔ ہر پھول باد صبا کی  
 وعنائیوں اور شبنم کی پروائیوں کا سپاس گزار رہتا ہے۔ مہرے موسم کی  
 پہلی خوشبو کی طرح اسارا چھیننے لگتا ہے۔ خطرہ بیڑ فضا میں احاطہ چین  
 کی حد۔ آنگ ہی محدود نہیں رہتی۔ بلکہ ڈھونڈ کر تک پھیل جاتی ہیں  
 آجملے پہلے وہ دیوار زنداں میں رہیں کہ آزاد فضاؤں میں رہیں کبھی  
 قید نہیں رہتے۔ اگر روشنی کو قید کرنے کی کوشش کی بھی جائے تو وہ روزن  
 زنداں سے چھین چھین کر نکلتی ہے۔ اگر کسی ارتقاء پذیر شخصیت میں خوشبو  
 اور روشنی کی آمیزش ہو اور اس کے فکر و خیال میں وسعتیں ہوں تو  
 ایسا شخص ایک نہ ایک دن اسارے معاشرہ کے لیے پیکر خوش بھال اور



صاحبِ نظراں بننا رہے گا۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان حمید آبادی اُن قابل ترین، باشعور و باصلاحیت دانشوروں میں سے ایک ہیں جن کا نام مہذب معاشرہ کی پہلی فہرست میں نمایاں ہے۔ پیر و فیروز صاحب کے اندازِ گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی پس منظر بھی ان سرگزیدہ شخصیتوں کا ایک ایسا نسل ہے جو سارے معاشرے کے لیے نیکی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کا مذہبی و فکری سفر سارے ماحول کو عطرِ بیز بنا رہا ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی میں ہر قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں وقت کی نبض ہوتی ہے وہ صراطِ مستقیم کے راہ کو کھلتے ہیں۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کی حیثیت ایک میر کا رواں کی بھی ہے اور قافلہ میں شریک ایک راہی کی بھی ہے دونوں صدروں میں راستے کی تمام رکاوٹوں کو ڈور کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ رواں دواں رہتے ہیں۔ پیر و فیروز صاحب جاسو عثمانیہ میں شعبۂ قانون کے ایک لائق استاد ہیں۔ جن کا اعلیٰ درجہ کے ماہرین قانون میں شمار ہوتا ہے ان کی علمی بعیت سے بے شمار تشنگانِ علم و فن مستفیض ہو چکے ہیں ہمارے شہر میں جو لوگ اپنی دانشوری، اپنے علمی مرتبہ اور اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے شہرت پا چکے ہیں ان میں ایک بیڑا نام پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کا بھی ہے شہر کے ممتاز شہریوں میں اپنی شرافت اپنے خلوص، اپنی قابلیت اور اپنے شائستہ طرزِ حیات کی وجہ سے مقبول ہیں نہایت اعلیٰ ظرف، شریف النفس، باکردار، قابلِ اعتبار اور

بادقار شخصیت کے حامل ہیں۔ منکرانے ہوئے ان کا گفتگو کرنا مخاطب کو  
 متاثر کر دیتا ہے۔ شائستہ مزاجی، شگفتہ طبیعت، طرح داری اور وضع  
 داری ان کا خاص وصف ہے۔ احمد اللہ خان صاحب ہر بات نپے تلے  
 انداز میں کہتے ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو مختلف دلیلوں کے ذریعہ  
 اس سلیقے سے سمجھاتے ہیں کہ کوئی مسئلہ مسئلہ ہی نہیں رہتا۔  
 پروفیسر صاحب کی قابلیت نہ صرف شعبہ قانون کی حد تک ہی محدود ہے  
 بلکہ مختلف علوم و فنون کے گہرے مطالعہ نے انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ  
 وہ ہر موضوع پر جامع انداز میں اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ بعض شخصیات  
 ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی کسی محفل میں آمد سے پہلے ہی ان کی خوشبو پہنچ جاتی  
 ہے اور جب وہ محفل میں داخل ہوتے ہیں تو سارا ماحول ہلکتے لگتا ہے پروفیسر  
 احمد اللہ خان صاحب کا شمار ایسی ہی موعظ شخصیتوں میں ہوتا ہے میں  
 نے پروفیسر صاحب کو کئی علی و ادبی جلسوں میں سنا ہے جب وہ تقریر  
 کرتے ہیں تو جوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے  
 میں اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقریب کے علاوہ خوشبو کا سفر کے سالانہ  
 جلسوں اور اپنے بعض منظر دستوں کی کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں  
 انہیں اظہار خیال کے لیے دعوت دیا کرتا ہوں۔ محفل کے تمام تجزیہ کاروں  
 میں احمد اللہ خان صاحب اپنی ایک الگ پہچان کے ساتھ جلوہ افروز رہا  
 کرتے ہیں۔ کتابوں پر تبصرے ہوں کہ کسی شخصیت کے کارناموں کا جائزہ  
 اجلاس، موڈاکر صاحب حاضریں مجلس کو مایوس نہیں کرنے۔ ان کی گفتگو میں

نفع نہیں ہوتا۔ کھری کھری بات صاف صاف لفظوں میں کہہ جاتے ہیں ان کا لب و لہجہ پُر اثر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اردو زبان کی طاقت اردو تہذیب کی وقعت اور اردو شعرواد کی عظمت کا پوری طرح ادراک ہے ڈاکٹر صاحب کو مختلف علوم و فنون سے دلچسپی ہے ایک بہترین اور با شعور مقرر ہونے کی وجہ سے کوئی بھی موقع نہ کیوں نہ ہو جم کر اظہارِ خیال کرنے میں اردو ادبیات کے علاوہ انہیں شرعی و قانونی علوم پر بھی قدرت حاصل ہے ان کی تحریریں بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں سیاست کے شعبہ اشاعت کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کے سیاست میں شائع شدہ مضامین کا ایک مجموعہ لیگل گائیڈنس کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے سیاست اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع ہوئے رہتے ہیں جو زیادہ تر شرعی، قانونی اور سیاسی مسائل پر مبنی رہتے ہیں سیاست اخبار سے ڈاکٹر صاحب کو بہت زیادہ لگاؤ ہے پھر یاد ہے کہ خاص خاص مواقع پر جناب محبوب حسین جگر صاحب سیاست کے لیے ڈاکٹر صاحب سے مضامین لکھنے کے لیے کہتے تھے۔ اردو حلقوں میں پروفیسر احمد اللہ خان صاحب کی ادبیانہ پہچان میں سیاست اخبار کا بڑا حصہ ہے۔ میں جب اپنے وطن ہمدان (ضلع بیدر) سے اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدرآباد آیا تو اپنے پیو بی زاد بھائی کے ہاں محلہ گھانسی میاں بازار میں مقیم رہا۔ اُن دنوں احمد اللہ خان صاحب میرے پیڑوسی تھے ان کے والد محترم محمد وحید خان کا اس محلہ کے سربراہوں میں شمار ہوتا تھا جو صدر شعبہ قانون تھا۔

عثمانیہ تھے اور ایک عرصہ تک کلکتہ کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ پروفیسر احمد اللہ خان نے اپنے والد محترم اور دیگر اہل خاندان کے تعلیم یافتہ ماحول میں اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین پڑھنے والوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے والے ہیں۔ فرزند جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے ان کا نام بھی جامعہ عثمانیہ کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ پروفیسر احمد اللہ خان اعلیٰ سوسائٹی کی قابل قدر شخصیت ہیں شہر کے مختلف اداروں کی جانب سے منفقہ ہونے والی اعلیٰ سطح کی علمی و ادبی و فلاحی تقاریب میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔

احمد اللہ خان صاحب کا خطاب پُر اثر ہونا ہے شکر کا اے مغل اُن کے ہر جملہ سے مستفید ہوتے ہیں اس قدر روانی سے تقریر کرتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ معلومات کا خزانہ لٹا بجا رہا ہے شریک مغل کوئی بھی شخص ان کا خطاب سن کر خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اس کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے بہترین اور کامیاب وہی مقرر ہوتا ہے جس کے ساتھ سامعین ہم سفر رہتے ہیں ایک مقرر کے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے کہ جب وہ کسی مغل میں تقریر کرتا ہے تو وہ تنہا نہیں رہتا۔ ساری مغل اس کی ہم زبان ہو جاتی ہے اس کی تقریر کا ایک حصہ بن جاتی ہے پروفیسر صاحب کو ملک کی مختلف علمی و ادبی و قانونی اداروں کی جانب سے مدعو کیا جاتا ہے ملک کی مختلف درس گاہیں، دانش گدے اور جامعات ان کی علمی و تعلیمی قانونی و تہذیبی صلاحیتوں سے استفادہ کرتی ہیں ڈاکٹر صاحب نے بے شمار سمینار، سمپوزیم میں حصہ لیا۔ اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک کے دانش گدوں میں بھی مدعو رہتے ہیں عثمانیہ یونیورسٹی

کی مختلف کمیٹیوں میں بھی کہیں نذرکن کی حیثیت سے اور کہیں سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے خیر کے بعض علی وادنی اداروں سے ان کی وابستگی ہے پروفیسر صاحب اپنی غیر معمولی علمی مصروفیات کی وجہ سے مختلف تقاریب میں شرکت کے لیے وقت نہیں دے سکتے لیکن وہ لوگ اور وہ منتظمین تفریب قابل مبارکباد ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں ڈاکٹر احمد اٹھ خان صاحب اپنی قابلیت اور میرٹ کی بنیاد پر مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی کے متوقع وائس چانسلر تھے باذوق ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ پروفیسر احمد اٹھ خان صاحب کا نام بھی وائس چانسلری کے پیائل میں موجود تھا لیکن نتیجہ وہی ہوا جو عموماً ادنیٰ اور اعلیٰ ترین کرسیوں کے لیے ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب اس طرح کے لوگوں میں نہیں ہیں جو بہت کچھ کرنے اور سب کچھ ہونے کی سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ایک بے نیاز شخص کی طرح سیاست کے داؤ بیچ سے بہت دور رہتے ہیں۔ مجھے اس بات پر بے حد مسرت ہے کہ پروفیسر صاحب خاص طور پر مسلم معاشرہ کی نمائندہ و برگزیدہ شخصیت ہیں۔ جہاں تک میری شاعری اور میری شعری وادنی سرگرمیوں کا تعلق ہے انہیں جہاں کہیں موقع ملتا ہے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ادبی محفلوں میں بھی کھل کر میری شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اگر میری کوئی غزل سیاست میں شائع ہو تو ہے نو وہ اپنے تاثرات کا اظہار ذریعہ فون کرتے ہیں۔ گجرات کے حالیہ فسادات کے پس منظر

میں ۲۸ مارچ ۲۰۲۲ کو میری غزل سیاست میں شائع ہوئی تھی غزل پڑھنے  
 ہی اٹھو لےنے مجھے بے ساختگی کے ساتھ داد و تحسین سے نوازا۔ میری  
 غزل کے ہر ایک شعر کو سراہا۔ جس کے دو شعر اور مقطع کچھ اس طرح ہے  
 کل جوہ شامل تھے یہاں شہر کے شہکاروں میں  
 وہ تو سب قتل ہوئے گلیوں میں بازاروں میں  
 خوں بہا مانگتا چاہیں بھی تو کس سے مانگیں  
 شہر کا شہر ہے قاتل کے طرفداروں میں  
 نظم کو ہے حق سے بھلائی کی توقع نیب  
 وہ تو اک عمر سے شامل ہیں گنہگاروں میں  
 پروفیسر احمد انڈ خان صاحب ہمارے شہر کے دانشوروں میں اپنی  
 ایک الگ پہچان کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ اپنی  
 قابلیت، اپنی شرافت، اپنی مفکری مزاجی اور اپنی نیکیوں اور  
 خوبیوں کی وجہ سے پسند کیے جاتے رہیں گے اور ان کے شانے لیٹے لہجے  
 کی خوشبو دور دور تک پھیل جائے گی۔

# منوہر راج سکبسنہ

(سیئرا بڈوکین نامور قانون داں اردو کے بے لوث خدمت گنہگار)

حیدر آباد میں آج بھی بہت سے ایسے غیر مسلم گھرانے موجود ہیں جو اپنے اسلاف کی روایت پر چلتے ہوئے اپنی اقدار کی پاسداری کر رہے ہیں جو نہ تو اپنی روایات سے منحرف ہیں اور نہ ہی موسم کا رخ دیکھ کر موسم کے ساتھ چلنے والے ہیں بلکہ اپنے راسخ الارادہ اور اپنے غیر متزلزل کردار کی وجہ سے اپنی شائستہ روش پر قائم ہیں۔ حیدر آباد کی ملی جلی تہذیب آپسی بھائی چارگی اور عواظِ پسندی کی نمایاں خصوصیات ان کے مزاج اور ان کے طرزِ حیات میں جذب ہو چکی ہیں۔ کئی موسم آتے رہے جاتے رہے کبھی ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں تو کبھی گرم ہوائیں اور کبھی معتدل ہوائیں چلتی رہیں ابھی ان لوگوں نے اپنے جینے کا انداز نہیں بدلا۔ وہی کیا اور وہی کر رہے ہیں جو ان کے اسلاف کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی حیدر آباد کی ایک نمائندہ شخصیت منوہر راج سکبسنہ صاحب کی بھی ہے جو مسلم

معاشرہ سے بہت قریب ہیں۔ یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے جب سے ہوش سینھالا ہے تب ہی سے وہ روش خیال ہیں۔ حیدر آباد میں جہاں کہیں بھی گنگا جمنی تہذیب کی پاسداری کی جاتی ہے وہاں منوہر راج سیکنہ صاحب کا نام بھی خہمومیت کے ساتھ یاد جاتا ہے۔ منوہر راج سیکنہ کا نسخہ گھرانے کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خاندان کے بہت سے لوگ، اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ حیدر آباد میں کائناتوں کی پہچان ان کے اعلیٰ کردار ان کی اعلیٰ تہذیب اور ان کی شریفانہ زندگی کے حوالے سے برقرار ہے۔

منوہر راج سیکنہ ایک مشہور قانون دان ہیں لیکن ان کی حیثیت ایک محبِ اردو کی بھی ہے اردو تحریک سے برسوں سے وابستہ ہیں۔ سٹی انجمن ترقی اردو کے صدر، ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی، اور ریاستی انجمن ترقی اردو کے رکن عالم ہیں۔ شہر کی بہت سی ادبی، تہذیبی، فلاحی، انجمنوں اور اداروں سے بھی وابستہ ہیں۔ اردو زبان کے تحفظ و بقا کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔ اردو ادیبوں اور شاعروں میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ زائد ازاں ۵۰ برسوں سے اردو کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

منوہر راج سیکنہ صاحب کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب میں شعری و ادبی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گیا تھا یہی کوئی ۳۵، ۴۰ برس پہلے کی بات ہے۔ اکثر ادبی جلسوں میں سیکنہ صاحب سے ملاقات



ہونی رہتی ہے کئی ادبی جلسوں میں مجھے سیکرٹری صاحب کے ساتھ تقریر کرنے کا موقع ملا ہے۔ منوہراج سیکرٹری صاحب اردو زبان، اردو تہذیب کی بقا کے لیے خالص لگاؤ رکھتے ہیں، بہترین مقرر ہیں ان کی تقریر سنجیدہ بھی ہوتی ہے اور پرمزاج بھی۔ محفل کے مزاج اور موضوع کے اعتبار سے تقریر کرنے میں ماہر ہیں۔ ان کی تقریر دلچسپی سے سنی جاتی ہے ڈاکٹر راج بہادر گور، کالبد اس کا شیکر اور نہپال سنگھ ورما کی طرح منوہراج سیکرٹری بھی اردو کے ہی خواہوں میں ایک اچھا مقام رکھتے ہیں سیکرٹری صاحب بے تھب اور روشن خیال انسان ہیں، نا انصافی اور ظلم و اسفنداد کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ ادبی محفلوں کے علاوہ سماجی فلاحی اداروں کا سرپرستی کرتے ہیں، اپنے عمدہ اور متوازن خیالات سے متاثر کرتے ہیں چونکہ کھلے دل اور کھلے دماغ کے انسان ہیں اس لیے ان کی باتیں دل پر اثر کرتی ہیں۔

منوہراج سیکرٹری صاحب اگرچہ بانیں بازو کے خیالات کے حامل ہیں لیکن ان کے خیالات میں شدت نہیں ہے اپنے لب و لہجے میں اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کے قائل ہیں۔ کمیونٹ پارٹی کے جلسوں میں شرکت کرتے ہیں بڑے بڑے جلسوں کو مخاطب کرتے ہیں ان کی باتوں میں توازن ہوتا ہے اس لیے ان کی باتوں میں اختلاف کی بہت کم گنجائش رہتی ہے۔ پیرانے شہر کے ادبی جلسوں، خاص طور پر اردو گھر میں ہونے والے ادبی جلسوں میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو

کیا جاتا ہے۔ سیکرٹری صاحب کو میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں میں بھی مدعو کیا ہے۔ اردو کی بقا و تحفظ سے متعلق جہاں کہیں کوئی محفل آراستہ ہوتی ہے وہاں سیکرٹری صاحب کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ سیکرٹری صاحب کو اخبار سیاست، عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے گہری وابستگی رہی ہے۔ ان کے مضامین سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر یوم جمہوریہ ہند اور یوم آزادی ہند کے موقع پر ان کے مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں۔ دستور ہند اور قانون سے تعلق رکھنے والی تحریریں بھی نظر سے گذرتی ہیں۔ سیکرٹری صاحب کو اردو زبان و ادب سے بے حد وابستگی ہے۔

اردو گھر مغل پورہ کا کتب خانہ بھی ریاست میں قائم تمام کتب خانوں میں ایک عصری کتب خانہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں جدید و قدیم کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اس لائبریری کو قائم کرنے کا سہرا عابد علی خان صاحب کے سر جاتا ہے۔ اردو گھر کی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے میں ادارہ سیاست کا کافی تعاون رہتا ہے۔ برصغیر سے شائع ہونے والی کتابیں جو تبصرہ کے لیے سیاست میں آتی ہیں اردو گھر لائبریری کے لیے دے دی جاتی ہیں۔ اردو گھر کے انتظامیہ کو نئی کتابیں خریدنی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ سیکرٹری صاحب سخی راست نگرانی میں اردو گھر کی لائبریری کام کرتی ہے۔ اردو گھر کے لائبریری جناب یوسف الدین صاحب کی خدمات بھی ناقابل

تفراموش ہیں بلکہ میں یہاں تاک کہنے کے موقف میں ہوں کہ  
 ابو الف الدین صاحب اردو گھر لائبریری کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔  
 اردو گھر میں مختلف اداروں اور انجمنوں کی جانب سے مختلف موضوعات  
 پر جمعہ جملے ہوا کرتے ہیں بری بڑی شخصیتوں نے اردو گھر میں قدم رکھا ہے  
 سکسید صاحب ایک کامیاب قانون دان ہیں اپنے قلم شاہ علی بندہ کے سربراہ ہیں  
 کئی اہل غرض ان کی سفارشتوں سے فیض یاب ہوا کرتے ہیں ضرورت  
 مندوں اور محققوں کو گوں کی مدد کرتے ہیں۔ علمی و ادبی خدمات کے صلے  
 میں کئی ایوارڈز پانچکے ہیں۔ رواں دواں شخصیت کے مالک ہیں طبیعت  
 میں مزاج کا پہلو تما با ہے۔ بات میں بات پیدا کرنے میں انہیں  
 بلکہ حاصل ہے خوش مزاج، نفیس انسان ہیں پیشہ و کالہ سے تعلق  
 رکھنے والے افراد سے بھی ان کے بہترین مراکم ہیں۔ وکلاء کی سرگرمیوں  
 اور ان کے مسائل سے دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ ادبی جلسوں میں شرکت  
 کے لیے شرواتی ان کا مخصوص لیا کر رہتا ہے۔ جلسوں کی نوعیت کے لحاظ  
 سے پوشاک بدلتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے خندہ پیشانی سے ملنے  
 ہیں۔ حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب کا مین ہیں۔ خاص طور پر  
 مسلم اقلیتوں سے بہت زیادہ قربت رکھتے ہیں انہیں اردو زبان  
 اردو تہذیب سے گہرا لگاؤ ہے اردو کے فروغ و ترقی میں دلچسپی  
 رکھتے ہیں۔

# شیدہ نور الحق قادری

ملنسار خوش مزاج، با اخلاق۔ فراخ دل شخصیت

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ با اختیار و مقتدر شخصیتوں کی زیر سرپرستی جب فراخ دلی کے ساتھ چھوٹوں کی بارشیں ہونے لگتی ہیں تو خاص طور پر کچھ افراد ان امرت نواز شخصیتوں کے اطراف شہد کی مکھڑوں کی طرح جمع ہو کر بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ بعد اوقات ایسے لوگ دربارِ الطاف و عنایات میں آتے تو ہیں خالی ہاتھ، لیکن جب لوٹتے ہیں تو ان کا دامن بھرا ہوا رہتا ہے۔

صدر نشین اردو اکادمی آندھرا پردیش جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب سے میں تقریباً ۲ برسوں سے واقف ہوں۔ پہلی دفعہ میں نے انہیں شنکرنی مجبوریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ میں دیکھا تھا وہ مخصوص مدعوین کے ساتھ تشریف لائیں کہ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن انفاق سے اس مشاعرہ میں میرا کلام بہت پسند کیا گیا تھا جب میں نے غزل

سنا کر اپنی نشست سبھالی تو سنہ نشیں کے قریب تشریف فرما سامعین  
 نے بھی میرے کلام کو سراہا تھا قادری صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی  
 دلچسپی ہے۔ کہیں نہ کہیں، کبھی کبھی ان سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں انہوں  
 نے جب سیکی میدان میں قدم رکھا تو مجھے اُن کے بارے میں مزید آفیت  
 ہوئی۔ حکومت آزادہ ایدیش نے جب سید شاہ نواز الحق قادری  
 صاحب کو صدر رئیس اردو اکیڈمی نامزد کیا تو مجھے بہت مسرت ہوئی کہ حکومت  
 نے ایک ادب دوست شخصیت کو اردو کی خدمت کے لیے مامور کیا ہے۔  
 قادری صاحب سے اردو اکیڈمی میں مختلف مواقع پر ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں  
 ان کے علاوہ اپنے دوستوں ڈاکٹر کمر اردو اکیڈمی جناب مسعود بن سالم اور بی۔ اے۔ او  
 اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ سے ملنے آیا کرتا تھا۔ میں مسعود بن سالم صاحب  
 سے اپنے حلقے کے شعروں، ادیبوں اور ادبی اجتماعوں کی سرگرمیوں  
 اور ان کے مسائل کی یکسوئی کے لیے تعاون حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے  
 بھرپور تعاون کیا کرتے تھے میں اُن کے دورِ نظامت میں دو چار مرتبہ میں  
 شعرا کے مسودات کی منظوری اور شعری مجموعوں پر انعامات کے لیے جمع  
 مقرر کیا گیا تھا۔ مسعود صاحب کے دور میں فہر کے تقریباً تمام منتخب  
 اہل قلم حضرات و خوانین اکیڈمی کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔  
 مسعود صاحب دو مرتبہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے۔ اُن کی بہن کا کردگی کے  
 اعتراف میں حکومت نے ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی تفریح کی۔ اُن  
 کے دور میں اکیڈمی کی بہت سی اسکیمات حسن و خوبی انجام پائیں۔

میں قادر جی کا اکیڈمی کی بہترین سرگرمیوں کی جانب پیش رفت کے لیے مشورہ دیا کرتا تھا میری اکیڈمی کی بہتر سے بہتر کارکردگی کے سلسلے میں قابل قبول مشاورت کی وجہ سے قادری صاحب کا مجھ پر اعتماد بڑھنا گیا اور انہوں نے میرے مشوروں کو اہمیت دینی شروع کی۔ بعض شعری مجموعوں اور مسودات کے سلسلے میں میری بروقت توجہ دہانی کے سبب کچھ مستحق قلم کاروں کو ان کا حق مل گیا۔ قادری صاحب نے میرے کسی بھی مشورہ کو رد نہیں کیا کیونکہ میری ہر سفارش قابل اعتنا اور جائز ہوتی تھی۔ اکیڈمی کے زیر انتہام منعقد ہونے والے مشاعروں کے سلسلے میں میری ترحیب دی ہوئی شعرا کی فہرست پر مثبت انداز سے غور کیا جاتا رہا۔ میرے دبیرینہ رفیق مناز شاعر جناب حسن فرخ صاحب پی آر او بھی اکیڈمی کی مختلف کمیٹیوں اور شاعروں کے مسودات و مطبوعات کے سلسلے میں جج کی حیثیت سے میری شمولیت کے حامی رہے۔ اکیڈمی کے سینئر اسٹاف میں محمد علی الدین شریف صاحب اکاؤنٹس آفیسر اور محمد عمر صاحب سینئر سوپر وائزر نے اپنے مکمل تعاون سے مجھے متاثر کیا میں نے محسوس کیا کہ یہ دونوں حضرات اکیڈمی کی سرگرمیوں میں کافی تن دہی کے ساتھ مصروف رہتے ہوئے اکیڈمی کی بہتر نمائندگی کے لیے نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جس زمانے (۱۹۹۲ء) میں سید جمعت علی صاحبہ صدر نشین اردو اکیڈمی تھے میں دو سال تک اردو اکیڈمی کا ایکن بورڈ آف گورنرس رہا۔ جناب مسید شاہ نور الحق قادری صاحب نے اپنی کوششوں اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے اردو اکیڈمی کے بجٹ میں کافی اضافہ کروایا۔ ان کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے اکیڈمی

کی بہت سی اسکیمات کو رو بہ عمل لایا گیا۔ شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور  
اُردو کے خدمت گزاروں کو انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔ قادری  
صاحب نے اضلاع میں اُردو گھر اور شادی خانوں کے قیام کے لیے بھی اہم  
رول ادا کیا۔ حکومت آندھرا پردیش نے قادری صاحب کو تین سال کے لیے  
صدر نشین اُردو اکیڈمی کی حیثیت سے نامزد کیا۔ نومبر ۱۹۷۱ء میں صدر نشین  
کی مدت کے اختتام کے بعد ان کے عہدہ کی مدت میں توسیع کی گئی۔ قادری  
صاحب کی دلچسپی سے اُردو اوپن اسکول کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا تھا لیکن  
اُردو اوپن اسکول کی سرگرمیوں پر نظر ثانی کے بعد اسکولوں کی تعداد کھٹا  
دی گئی۔ صدر زمین صاحب کا اپنے اسٹاف کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک ہے  
اسٹاف میں محمد فی الدین شریف صاحب اور محمد عمر صاحب جیسے کارکردگیاں اور  
سرگرمیاں بنائیں۔ اکیڈمی کے پی آر او جناب حسن فرخ صاحب کو بھی اسٹاف کا  
تعاون حاصل ہے۔ جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب شہر کے  
برگزیدہ مشائخ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے والد محترم جناب  
حفیظ الحق صاحب قابل احترام، عالم دین اور ایک سائنس  
بزرگ تھے۔ قادری صاحب نے اپنی صدر نشینی کے دوران بعض بہت  
ہی اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ کل ہند سولہ محذوم ایوارڈ کی  
رقم ۲۵ ہزار روپیوں کو بڑھاکر ایک لاکھ روپے کر دیئے گئے اور  
یہ محذوم ایوارڈ سالانہ گزشتہ عید آباد آستانِ سخن جناب خواجہ شوقی  
کے حصہ میں آیا۔ محذوم ایوارڈ کے سلسلے میں میں قادری صاحب کو شکورہ

دیکھنا تھا کہ مخدوم ایوارڈ صرف اور صرف حیدر آباد کے ہی کسی ایک شاعر  
 کو دیا جانا چاہیے۔ ایوارڈ کے لیے میں نے حیدر آباد کے نین محمد شاعر  
 ڈاکٹر علی احمد جلیلی، سید شہبازی اور خواجہ شوقی کے نام پیش کیے تھے  
 میں نے حیدر آباد کے کسی ایک شاعر کو مخدوم ایوارڈ دینے کا مشورہ  
 اس لیے دیا تھا کہ قومی سطح پر حیدر آباد کے شاعروں کو ہمیشہ نظر انداز  
 کیا جاتا رہا ہے۔ قادری صاحب بارہا اپنی تقریروں میں میری تجویز کو  
 سراہتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ صلاح الدین بکر صاحب کے مشورہ سے  
 مجھے اتفاق ہے کہ اس سال مخدوم ایوارڈ حیدر آباد کے کسی ایک شاعر کو  
 دیا جانا چاہیے۔ قادری صاحب نے سال گذشتہ کا نامہ جہان ایوارڈ  
 کی تعداد میں یہ بھی لکھا ہے۔ نونہر ہے کہ سال گذشتہ کی طرح سال بعد بھی مختلف شعبہ جات سے تصویق  
 والی نمایاں شخصیتوں کی اعزازاً اسے نوازا جائیگا۔ حدیثیں سنائے دوں گا کہ حیدر آباد کی تقریباً تمام  
 علمی و ادبی اجتماعات کے جلسوں کے لیے قراچ و لاہ انداز دی۔ اکبر جی کا ایہ  
 نامہ آئے۔ میں نے اس پر جواب لکھا کہ میں نے اسے حیدر آباد کے مشورہ والے کا  
 نام لکھا ہے۔ میں نے اس کا بھی نام لکھا ہے۔ میں نے اسے حیدر آباد کے مشورہ والے کا  
 صاحب کے زمانے میں شروع ہوا تھا انہوں نے اس ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی تجویز  
 کیے لیے غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔ اسی طرح ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی کتاب اردو  
 تالیفات لغت بھی مسعود صاحب کی شخصی دلچسپی سے صورت گیری کے سراسر  
 نتیجہ تھی۔ سربز عیار کے مجموعہ ظلم اپنے کاسفر کی اشاعت کا کام بھی  
 مسعود بن سالم کے زمانے میں شروع ہوا تھا۔ مسعود بن سالم کی خواہش یہ



اس مجموعہ کلام کے لیے میں نے پیش لفظ لکھا ہے۔ یہ کتابیں صدر نشین صاحب کے زیر سرپرستی از یورطباعت سے آراستہ ہوئیں۔ اکیڈمی اور شہر کے محبانِ اردو کہیں یہ ایک اعزاز ہے کہ جناب سید شاہ نور الحق قادری ملک کی تمام اردو اکیڈمیوں کی والدہ کمیٹی کے صدر ہیں۔ صدر نشین منتخب کیے گئے ہیں۔ غلامیہ یہ بات بھی قابل ستائش ہے کہ اکیڈمی کے سالِ رواں کل ہندوؤں کے علاوہ چھ ممبرانِ اعلیٰ کے مجموعہ چار اور ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ایوارڈس قلی قطب شاہ ایوارڈ، نواب میر عثمان علی خاں ایوارڈ، حیاراجہ کشن پرشار ایوارڈ اور مصطفیٰ ایوارڈ کے نام سے موسوم کیے جائیں گے۔ یہ چاروں ایوارڈ بھی ایک ایک لاکھ روپیوں کے ہوں گے جو مختلف اصنافِ ادب کے ماہرین کو دیے جائیں گے۔ حال ہی میں زیرِ تمام اردو اکیڈمی ۱۲ فروری ۲۰۰۲ء کی شام جو بلی ہال میں اعلیٰ ای میلے پر گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگو اردو کے نامور شاعر پدم بھوشن ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی سنارے کے اردو مجموعہ کلام "پہنا ہوا شجر" کی رسمِ اجراء و تفریب منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب نے کی تھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے نائب صدر نشین راجہ سہاڈ اکبر خیمہ بیت اللہ صاحبہ نے شرکت کی تھی۔ اس شاندار تفریب کو ڈاکٹر خیمہ بیت اللہ جسٹس سردار علی خان پیر و فیروز معنی، نسیم صلاح الدین، میر قطب پرشار اور سردار ہوسودن نے مخاطب کیا تھا۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے

انھارے شکر کیا۔ ڈاکٹر نجمہ سیت اللہ نے رسم ابرار انجام دی۔ صدیق نشین  
 اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری نے خیر مقدمی و صدارتی  
 تقریر کی اور اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ پی۔ آر۔ او  
 اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ اجلاس کے کنوینئر تھے۔ اردو تالگو کے  
 نامور دانشوروں نے اس پیراشر تقریب میں شرکت کی تھی۔ اکیڈمی  
 کی سرگرمیوں میں شامل کل ہند صنعتی نمائش کے موقع پر اردو اکیڈمی  
 کا ایک بک اسٹال قائم کرنا بھی ہے اس سال بھی نہایت سلیقہ کے ساتھ  
 بک اسٹال قائم کیا گیا تھا جس میں ملک بھر کے قلمکاروں کی اہم کتابوں  
 کے علاوہ حیدر آباد کے نمائندہ شعروں، ادیبوں کی کتابیں بھی  
 بغرض نمائش و فروخت رکھی گئی تھیں۔ صنعتی نمائش کے موقع پر ۲۳  
 جنوری کی شب نمائش کلب میں یہ تعاون نمائش سوسائٹی اردو اکیڈمی  
 کا مشاہرہ ہے جس کی صدارت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ  
 نور الحق قادری نے کی۔ پی آر او اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ ناظم  
 مشاعرہ تھے۔ اس مشاہرہ میں شہر کے مختلف مکتب خیال کے مسقف  
 شاعروں کو، جو کیا گیا تھا جناب حسن فرخ نے حسب مراتب شعراء کو  
 دعوت سخن دی تھیے توقع ہے کہ جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب صدر نشین اردو اکیڈمی  
 کی راست نگرانی میں سال رواں بھی کارنامہ حیات ایوارڈ کے علاوہ علمی و ادبی  
 اداروں اور انجمنوں کے مسائل کی بھی بہتر انداز میں یکسوئی کی جائے گی اور اکیڈمی کے ضمیمہ  
 شہر کے نام تو قلمکاروں کے حق میں رہیں گے اور ان فیصلوں کو قدر کی نگاہوں  
 سے دیکھا جائے گا۔

# ڈاکٹر علی احمد جلیلی

(کم آمیز، کم سخن اور قابل احترام استاد شاعر)

جو لوگ بے تاج بادشاہوں کی طرح علم کی دولت، فکر و خیال کی خوشبو،  
دل و دماغ کی روشنی، ذہن و فکر کی شگفتگی، صبح کے اُجالوں کی طرح لوگوں میں  
نفس کش کرتے ہیں، کم نظر آتے ہیں لیکن اس انحطاط اور رگڑنے پھونکنے سے  
انسانی و اخلاقی سیارے کے باوجود تخلیق کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چلتی رہتی  
ہے۔ ریگزاروں کے طویل اور لامتناہی سفر کے دوران کبھی کبھی ٹھنڈے  
پانی کے چشمے مل جاتے ہیں ٹھٹھن اور حبس کے ماحول میں تازہ ہوا کے جھونکے  
مشام دریاؤں کو فرحت بخشتے ہیں۔ یہ ہوائیں نینے ہوئے حالات میں  
تازہ دم ہو کر سفر جاری رکھنے کی تلقین کیا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو یہاں سے  
بہت قریب سے دیکھا ہے، شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے لیکن میں یہ دعویٰ  
نہیں کر سکتا کہ میں ان کی زندگی کے ہر پہلو سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہوں۔  
ان کے کلام کی خوبیوں کی نہوں تک پہنچ چکا ہوں۔ ان کی فکر اور ان کی

خیال کے سرچشمہ تک میری رسائی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر علی احمد جلی  
 کو میں نے پہلی بار محبوب نگر کے ٹاؤن ہال میں منعقدہ ایک شاعرہ میں دیکھا  
 تھا غالباً وہ صدرِ شاعرہ تھے جناب عبدالرزاق صولت ایڈووکیٹ  
 نے شاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ یہ بات ۳۳ برس پہلے کی ہے۔ ایک ایسا شاعر  
 جو برسوں کلاسیکی ادب سے مانوس رہا، ایک ایسا شاعر جو شاعری کے جملہ  
 رموز و نکات سے واقف ہو۔ فن عروض پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اعلیٰ درجہ  
 کے استادانہ شعر کہتا ہو، ایسے محترم شاعر کے پاس جدید رنگ کے بھی  
 سب سے شمار اشتراک ملتے ہیں۔ حیدر آباد ہی کیا برصغیر کے صفِ اول کے شاعروں  
 میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ علی احمد جلی شریف النفس، منکسر المزاج انسان  
 ہیں ان کی دم گفتاری، شبِ خرمی، ان کا طہرِ طہر کربات کرنا، ان کا اپنا ایک  
 انداز ہے۔ ان کا یہ ایک ایسا رویہ ہے جو ان کی ذات کا ایک حصہ بنا ہوا  
 ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے آج تک کسی بھی شخص کے بارے میں خبر ذمہ دارانہ  
 گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کا انداز ہمیشہ مخلصانہ رہا ہے۔  
 اکثر مطاع نے ڈاکٹر صاحب کو روشن خیال بنا دلیہ صاف گوئی ان کی طبیعت  
 کا خاصہ ہے۔ معتبر شاعر، منہر دایب، یا خبر تفاد اور متوازن محقق ہی نہیں ایک  
 نفیس انسان بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے شاعرانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں  
 ان کی شاعرانہ عظمت کی شہرت نہ صرف ہندوستان و پاکستان تک ہی محدود رہے بلکہ اردو دنیا  
 تک ان کی شاعری کے چرچے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایسے شاعر ہیں جو داناں شعور  
 ادب میں ہمیشہ ہکتے رہیں گے۔ کل تازہ کی طرح۔ (طویل مضمون سے اقتباس  
 یکمشتاں ۱۹۹۶ء)

# خواجه شوق

(وضع دار۔ صوفی منش۔ کہنہ مشوق شاعر)

حیدرآباد کے دورِ حاضر کے اساتذہ کبار سخن میں حضرت خواجہ شوق بھی ایک اہم اور مستند شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔  
 زائد از ۵۰ برسوں سے اپنی منفرد پہچان کے ساتھ شعری و ادبی محفلوں میں اپنی شاعرانہ عظمت و فیضیت کا بھرپور احساس دلارہے ہیں۔  
 حضرت خواجہ شوق ایک خاموش طبع، منکسر المزاج، وضع دار صوفی منش شاعر ہیں جو کلاسیکی شعروادب کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں، مختلف ہیں اور فکر کے شاگردوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ ان کے شاگردوں کی اپنی خاصی نفاذ ہے۔ شوق صاحب کے علاوہ ہمارے شہر کے شاعروں میں حضرت اوج بیغولی، سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسر کے نام بھی خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ ان چار شاعروں میں حضرت اوج بیغولی، سعید شہیدی اور امیر احمد خسر ہم میں نہیں ہے۔

برسوں یہ شاعر حیدرآباد کے سب سے بڑے کل ہند مشاعروں  
 اہلی ٹرسٹ اور شکرگنج میں لازماً مدعو کیے جاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد  
 جلیلی اور خواجہ شوق اب بھی مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ خواجہ حبیب  
 شوق کو ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں اردو اکیڈمی آئندہ پائرز  
 میں ۲۰۱۰ء میں کل ہند مخدوم ایوارڈ سے نوازا گیا ہے ویسے بھی شوق  
 صاحب کو ان کی شعری خدمات کے سلسلے میں مختلف اردو اداروں اور  
 انجمنوں کی جانب سے ایوارڈز ملنے رہے ہیں لیکن مخدوم ایوارڈ ان تمام  
 ایوارڈز کے مقابلے میں ایک باوقار اور اہم ایوارڈ ہے شوق صاحب  
 غزلیں بھی کہتے ہیں، نعتیں اور منقبتیں بھی۔ ان کا کلام ان کے  
 استاد حضرت صلی اورنگ آبادی کے اسکول کی نمائندگی کرتا ہے۔  
 شوق صاحب کا حضرت صلی کے مخصوص اور جدید شاگردوں  
 میں شمار ہوتا ہے نہایت قابل و دیدہ ویر شاعر ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام  
 کا مجموعہ صلی علی کے نام سے شائع ہو کر کافی مشہور ہو چکا ہے۔ ان کے  
 ۱۸ غزلیں کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے شوق صاحب کی منتخب غزلوں کا مجموعہ  
 کلام ۱۹۸۲ء میں چشم نگر ال کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔  
 صاحب اعلیٰ درجہ کی نعتیں اور منقبتیں کہتے ہیں ان کا مذہبی کلام  
 عقیدت و احترام اور محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے انہیں بزرگات  
 دین سے گہرا لگاؤ ہے، صوفیائے کرام کا احترام کرتے ہیں بیسیوں  
 اولیائے کرام کی درگاہوں کی زیارت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

شاعروں کی زائد از شعری معروفیات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں  
 ہے۔ شاعروں کے سماجی نگر وہ سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ جہاں اچھے  
 لوگ ہوتے ہیں اچھی محفلیں سجتی ہیں وہاں جانا پسند کرتے ہیں آداب  
 محفل کے معاملے میں اپنی آپ مثال ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وضع داری  
 صرف ان کے حصے میں آئی ہے بڑے سیدھے سادے انسان ہیں معاملت  
 چاہے کسی بھی قسم کے اصول پر کاربند رہتے ہیں۔ شوق صاحب  
 کا حلقہ احباب بہت وسیع ہو گا لیکن شاعروں کا حلقہ اتنا وسیع نہیں ہے  
 شوق صاحب کے روابط بہت سوں سے ہو سکتے ہیں لیکن دوستانہ  
 روابط بہت ہی کم لوگوں سے ہیں۔ استاد سخن حضرت ارج بعقوبی بھی  
 ان کے قریب ترین دوستوں میں سے ایک تھے شوق صاحب کے کچھ  
 باضابطہ شاگرد ہیں اور کچھ صرف مشورۂ سخن کرتے ہیں شوق صاحب تختیاں  
 کلام سناتے ہیں۔ ۲۴ برس پہلے نرگم سے کلام سناتے تھے نظام مس ٹرسٹ  
 سے مشغول کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ صرف خاص میں کئی برس ملازم رہے  
 اس زمانے میں کئی ایسے شاعروں نے بھی ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی  
 جو خانوادۂ آصفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شوق صاحب کا ایک اہم  
 ادبی کارنامہ حضرت صفی آذرنگ آبادی کے مجموعہ کلام کی اشاعت ہے  
 یہ مجموعہ کلام پراگنہ کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ  
 کلام کی رسم اجراء تقریب شاندار پیمائے پر ڈیوڑھی مکرم الدولہ  
 پتھر ٹی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس رسم اجراء تقریب کے سلسلے میں

کل ہند مشاعرہ بھی ہوا تھا مہمان شاعروں میں اردو کے دو عظیم شاعر  
 فراق گورکھپوری اور نذیر بیارسی نے شرکت کی تھی۔ ہندی کے شاعر  
 کالی داس گپتا راہی بھی اس مشاعرہ کے داعیان میں سے ایک تھے شوق  
 صاحب حیدر آباد کے واحد شاعر ہیں جو ہمیشہ عطر بیز رہتے ہیں۔ محفل  
 میں آتے ہی ساری محفل کو خوشبو سے فہکا دیتے ہیں۔ سفید شیزوانی  
 ان کا مخصوص لباس ہے شہر کے اکثر مشاعروں میں ان سے ملاقات  
 ہوتی رہتی ہے اطلاع کے کئی مشاعروں میں ساتھ رہا ہے کم گو ہونے  
 ہوئے بھی غومش مزاج اور سنجیدہ رہا کرتے ہیں۔ مشاعروں میں بہ پایندگی  
 وقت شرکت کرتے ہیں ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل سوسائٹی  
 کے کل ہند مشاعروں میں پابندی سے مدعو کئے جاتے ہیں حیدر آباد کے  
 صف اول کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے داد و تحسین سے  
 ہمیشہ لے نیاز رہے۔ مشاعروں میں انہیں کہیں بھی کسی وقت بھی  
 پڑھایا جائے پڑھتے ہیں۔ تقدیم و تاخیر کا کوئی خیال نہیں رکھتے  
 ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی کے مشاعروں میں ان کی نشست ہمیشہ  
 صف اول میں ہوتی ہے۔ شوق صاحب کے ہم عصر سید اسانڈہ  
 (سنن) علامہ نجم آفندی، حیدر پاشا، حضرت قدر علی، مولانا  
 کامل شکاری، سید شیدی، ارج بیغوبی، علی احمد جلیلی، سیف جموی  
 لانا معز لسانی بھی قابل ذکر ہیں۔ حضرت شوق، نعیتہ اور منقبتی  
 شاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے ہیں۔ شوق صاحب کا



علم عروض کے ماہرین میں شمار دے لیتے۔ عموماً وہ علمی ادبی و عروضی مباحثوں میں دخل نہیں دیتے لیکن کوئی انہیں بحث کے لئے مجبور کرے تو وہ اپنے قلم کو جانش دیتے ہیں۔ شوق صاحب کی زندگی و صنف داری میں کٹ رہی ہے شہر کی نامور شخصیتوں سے ان کے دوستانہ مراسم ہیں شاعروں ادیبوں کے تمام حلقے شوق صاحب کو پسند کرتے ہیں ان کی قدر کرتے ہیں شوق صاحب ۴۰ برس پہلے شام کے وقت نیا پل سے منقل پٹول نفریح دکن میں استاد سخن حضرت حاجی بھٹو کی ساتھ بیٹھا کرتے تھے شوق صاحب نہایت باکردار و پاک و صاف انسان ہیں۔ میں نے اپنی ۲۰ سالہ شاعرانہ زندگی میں کسی سے بھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی شاعر کی مخالفت کی ہو۔

انہیں شاعرانہ نام و نمود سے بھی دلچسپی نہیں ہے۔ جرالد کے لئے ان کا کلام نہیں سمجھوانے۔ کبھی کبھی "خوشبو کا سفر" میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے روزنامہ سیاست میں بھی ان کا کلام پڑھنے کو ملتا ہے شوق صاحب جب کبھی مشاعروں میں آتے ہیں نواں پیر نہ صرف شعراء کی بلکہ سامعین کی نظریں بھی جم جاتی ہیں اور دل ہی دل میں ان کا خیر فہم کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مکمل غزل سے پہلے مختلف غزلوں کے کچھ منتخب شعر سناتے ہیں۔ شوق صاحب برسوں رہنمائی دکن کے شعری کالم کے انچارج رہے۔ رہنمائی دکن کے مدیر جناب وقار الدین صاحب سے ان کے اچھے مراسم ہیں۔ شوق صاحب کھلے دل و دماغ کے انسان ہیں پاک و صاف زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ اپنے انداز سے رہنے

ہیں ویسے نو ہر قسم کے شاعروں سے انہیں سابقہ بڑ تلہ ہے لیکن اپنی  
 مخصوص روش پر کار بند رہتے ہیں۔ اور ان کی وہ روش اُن کی  
 شرافت، نفارت اور انسان دوستی ہے شوق صاحب میری اور  
 میرے بعض ساتھی شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ حوصلہ افزائی  
 میں مخالفت سے کام نہیں لیتے ہیں اپنے زیر اثر محفلوں میں اُن  
 کی شاعرانہ عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کبھی صدرِ مشاعرہ کی حیثیت  
 سے تو کبھی وہاں خصوصاً کی حیثیت سے مدعو کیا کرتا ہوں اور وہ  
 بہ خوشی شرکت کرتے ہیں۔

خواجہ شوق جیسا ہمارے شہر کے اساتذہٴ سخن میں سے ایک ہیں  
 جن کی دل و جان سے قدر کی جاتی ہے۔

# محمد منور علی

(وابستگی کی روشن مثال، نامور سیرادہیب و صحافی)

جو لوگ وابستگی کے معنی و مفہوم کو پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی شخصیت میں سموتے ہوئے اپنے جسم و جان کا ایک اہم حصہ بناتے ہیں اُن کا نام بھی اعلیٰ ظرفوں کی اولین فہرست میں نمایاں رہتا ہے۔ ایک خاص نقطہ نظر سے کسی شخص یا کسی ادارہ سے وابستگی بھی ایسا خوش گوار عمل ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر سرخ روئی کے ساتھ سرسبز و شاد رہا کرتا ہے۔ مستقل مزاجی ہر اُس شخص کا طرہ امتیاز ہوتی ہے جس کے قدم کوئی بھی موکم کیوں نہ ہو کبھی نہیں لڑکھاتے۔ ادھر ادھر ہوئے والے لوگ کبھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتے۔ زندگی کے ابتدائی سفر میں جو خوشبو، دل و دماغ کو نہکاتی رہی ہے۔ اُس خوشبو کو تہذیب و گل تر کی طرح نس نس میں سمو لینا باکر دار لوگوں کی زندگی کا اعلیٰ وصف سمجھا جاتا رہا ہے۔ زندگی کے سفر میں ایک انسان کو نئے نئے حالات سے

آنکھ ملانا پڑتا ہے۔ دورانِ سفر کئی موسم آتے بھی ہیں اور جاتے بھی ہیں  
 لیکن جو لوگ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرتے ہیں اُن کی زندگی کا ایک ایک  
 لمحہ چشمہ آبِ رواں کی طرح حیاتِ جاویداں بن جاتا ہے۔ معاشرہ میں  
 اپنے انداز سے جینے والے لوگ اپنی ساری زندگی کو آئینہٴ صفات بنالیتے  
 ہیں۔ متوازن زندگی، نظمِ حیات اور اعتدال پسندی انسان کو ہمیشہ  
 یلندی سے ہمکنار کر دیتی ہے (ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتی ہے) جو  
 لوگ دیانتداری، فرض شناسی اور جذبہٴ وابستگی کے ہر شائستہٴ عمل  
 کو ہر صبح کی پہلی کرن سمجھتے ہیں ان کا ایک ایک میل اُجالوں کا ہم سفر  
 رہتا ہے۔ اس طرح کی خصوصیات و کیفیات کی آئینہٴ دارِ شجاعت  
 جنابِ محمد منور علی کی بھی ہے۔ جن کا ہر عمل مثبت انداز کی پاسداری  
 کیا کرتا ہے۔ ملک کے عظیم اخبار ”سیاست“ سے منور علی صاحب کا  
 اٹوٹ رشتہ ہے۔ وہ زائدِ ۴۵ برسوں سے سیاست سے جڑے ہوئے  
 ہیں۔ سیاست سے اُن کی وابستگی مثالی ہے۔ اُن کی وابستگی کا ایک ایک  
 لمحہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سیاست کی بہتری و برتری  
 اور اُس کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے دیانتداری و فرض شناسی کے  
 ساتھ اپنے اٹوٹ رشتہ کو باقی رکھا ہے۔ وہ ”نئی روشنی“ کے چشمہٴ نور سے  
 اکتساب کرنے ہوئے سیاست سے اپنی گہری دلچسپی اور وفاداری کا ہم لہجہ  
 ثبوت دے رہے ہیں منور علی صاحب اس وقت سیاستِ اخبار کے سب  
 سے سینئر صحافی ہیں۔ بلاوقفہ ان کی خدمات، سیاست کے لیے جاری ہیں۔

ہیں ۱۹۵۹ء میں سیاست اخبار سے محفل شعر کے کالم کی وساطت سے دن :  
 ہوا۔ سیاست اخبار سے میری والہانہ وابستگی آج تک بھی برقرار ہے۔  
 منور علی صاحب مجھ سے سینئر ہیں۔ وہ ایک جو نیر صمائی سے بیکر سینئر صمائی  
 تک کی خدمات کے تمام مرحلوں میں ایک قابل ترین صمائی کی حیثیت سے  
 شہرت رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر  
 صاحب نے ان کی قدردانیت کو محسوس کرتے ہوئے انہیں سیاست  
 سے وابستہ بہت سے اہم کالم میں بھی داخل رکھا۔ منور علی صاحب نے اپنی صحافتی  
 زندگی میں سیاست کے لیے شمار انٹرویوز، فیچرز، تقاریر اور موضوعاتی  
 مضامین لکھے ہیں۔ مختلف اوقات میں سیاست کے ہر شعبے سے اُن کا  
 گہرا تعلق رہا ہے۔ سب سے اہم یہ بات ہے کہ منور علی صاحب کی ساری ملازمت  
 اعتماد کی فضاء میں گزری۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب  
 حسین جگر صاحب سیاست کے ہر اہم مسئلہ پر اُن سے بھی نہ صرف مشورہ کرتے  
 تھے بلکہ اُن کی مشاورت سے استفادہ کرتے تھے۔ میں نے بہت قریب سے  
 یہ بھی محسوس کیا ہے کہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کا سلوک منور علی  
 صاحب کے ساتھ کبھی بھی ماتحتین کی طرح نہیں رہا۔ ہمیشہ اپنے ایک بہترین  
 رفیق کار کی طرح اُن کی عزت کرتے تھے ان دونوں محترم شخصیتوں کی  
 نہ یہ سرپرستی انہوں نے اپنی تمام صحافتی زندگی نیک نامی کے ساتھ گزار  
 دی۔ سیاست کے بھرپور تعاون سے متوقعہ ہونے والے ادبی طر سطح کے  
 کل ہند مشاعروں کے انتظامی امور کے سلسلے میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہا

کرتے ہیں۔ مشاعروں کی ابتدائی تیاریوں سے لے کر اختتامِ مشاعرہ تک وہ ادبی ٹرسٹ سے بھرپور تعاون کرتے رہے۔ آج بھی مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں ان کا خدمات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ مشاعروں کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ساونیر کے لیے اشتہارات کا حصول ہے جناب عابد علی خان صاحب کی راست نگرانی و رہایت کی روشنی میں اشتہارات کے لیے مشور علی صاحب کی خدمات اہم رہیں۔ شعبہ اشتہارات سے ہٹ کر مشاعروں کے دیگر نوجہ طلب امور کی یکسوئی کے لیے بھی وہ بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ جناب عابد علی خان صاحب کے دولت خانے (عابد منزل) پیرپور نے والے تہذیبی پروگرام کے سلسلے میں وہ سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب کے تمام افراد خاندان مشور علی صاحب کی قدر کرتے ہیں۔ جناب عابد علی خان صاحب سے وابستہ ہر تقریب میں مشور علی صاحب موجود رہے ہیں۔ جناب محبوب حسین بگڑنے اپنی علالت کے آخری دنوں میں سیاست کے انوار ادیب سیر کے ایڈیشن کی ذمہ داری مشور علی صاحب کو سونپی تھی، جگر صاحب کی سونپی ہوئی ذمہ داری کو مشور علی صاحب، جناب زاہد علی خاں صاحب کی زیر نگرانی برحق و خوبی انجام لے رہے ہیں جگر صاحب کے انتقال کے بعد زاہد علی خاں صاحب نے مختلف ایڈیشنوں کا سیاست میں اضافہ کیا۔ ہر ایڈیشن بہترین انداز میں شائع ہو رہا ہے۔ جس سے اخبار کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ایک ماہر صحافی اور نباضِ وقت کی طرح جناب زاہد علی خان صاحب

سیاست کی مقبولیت کے لیے بہترین مصروف رہتے ہیں۔ آئندہ سیاست کے زیرِ اہتمام مختلف نوعیت کی ادبی، ثقافتی، فلاحی، ادبی و ملی تقاریب منعقد ہو کر رہیں۔ سیاست کا تمام اسٹاف پوری دیانتداری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہا کرتا ہے۔ زاہد علی خاں صاحب کو باصلاحیت، ایماندار اسٹاف کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ نہ صرف دفتر کے ہر شعبہ میں کام کرنے والے ہی دیانتدار اور فرض شناس ہیں بلکہ تمام رپورٹرس، سب ایڈیٹرس اور نامہ نگاروں کے علاوہ دیگر ملازمین بھی خوش دلی کے ساتھ اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ منور علی صاحب میں اتنے بڑے ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود غرور، تکبر اور انایت جیسی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک نیک صفت سادہ مزاج، اصول پسند پاک و صاف انسان ہیں۔ ان کی وضع و ایجاد مثالی ہے۔ کچھ اس انداز سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے ہیں کہ ان سے کسی کو بھی شکایت نہیں ہے۔ نہایت سنجیدہ طبیعت ہونے کے باوجود اپنے مخصوص حلقہٴ اجاب میں کھل کر قہقہہ لگاتے ہیں آداب گفتگو کا لحاظ اور شائستگی طرزِ تکلم ان کا مخصوص وصف ہے منور علی صاحب ہر کس و ناکس کے ساتھ کھل کر مل جانا پسند نہیں کرتے۔ دفتر کے تمام ساتھیوں سے ان کے خوشگوار تعلقات ہیں۔ شعبہٴ ادبی و تہذیبی کمیٹی کے تعلق رکھنے والے متعلقہ افراد کا بھی انہیں ہمیں تعاون حاصل ہے۔ زاہد علی خاں صاحب کا سلوک ان کے ساتھ دوستانہ ہے۔ زاہد صاحب، منور علی صاحب کی نہ صرف

عزت کرتے ہیں بلکہ ان پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ زاہد علی خاں صاحب کی یہ بھی ایک اعلیٰ طرفی ہے کہ وہ اپنے والد محترم جناب عابد علی خاں صاحب اور چچا جناب محبوب حسین جگر صاحب سے قریب رہنے والوں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ زاہد علی خاں صاحب کا مربیانہ، مشفقانہ، سلوک، ان کی باوقار شخصیت کا غماز رہا کرتا ہے۔ تمام اسٹاف سے دوستانہ ماحول و خوشگوار فضا، میں کام لیتے ہیں۔ منور علی صاحب کی شہر کے تقریباً تمام دانشوروں، شاعروں، ادیبوں سے مراسم ہیں۔ وہ بہت کم لوگوں سے بے تکلف ہوتے ہیں۔ سیاست کے انوار و پیر کے ایڈیٹروں کے مرتب کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کو نہایت عملدگی سے نبھاتا ہے ہیں۔ منور علی صاحب کی سیاست میں شائع شدہ ادبی، سیاسی و تہذیبی تحریروں کو اکٹھا کیا جائے تو کئی کتابیں شائع ہو سکتی ہیں منور علی صاحب مستند ادیب کی حیثیت سے منظر عام پر آنے کے مستحق ہیں لیکن اس سلسلے میں ان کی اقتدار طبع ہمیشہ حائل رہی۔ اگر منور صاحب کی منتخب تحریریں شائع ہوں تو اردو کے ادبی سرسریے میں ایک خوشگوار اضافہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ صحیح کبھی تو آئے گی لیکن کب آئے گی نہیں معلوم۔ کسی ادارہ سے اتنی لمبی رفاقت کے ساتھ وابستہ رہنا خوش نصیب لوگوں کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ ہر انسان کو اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ بہترین مستقبل کا دار و مدار اپنی بنیادوں کا سرمایوں منت رہتا ہے زندگی کے



سفر میں ایک ایک پل ساتھ رہتا ہے۔ منور علی صاحب کی کیا است  
سے والہانہ دیانتدارانہ وابستگی قابلِ تحسین ہے۔ اس طرح کے  
کشادہ دل و دماغ رکھنے والے لوگوں کے صبح و شام خدا سے قدو  
کے دربار میں سُرُخ رورہنے کے لیے شکر بجا لایا کرتے ہیں۔

# چندر سری واستو

(بے باک ذہین صحافی۔ نامور دانشور)

ہمارے شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں ہر دور میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں نے اپنی اپنی صلاحیتوں سے اپنے اپنے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ کوئی ایک دور بھی تھی دامن نہیں رہا۔ اگر ہم دورِ حاضر کے ذہین صاحبانِ فکر و خیال یا کمالِ شخصیتوں اور نمایاں خصوصیات کے حامل اربابِ فہم و ادراک کے بارے میں غور کریں تو بہت سے لوگوں میں سے ایک اہم نام ذہین و خیال کے افق پر ابھر کر آئے گا جس کو ہم چندر سری واستو کے نام سے جانتے ہیں۔ چندر سری واستو صاحب ایک ذہین صحافی کی حیثیت سے اپنے شعبہ میں اپنی غیر معمولی ذہانت و صلاحیت کا ثبوت دیتے آ رہے ہیں نہایت قابل و باخبر سینئر صحافی ہیں۔ جناب چندر سری واستو نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ”رہنمائے کن“ اور ”بھارت نبوز“ سے کیا۔ وہ

رہنمائی کن کی طرح بھارت نیوز سے بھی برسوں وابستہ رہے۔ اردو  
 تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ انجمن تحفظ اردو کے نام  
 سے ایک فعال اور کارکردہ انجمن کا قیام عمل میں لایا جس کے وہ بانی  
 جنرل سکریٹری ہیں۔ جناب ایم باگاریڈی سابق کربلا سٹی اوپنر صدر  
 اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال جو انٹرنیٹ سکریٹری ہیں۔ ایک رشتے میں  
 انجمن تحفظ اردو کی سرگرمیاں بام عروج پر تھیں۔ اردو کے مسائل  
 پر حکومت وقت کے ساتھ آئٹھ آئٹھ میں ہنگامہ ماکربات کرنے والی  
 شخصیتوں میں چند سری و استو پیش پیش رہنے لگے۔ اردو زبان  
 اور تعلیم اور اس سے متعلق مختلف امور کے سلسلے میں ہمیشہ متحرک  
 رہے۔ خاص طور پر پی وی نرسیمہا راؤ کے زمانے میں انجمن تحفظ اردو  
 نے اپنی بہترین کارکردگی کا ثبوت دیا۔ چند سری و استو صاحب  
 اردو کے تصفیہ طلب مسائل کی یکسوئی کے سلسلے میں ہمیشہ اردو والوں  
 کے ساتھ صف اول میں رہے۔ ڈاکٹر کمار اردو ایکڈمی کی حیثیت سے بھی  
 کی سرگرمیاں نینز ترمیم گئی تھیں۔ چند سری و استو صاحب فائن آرٹس  
 اکیڈمی اور زندہ دلان حیدرآباد کی سرگرمیوں سے بھی دلچسپی لیتے رہے  
 مگر ہندو فیس اتحاد المسلمین کے حلقہ رحمت للعالمین اور نعتیہ مشاعروں کے انتقاد  
 کے سلسلے میں بھی ایم رول ادا کرتے رہے۔ اب بھی وہ مجلس اتحاد المسلمین  
 سے وابستہ ہیں۔ چند سری و استو کا شمار میرے قریبی کرم فرماؤں اور  
 دوستوں میں ہوتا ہے۔ ان کے میرے مراسم تقریباً ۳۰ برس سے ہیں۔

اس بات کا اندازہ ہے کہ وہ ہمیشہ میری قدر افزائی کرتے رہتے ہیں  
مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب وہ ڈاکٹر کراچی تھے تو انہوں نے حیدر آباد  
کے شاعروں، ادیبوں سے اکبڑی کی سرگرمیوں اور اس کی بہتر  
کارکردگی کے بارے میں رائے مانگی تھی۔ میں نے ایک طویل خط  
مختلف تجاویز کی شکل میں روانہ کیا تھا اس خط میں وضاحت طلب باتیں  
بھی تھیں مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے میری تجاویز پر مثبت انداز میں  
غور کیا اور مجھ سے ایک ملاقات میں کہا کہ آپ حیدر آباد کے پہلے شاعر  
ہیں کہ آپ نے واضح طور پر بلا کسی تحفظ ذہنی، اپنی تجاویز پیش کیں  
چندر صاحب میری شعری وادبی مصروفیات سے ہمیشہ باخبر رہے۔ انہیں  
یہ بھی یاد ہے کہ میں پرانے شہر کی مشہور بزم خسرو سخن نے بزم جمیوں کا  
سمند تھا جس کے باقی جیموں محل تھے جن کی پتھر گئی پر کپڑے کی ایک ٹری  
دکان تھی۔ اُس زمانے میں اس بزم کے زیر اہتمام ہونے والے  
مشاعروں کی کافی دھوم تھی۔ میری خواہش پر ایک مشاعرہ کی صدارت  
مخدوم محی الدین نے بھی کی تھی۔ شہر کے مختلف مکتب خیال کے شعراء  
اُن مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ  
کل ہند فقیر مشاعرہ کے سلسلے میں مجھے چندر سہری و استوا صاحب کا تعاون  
حاصل رہا کرتا تھا۔ میں نے مجلس کے زیر اہتمام منعقدہ کئی مشاعروں  
کی منعقدی کے فرائض انجام دیے ہیں پہلے یہ مشاعرے مجلس کے آفس  
کی عمارت میں ہوتے تھے جس میں صرف حیدر آباد کے شعراء کلام

نسلتے تھے اور مشاعرے جناب عابد علی خان صاحب کی زیر نگرانی ہوتے تھے  
عابد علی خان صاحب نے ہی مجلس کے سالانہ جلسہ رحمۃ اللعالمین کے موقع پر  
کل ہند فیضیہ مشاعرہ کا آغاز کیا۔ کئی برس تک عابد علی خان صاحب مجلس کے  
مشاعروں کے نگران رہے۔ ۳، ۴ سال پہلے دو تین مشاعروں کے سلسلے  
میں چند صاحب سے شعراء کی فہرست کو قطعیت دینے کے وقت مجھے  
بٹری مدد ملی۔ جب نواب شاہ عالم خان صاحب مجلس استقبالیہ کے صدر  
تھے تو اُس مشاعرہ اور استغاثات کے سلسلے میں دو وقت فوقتاً اجلاس  
ہوا کرتے تھے۔ میں جب مشاعرہ کا معتمد نامزد کیا گیا تو کمیٹی نے اختیار  
دیا تھا کہ میں اپنے طور پر شعراء کی فہرست مرتب کروں۔ چنانچہ میری دی  
ہوئی فہرست کو منظوری حاصل ہو جاتی۔ چاند سری دوست بھی اجلاس  
میں رہتے۔ وہ دست محسوس کرتے تھے کہ ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے میری  
خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔

۱۱ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب جدہ میں بھی اُن کا ساتھ رہا۔ وہ  
جناب سلطان صلاح الدین اویسی صاحب کے ہمراہ شرکت کے لیے آئے تھے  
اُس عالی شان تقریب میں جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین  
جگر صاحب، ہاشم علی اختر صاحب، جناب صلاح الدین اویسی صاحب  
نے بھی شرکت کی تھی۔ شہر کے مختلف شعراء حمایت اللہ، مصطفیٰ علی بیگ  
طالب خوند میری، صبغتہ اللہ بمبھاٹ، بوگس حیدر آبادی، علی الدین ٹوید  
اور میں نے بھی شرکت کی تھی

جناب چندر سری واستو کا تعلق شہر کے شریف النفس کا منصف  
گھرانے سے رہا ہے۔ شرف یہ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا نام  
حبیب علی رکھا ہے۔ چندر سری واستو صاحب کو عمرہ کی سعادت بھی حاصل  
ہوئی اور انہیں زیارت رسالت مآب کا بھی شرف حاصل ہوا۔ جب  
وہ رہائے دکن میں ایک سینئر صحافی کی حیثیت سے خدمت انجام دے  
رہے تھے تو ان دنوں انہیں شہر کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے  
والی سیاسی، ادبی، سماجی، تہذیبی، علمی و ملی شخصیتوں سے ملاقات  
کا موقع ملتا رہا۔ شہر کے تقریباً تمام مشاہیر سے ان کی رسم دراہ ہے مدیران  
رہائے دکن لطیف الدین قادری صاحب اور وقار الدین قادری صاحب  
کے دست راست کی حیثیت سے رہائے دکن سے وابستہ رہے۔ جناب  
وقار الدین کی زیر سرپرستی قائم اند و غرب سوسائٹی کی سرگرمیوں میں  
کلیدی رول ادا کیا۔ چندر صاحب نے عراق اور ایران کا بھی دورہ کیا ہے  
چندر صاحب چیف منسٹر آندھرا پردیش ڈاکٹر ایم چناریڈی کے منظور نظر  
رہے۔ جناب ایم بانگا ریڈی سابق رکن پیاریمینٹ سے ان کے دوستانہ  
مراکم ہیں۔ چناریڈی صاحب کی چیف منسٹر کے زمانے ہی میں چندر صاحب  
ڈائریکٹر اردو اکیڈمی مقرر ہوئے۔ بھارت بیوز کے ایڈیٹر جناب اعجاز  
قریشی ان کے قریبی دوست ہیں۔ بھارت بیوز کے کمرہ میں ہی جناب  
سیلمان اریب کی ادارت میں ہونے والے ادبی رسالے ”صبا“ کا  
دفتر تھا جہاں شہر کے نمائندہ شاعر و ادیب اریب صاحب سے ملاقات

کے لیے آتے تھے۔ جناب چندر سری واستو ایک نڈر و بے باک صحافی ہیں  
 بلا خوف و خطر اپنی صحافتی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب بھی ان کی خدمات  
 کا تسلسل باقی ہے۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب  
 سے بھی اردو نگہاںل پر رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ مدیر سیاست جناب زاہد  
 علی خان صاحب سے ان کے اچھے مراکم ہیں۔ چندر صاحب کبھی کبھی سیاست  
 آفس آتے ہیں۔ اگر نہیں موجود رہوں تو مجھ سے ضرور مل لیتے ہیں۔ ہر طاقا  
 میں زبان وادب سے میری دلچسپی کو سراہا کرتے ہیں۔ چندر صاحب بہت ہی  
 صاف گو، اصول پسند اور دیانت دار انسان ہیں۔ انہوں نے اپنے اشرو  
 رسوخ سے کئی ضرورت مندوں کی مدد کی ہے۔ میرے ہم خیال شاعر دوستوں  
 میں ناصر کرنولی اور رئیس ختر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ مشاعروں اور ادبی  
 جلسوں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں۔ لیکن انہیں حیدر آباد کے  
 شاعروں، ادیبوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے۔ شہر کے تقریباً تمام اہم  
 شاعروں سے ان کے خوشگوار مراکم ہیں۔ پیرانے شہر کے شاعروں میں اوج  
 یعقوبی صاحب اور سعید شہیدی صاحب ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ فائن  
 آرٹس اکیڈمی کے سربراہ حمایت اللہ، شگوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال اور  
 بھارت نیوز کے ایڈیٹر جناب اعجاز فرشتی کی اہمیت کو وہ محسوس کرتے  
 ہیں۔ ان کے رفقاء کے کلر میں حسن فرخ صاحب ان سے بہت قریب ہیں  
 چندر صاحب جس زمانے میں اردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر تھے اُسی زمانے میں  
 انہوں نے اردو اکیڈمی کے پی۔ آر۔ او کی حیثیت سے جناب حسن فرخ صاحب

کا تقرر کیا۔ ان کے زمانے میں جناب اختر حسن اور جناب رشید قریشی بھی اُردو  
 ایکڑی سے وابستہ تھے۔ ان دنوں چند رسی و اسنو صاحب اپنی خرابی  
 صحت کی وجہ سے محفلوں میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے یہ  
 فکر و خیال اور ان کی ذہانت و فطانت کی روشنی کا ہمیں احساس ہوتا رہتا ہے  
 یہ دور میں کچھ لوگ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سو  
 کے لیے سرمہ نظر بنے رہتے ہیں۔ آج بھی چند رسی و اسنو جیسے لوگ  
 ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ چند صاحب  
 کی اس لیے قدر کرتا ہوں کہ وہ نہایت کھرے، سچے، بے باک، بے خوف،  
 خوددار اور بہترین انسان ہیں۔ جو لوگ اپنے نصب العین اور اپنے  
 مسلک پر قائم رہتے ہیں وہ ہر دور میں اپنی مقبولیت و اہمیت کے  
 ساتھ یاد کیے جاتے رہیں گے۔ چند صاحب کی قابلیت و صلاحیت  
 مروت و دوستی کی خوشبو دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے اور یہ خوشبو  
 میرے فکر و خیال کو بھی ہمارا ہی ہے۔



اُردو شعروادب اور اُردو تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے میرے سینئر اور جو بیئر  
ساتھیوں میں محمد عمر، محمد سعید، محمود نواز، غلام مظہر، کے علاوہ رحیم الدین غوری، محمد افضل  
عبدالرحیم، محمد علی عابدی، شانتی کمار، خواجہ حسین الدین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل  
حسین، بی آئن واگھرے، نرہاراؤ، پیر جاکنداؤ، علی نواز خان، کشن داس، اور ارجن راؤ  
وغیرہ شامل تھے یہ تمام میرے ہم خیال تھے جو پلاننگ، پینچایت ران، ڈیپارٹمنٹ سکریٹریٹ  
کے مختلف سکشنوں میں معین کیے گئے۔

میری تعیناتی صغیر، انتظامی میں عمل میں آئی۔ منتظم سٹرلہ جو گاراؤ تھے بوڑھی سی  
پی نرہاراؤ۔ یہ دونوں نہایت نفیس، شریف النفس انسان تھے جو دیگر انتہائی  
ملازمین سے بالکل مختلف تھے۔ اُس زمانے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حیدر آبادی  
ملازم سرکار جاگیر دارانہ نظام کے سپرد رہے ہیں، نواب زار سے ہیں جو آرام طلب ہیں اُس  
کے کام سے ناواقف ہیں، کام سے عدم دلچسپی رکھتے ہیں (لیکن یہ ساری باتیں غلط تھیں)  
ہمارے محکمہ کے پہلے سکریٹری مسٹر پی نرسمہ تھے جو انتہائی معزز اور سخت گیر  
انسان تھے۔ انہوں نے ایک دن نلکا گانہ سے تعلق رکھنے والے ملازمین  
دلی ڈی سی سے لے کر منتظم تک کو اپنے اجلاس پر بلوایا۔ جیسے ہی ہم لوگ  
سکریٹری صاحب کے روم میں پہنچے۔ انہوں نے ایک سرسری نظر ہم  
پر ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر انہوں نے ڈانٹنے کے  
انداز میں ہم سے کہا کہ تم لوگوں کو میرے ہاں آتے ہی اپنا تعارف کرانا  
چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جو ایک صف میں روم کی دیوار سے لگے  
کھڑے تھے اپنا تعارف کر دیا۔ دراصل وہ اپنے اس رویہ سے بھی

ہمیں مرعوب کرنا چاہتے تھے سکریٹری صاحب کے اس اہانت آمیز رویہ سے میں بہت متاثر ہوا اور مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ "زمین اپنی قدم دوسروں کے" حقیقت یہ ہے کہ تنگناہ ملازمین نے ملازمت کی ہر سطح پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ سکریٹریٹ میں میں اپنے مخصوص حیدر آبادی لباس (میردانی) پہن کر یہ احساس دلاتا رہا کہ میں خیر رہا رہا ہوں اور مسلمان ہوں۔ میں سکریٹریٹ میں اپنی ۳۲ سالہ ملازمت کے دوران صرف اور صرف — پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں ہی مامور رہا۔ میری ملازمت کا زیادہ حصہ اکادمی اور آرڈس سکشن میں گزرا۔ مجھے بعض تنگناہ کے ملازم ساتھیوں کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں بہ حقیقت بوڈی سی ترفی ملی۔ پھر میں سکشن آفیسر ہوا اور اسی عہدہ پر رہا۔ ہوا۔ ان تمہیدی محاوروں کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس زمانے میں سکریٹریٹ میں کہہ کر محالہ محال تھا۔ سکریٹریٹ میں محبانِ اردو کی کافی تعداد تھی۔ لیکن کوئی ادبی انجمن موجود نہیں تھی۔ اُن دنوں سکریٹریٹ میں آئندہ پرنسپل کلچرل اسوسی ایشن سرگرم عمل تھی جس کے سالانہ جلسے ایک ہفتہ تک جاری رہتے۔ کلچرل اسوسی ایشن سے تنگناہ کے ملازمین بھی وابستہ تھے چونکہ یہ آئندہ پرنسپل ملازمین اور تنگناہ ملازمین کی مشترکہ فہریدی انجمن تھی۔ ہم اپنی کوششوں سے ان سات روزہ پروگرام کے دوران اردو پروگرام کے لئے ایک دن حاصل کر لیا کرتے اس میں بھی ہمیں صرف نصف گھنٹہ کا وقت دیا جاتا تھا کبھی کبھی ہم نے

ایک گھنٹہ کا پروگرام بھی پیش کیا۔ ایک پروگرام میں ہم نے مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا تھا جس کا میں کمونسیر تھا اس مشاعرہ میں شہر کی نمائندہ شعروں نے شرکت کی تھی۔ اردو پروگرام میں کبھی محفل موسیقی، موتی تو کبھی قوالی۔ لطیفہ گوئی، ڈرامہ بھی آرہا تھا کیا جاتا تھا۔ اردو کلچرل پروگرام کے سربراہ خواجہ بہاؤ الدین، عباس ہاشمی، محمد حسین افضل حسین، ہمدانی علی، شکیل احمد وغیرہ ہوتے تھے۔ اس ماحول میں میں نے نہہ کر لیا کہ کسی طرح سکرٹریٹ میں اردو اسوسی ایشن قائم کی جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں خواجہ بہاؤ الدین، عباس ہاشمی، علیم الدین، افضل حسین، بی این واکھرے، شکیل احمد، کشا کرن، پربھاکر راؤ، نرسہا ریڈی کے مشورہ اور تعاون سے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے نام سے ایک ادبی و تہذیبی ادبی انجمن کا قیام عمل میں لائے۔ جس کے پہلے صدر بھارت چند کھنہ آئی اے ایس، غلام احمد (مشہور کرکٹر) اسٹنٹ سکرٹری رشید قریشی اسٹنٹ سکرٹری اور جباراؤ ڈپٹی سکرٹریٹ نائب صدر و نامزد کئے گئے۔ مجھے بانی جنرل سکرٹری نامزد کیا گیا۔ سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے زیر اہتمام بے شمار پروگرام ہوتے رہے۔ میں نے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن سے سکرٹریٹ کے تقریباً تمام مجاہد اردو بشمول عہدہ داران سکرٹریٹ کو وابستہ کیا اس دوسرے نمبر پر نوٹ کے بعد میں ایم اے نعیم ڈپٹی سکرٹری مینارینز ڈپارٹمنٹ کڈاٹر اردو اکیڈمی کا سکرٹریٹ کی ابتدائی ملازمت اور

ان کے ادیبانہ ذوق و شوق کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔

شاہد ایم ایف نعیم سکریٹریٹ میں حجم سے جو نیر تھے جن کا تقریر ۱۹ نومبر ۱۹۶۹ء کو رلیو نیو ڈیپارٹمنٹ میں ہوا انتخاب وہ ڈپٹی سکریٹری مینارٹن ڈپارٹمنٹ کے علاوہ ڈائریکٹر آرڈر اکائیڈی کے عہدہ پرفائزر ہیں۔ نعیم صاحب جامعہ عثمانیہ سے بی۔ کام اور پیل بل بی کی ڈگری حاصل کی۔ پس سٹے نعیم صاحب کو پہلی دفعہ رلیو نیو ڈپارٹمنٹ میں دیکھا تھا جہاں وہ کارکنان تھے۔ نعیم صاحب نہایت خاموش، کم آواز اور ایک شریف النفس انسان کی طرح اپنی سرکاری ذمہ داریوں کو سلیقے سے نبھاتے ہیں نہایت باصلاحیت، اصول پسند، دیانت دار، فرض شناس عہدہ دار ہیں یہ خوبیاں ان میں ان کی ابتدائی ملازمت کے زمانے سے ہی ہیں۔ میں نے سکریٹریٹ میں ان کی ملازمت کے ابتدائی زمانے میں یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے کام سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ سکریٹریٹ میں رلیو نیو ڈپارٹمنٹ بڑی اہمیت کا محکمہ ہوتا ہے۔ نعیم صاحب کی ساری ملازمت یہی ڈپٹی سکریٹری کے عہدہ تک بے داغ اور شفاف آئینہ کی طرح گزری ہے۔ پاک و صاف ان کا سرویس ریکارڈ ہے نہایت ملنسار، بااخلاق، بامروت شخصیت کے حامل ہیں۔ نعیم صاحب ایک دیندار، پابند صوم و صلوة نیک انسان ہیں۔ نعیم صاحب جب ڈائریکٹر آرڈر اکائیڈی مقرر ہوئے تو مجھے اس لئے بھی زیادہ مسرت ہوئی کہ میرے سکریٹریٹ کے ایک ساتھی اکائیڈی کے ایک اہم عہدہ پرفائزر ہیں۔ ایک فرض شناس

ایماندار اور پُر وقار شخصیت کو حکومت نے ڈاکٹر اکبید مجی کی حیثیت سے مامور کر کے ایک اچھا اقدام کیا ہے صدر نشین اردو اکبید مجی جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب کو نعیم صاحب کا بھرپور تعاون حاصل ہے دونوں میں خوشگوار مراسم ہیں دونوں کی یہ دلی خواہش ہے کہ اردو اکبید مجی بہتر سے بہتر انداز میں سرگرم عمل رہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ پی آر او اردو اکبید مجی ممتاز شاعر جناب حسن فرخ کے علاوہ حیف اکاؤنٹنسی فیر محمد حمی الدین شریف، سینئر سوپر وائزر جناب محمد عمر کا بھی تعاون حاصل ہے یہ تینوں ارکان ان کے با اعتماد رفیق

ان کی فرض شناسی، احساس ذمہ داری اور بہترین نہ کرتے ہیں لیکن ہے کہ دیگر اسٹاف سے بھی وہ مطمئن ہیں نے محسوس کیا ہے تینوں شخصیتیں خراج تحسین۔۔۔ نعیم صاحب انتہائی سادگی پسند، پُر خلوص، آئینہ مائل میونس کے علاوہ بگنہ کردار مغیر انسان ہیں۔

خاص طور پر ہر اس شخص کے لئے اپنا دامن و تنک نامی کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے پتھو لوں اور ہلہاتے ہوئے موکم گل کی طرح دیب بھی ہیں ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں افسانوں کے نام سے اور مزاجیہ مضامین کا مجموعہ ”گھر کا نہ گھاٹ کا“ کتابیں ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوئیں۔

# جیلانی پیراک

(ہمہ رنگی پیکر۔ رواں دواں شخصیت)

زندگی کے کچھ ایک خاص رنگ میں ڈھلنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ ہمہ رنگی بھولوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ایک ایسے گلدستہ کی تشکیل کی جائے جو مختلف خوشبوؤں کی آمیزش کا مظہر ہو۔ ہمہ اقسام کے بھولوں کو جب ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو ہر بھول اپنی علاحدہ خوشبو، اپنی علاحدہ پہچان کے ساتھ اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے اور یہ حیثیت مجموعی ایک تشکل نمودار ہوتی ہے جو اپنا الگ وجود رکھنے ہوئے بھی ایک مکمل وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہوتے ہیں اور ایسے ہی بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہو جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ جو زندگی کے ایک ایک پل میں ڈھل جاتے ہیں ان کی پہچان ان کے مخصوص رہنما ہیں، ان کی مختلف خصوصیات اور ان کی مختلف النور

سرگرمیوں کی وجہ سے باقی رہتی ہیں۔ ایسی ایک شخصیت ہم سب کی نظر میں  
 ہے جن کو ہم سب جیلانی پیرا کہتے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جیلانی پیرا کہ  
 کی رنگارنگ طبیعت اور بوقلمونیت ان کی شخصیت کا اہم پہلوؤں کا احاطہ  
 کرتی ہے۔ جیلانی صاحب ہمیں ہر محفل میں دکھائی دیں گے، ایسے مقامات  
 پر بھی نظر آئیں گے جہاں دھوپ اور چھاؤں کے علاوہ ملاحظہ ممکن ہیں  
 اور جہاں دھوپ اور چھاؤں سے مانوس اور غیر مانوس افراد بھی سانس  
 لیا کرتے ہیں۔ دونوں مقامات پر جیلانی پیرا کہ صاحب نمایاں رہیں گے  
 جیلانی صاحب ہمارے معاشرہ کا ایک ایسا متحرک کردار ہیں جو جیلانی  
 ہی نہیں ہے سبب صفت بھی ہے جیلانی صاحب کی شہرت ان کی ہمہ تن  
 ادبی، فلاحی، تہذیبی سرگرمیوں کی ہی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہر ماحول میں اپنے  
 آپ کو جذب کرنے کی ان کی اپنی صلاحیت کی وجہ سے بھی ہے انہیں کہ  
 یہاں وہاں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے وہ پلنگ بھجکتے ہی آپ کی  
 آنکھوں کے سامنے جلوہ گر رہیں گے۔ بلکہ جیسے ہی آپ ان کے بالے میں  
 سر پھنسیں گے وہ اُسی وقت سے آپ کے ہم رکاب رہیں گے۔ آپ کے ہم سفر  
 رہیں گے۔ جیلانی صاحب کی مقبولیت کا ایک اہم راز بھی ہے کہ وہ سب  
 کے لیے ہیں کسی ایک کے لیے نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پیرا کہ صاحب  
 کی شخصیت ہمارے معاشرہ میں اہمیت کی حامل ہے۔ جیلانی پیرا کہ  
 صاحب کو میں زائد از ۱۵ برس سے جانتا ہوں بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ میں  
 انہیں ۱۹۶۶ء سے جانتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ آج ۲۴ سال پہلے جیلانی صاحب

نے رٹنر ہوٹل کے احاطہ میں موجود سموٹنگ پول کے کنارے پر مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں اُس دور کے ایک اُبھرتے ہوئے جوان سالِ شاعر کی حیثیت سے میں بھی مدعو تھا۔ اُس دور میں تیراکس کی حیثیت سے جیلانی صاحب کی بڑی شہرت تھی۔ بہ بات بہت کم لوگ جانتے تھے کہ جیلانی پیراک صاحب شاعر بھی ہیں۔ ان کی بعض غزلیں سیاست میں شائع ہو چکی ہیں جو ب حسین جگر صاحب کی خواہش پر ۱۹۵۹ء میں میں نے سیاست میں محفلِ شعر کے کام کے مرتب کی حیثیت سے ذمہ داری قبول کر لی تھی پیراک صاحب اپنا کلام ”سیاست“ کے لیے روانہ کرتے تھے۔ پیراک صاحب، جگر صاحب اور عاید علی خان صاحب کے اچھے دوستوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ یوں بھی ہوا ہے کہ پیراک صاحب مجھے فون پر اپنی غزلیں کھواتے تھے اور وہ غزلیں جگر صاحب کی منظوری کے بعد اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔ جیلانی پیراک نے بہت کم شعری کلام کیا ہے۔ میں نے انھیں سموٹنگ پول کے مشاعرہ کے علاوہ ایک دو بار ایڈریس کونسل کے اجلاس میں سُنائے۔ جیلانی صاحب مجھے اور رئیس اختر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ہم بھی اُن کا احترام کرتے ہیں۔ جیلانی صاحب نہایت فطرتاً انسان ہیں اور جوانوں کی حوصلہ افزائی میں کبھی تنگ نظری اور بغل سے کام نہیں لیتے۔ جیلانی صاحب نے کئی انجینئرس قائم کی ہیں قراءت سوسائٹی کے بانی جنرل سکریٹری بھی ہیں چنانچہ انہوں نے قراءت سوسائٹی کے حوالے سے بیرونی مالک کا دورہ بھی کیا۔ ایڈریس کونسل کے بھی بانی جنرل سکریٹری ہیں جس کے زیر اہتمام کئی



جلے اور مشاعرے منعقد کر چکے ہیں۔ ایڈٹرس کونسل کے ہر اجلاس میں مشاعرہ لازمی طور پر ہوتا ہے۔ میں مشاعرہ کا معنہ درہا کر تا ہوں ایڈٹرس کونسل سے ہمارے شہر کی کئی نمائندہ شخصیتیں وابستہ ہیں۔ فیض انٹرنیشنل اسکی ایشن کے اجلاس میں کبھی کبھی سمیتے رہتے ہیں۔ ہر فن مولایا اصطلاح کا اطلاق جیلانی صاحب کی شخصیت پر پوری طرح ہوتا ہے۔ چاہے وہ علمی و ادبی جلسے ہوں کہ فلمی و تہذیبی تقریبات، ان میں جیلانی صاحب موجود رہتے ہیں شہر کی بعض انجمنوں اور اداروں سے بھی کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ وہ زمانہ بھی مجھے یاد ہے کہ جیلانی صاحب، عابد علی خان صاحب سے ملاقات کے لیے ہنزہ جمعہ کی صبح دس بجے سیاست "آفس آتے تھے میں اپنے سمول کے مطابق صبح سکریٹریٹ جانے سے قبل ایک گفتہ سیاست میں رہتا۔ عابد علی خان صاحب اور دیگر صاحب کے ساتھ چلے نوشی ہوتی۔ جیلانی صاحب جیسے ہی سیاست آتے دیگر صاحب سے پان کا بیٹو مانا لگتے اور اپنی مرضی سے پان نکال لیتے۔ جیلانی صاحب کا قلمی نام جیلانی پیراک ہے اور تخلص پیراک۔ اصلی نام سید محمد جیلانی۔ ان کی تاریخ و سن پیدائش ۵ مئی ۱۹۳۶ء ہے مقام پیدائش حیدرآباد ہے۔ امریکہ و یورپ، مشرق بعید کا دورہ کر چکے ہیں۔ ان کے رہائشی مکان کا نام ایوان پیراک ہے جو محمد خلیفہ بی بی واقف ہے ان کے مشاغل میں ادبی و تہذیبی، صحافتی و فلمی سر و فیات شامل ہیں۔ جیلانی صاحب کے حلقہ احباب میں بے شمار لوگ شامل ہیں۔ جیلانی صاحب نے نیراکی کے میدان میں بیڑا نام کا ایلب

حیدرآباد میں ہونے والی بیشتر علمی و ادبی و فلاحی و تہذیبی محفلوں میں شرکت کیا کرتے ہیں۔ جیلانی صاحب کے دوستوں، شناساؤں اور ملاقاتیوں میں ہر عمر کے لوگ ملیں گے۔ ہر ایک شخص سے اس کے مرتبے اور اس کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ملتے ہیں۔ جیلانی صاحب کسی زمانے میں حیدرآباد کے ایک قدیم اور مشہور اخبار میزان سے بھی وابستہ رہے ہیں جس کے ایڈیٹر حبیب اللہ اویج تھے۔ جیلانی صاحب مزاج کی ہمہ رنگی، کیفیت کی وجہ سے تمام حلقوں میں مقبول ہیں۔ جیلانی صاحب ہمیشہ دوسروں کو بھلائی اور اس کی بہتری کے لیے ہی سوچتے رہتے ہیں۔ صاف دل، صاف گواناں ہیں۔ اسپورٹس ان کا خاص میدان رہا ہے اسپورٹس کے موضوعات پر ان کے مضامین شہر کے اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مختلف مسائل پر بھی ان کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بعض فعال، علمی، تعلیمی و تہذیبی اداروں سے وابستگی رکھتے ہیں مثلاً شاہ ایجوکیشنل سوسائٹی کے بھی ایک رکن ہیں۔ اپنی عمر کا ایک لمبا سفر طے کرنے کے باوجود آج بھی وہ فعال و کارکردہ کسی باشعور شخص کی طرح معاشرہ کا ایک اہم جزو بنے ہوئے ہیں۔ جیلانی پیراک صاحب کو مختلف النوع تہذیبی و فلاحی خدمات پر ایوارڈز کے علاوہ سال گذشتہ اردو اکیڈمی نے کارنامہ حیات ایوارڈ سے نوازا ہے جیلانی پیراک صاحب کے ہاں مختلف موضوعات پر کئی مضامین موجود ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ منظر عام پر آج جیلانی صاحب میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک خالص انداز ہے اور

ان کا خاص انداز، ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو ہے ایسے لوگ جو اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے ہیں وہ سب کی نظروں میں رہتے ہیں۔ جیلانی پیرک صاحب کے ذہن و فکر کی اڑان بہت اونچی ہے اونچی سطح پر رہ کر سوچتے ہیں اپنی سوچ اور فکر سے یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ اپنی شخصیت کے تعین کے لیے خود اعتمادی، حوصلہ اور جہد مسلسل کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ جیلانی صاحب کا احساس جو ان ہے ان کے عذاب، ہمایائی ہیں ان کی شاہین نظر معاشرہ کے ہر شعبہ میں حرارت پیدا کرتی ہے کہتے ہیں کہ اگر معاشرہ میں باوقار انداز میں جیتنا ہے تو اپنی پہچان کو باقی رکھیں۔ انفرادیت متاثر نہ ہو۔ زندگی کا ہر پل اپنے وجود کا احساس دلاتے رہے۔ آخری سانس تک اپنی آن بان باقی رہے۔ جب کبھی جیلانی صاحب سے میری ملاقات ہوتی ہے تو ان کے عزائم کی روشنی میرے دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے۔ نئے خوشی پر ہور غمزہ ہے کہ جیلانی صاحب جی ہمہ گیر ہمہ رنگی شخصیت کا نئے قرب حاصل ہے۔

# حمایت اللہ

فائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ دلان حیدرآباد کے رہنما مقبول شاعر

شہر محبت و رواداری، حیدرآباد فرخندہ بنیاد نے ہر دور میں باکمال شخصیتوں کو جنم دیا ہے اس شہر میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی بعض ایسی نامور شخصیتیں بھی گذری ہیں جن کا نام نہ صرف انسانی رشتوں کے حوالے سے ہی روشن ہے بلکہ علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور شرافت و محبت کے حوالے سے بھی جگمگاتا رہے گا۔ اس شہر دلنواز کی قضاؤں میں سانس لینے والے لوگ اس دور میں بھی اپنے فن اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا احساں دلا رہے ہیں۔ شعری، ادبی و تہذیبی شعور سے بہرہ ور لوگوں کی آج بھی ہمارے شہر میں کمی نہیں ہے۔ دکنی زبان اور اردو تہذیب کے نمائندہ شاعر حمایت اللہ بھی ایک ایسی باصلاحیت شخصیت کے حامل ہیں جو زائد از ۵۰ برس سے شعری و تہذیبی

محفلوں میں سرگرم عمل ہیں۔ حمایت الٹھ فائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ  
 دلاں حیدر آباد کے بانیوں میں سے ہیں بلکہ فائن آرٹس اکیڈمی اور  
 زندہ دلاں حیدر آباد کی نمائندہ شخصیتوں میں سب سے زیادہ متحرک  
 فعال ہیں حیدر آباد میں تہذیبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں  
 یہ واحد اکیڈمی ہے جس کی شہرت نہ صرف ملک گیر ہے بلکہ بیرون  
 ممالک میں بھی جہاں جہاں تہذیبی سرگرمیوں اور فنون لطیفہ سے  
 وابستگی رکھنے والے لوگ موجود ہیں وہاں بھی اسے باصلاحیت فن کاروں  
 کے لئے فائن آرٹس اکیڈمی کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ بے شمار  
 فن کاروں نے ان ۵۰ برسوں میں فائن آرٹس اکیڈمی سے استفادہ کیا  
 ہے آج بھی اکیڈمی کے فیضان سے کئی نوجوان فن کار بلا تفریق مذہب  
 ملت مستفید ہو رہے ہیں چاہے وہ حکومتی سطح کے تہذیبی پروگرام  
 ہوں کہ کسی غیر سرکاری اداروں اور انجمنوں کی محفلیں ہوں۔ فائن آرٹس  
 اکیڈمی کے فن کاروں نے اپنی اہمیت کو منوالیا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں  
 جب حیدر آباد میں زندہ دلاں حیدر آباد کی ہنگامی کمیٹی نے حمایت الٹھ  
 بھی میر کارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ گزشتہ ۳۵ برسوں  
 میں زندہ دلاں حیدر آباد نے اپنے ادبی ثقافتی سرگرمیوں اور مزاحیہ  
 مشاعروں کے ذریعہ کافی شہرت حاصل کی ہے۔ قیام زندہ دلاں حیدر آباد  
 کے بعد سے سالانہ تقاریب میں ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا  
 طنز و مزاح نگار (شاعر و ادیب) ہوگا جس نے شرکت نہ کی ہو۔

پاکستان کے مزاحیہ شاعروں نے بھی شرکت کی ہے سینیر شاعروں کے ساتھ ساتھ جو نیر شاعروں کو بھی زندہ دلان حیدر آباد نے اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ حیدر آباد کے علاوہ ملک کے بعض شہروں اور بعض بیرونی ملکوں میں بھی زندہ دلان حیدر آباد کے فن کاروں نے اپنے بہتر فن کا مظاہرہ کیا ہے زندہ دلان حیدر آباد کا جہاں کہیں بھی نام لیا جائے گا وہاں خاص طور پر مجتبیٰ حسین، حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کے علاوہ ان کے دیگر رفقاء کار مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوند میری اور دیگر ارکان کا نام بھی لیا جائے گا۔ زندہ دلان حیدر آباد کا ترجمان ماہنامہ شگوفہ طنزیہ و مزاحیہ ادب میں غیر معمولی خدمت انجام دے رہا ہے خدمات کا یہ سلسلہ ۱۹۶۸ء سے جاری ہے لاتعداد شاعروں، ادیبوں نے شگوفہ کے ذریعہ طنزیہ و مزاحیہ ادب میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے ایک کاکھنڈیر کی حیثیت سے شگوفہ کے مجار کو برقرار رکھا ہے۔ بیس چھ سال تک شگوفہ کی مجلس ادارت سے وابستہ رہا ہوں۔ شگوفہ کا سارا کام مصطفیٰ کمال خود انجام دیتے ہیں البتہ کبھی کبھی نامور مزاح نگار مسیح انجم مرحوم بھی تعاون کیا کرتے تھے کچھ عرصہ تک لاہم الدین توفیق صاحب کمال صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حمایت اللہ صاحب اپنے بہترین پروگرامس کی پیش کش کی بدولت اپنے رفقاء کار کے ساتھ ساتھ کافی شہرت پا چکے ہیں وہ اپنی سرپرستی میں بے شمار پروگرام کر دیا چکے ہیں حمایت اللہ کچھ برسوں سے دور درشن کے لئے مختلف سیریل میں کام کر رہے ہیں پیشہ

کے اعتبار سے اے کلاس کنٹر اکٹر ہیں حمایت صاحب اپنے دینی کلام کے ذریعہ تقریباً ہر مشاعرہ میں کامیاب رہتے ہیں وہ آدابِ مشاعرہ سے خوب واقف ہیں مشاعروں میں دیر تک کلام سنانے سے گریز کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ دوسرے شاعروں کا وقت لیں۔ دیر تک مانگ پر نہ رہنے کی کبھی انہوں نے خواہش نہیں کی البتہ عوام کے بے حد اصرار پر حقوڑا سا وقت سامعین کی نذر کرتے ہیں اپنا کلام کبھی تحتِ لفظ میں سمجھی رزم میں سناتے ہیں لیکن زیادہ تر تحت میں ہی سناتے ہیں۔ حمایت صاحب ایک نیک دل شریف و ہمدرد انسان ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ مقصد ہے دوسروں کی مدد کرنا۔ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے انہیں بے حد خوشی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے اس پاس ان کے احباب اور ضرورت مند گھرا جمع رہتے ہیں ان کے احباب کا دائرہ کافی وسیع ہے ہر شعبہ حیات کے لوگوں سے ان کی ر کم و راہ ہے حمایت اللہ کئی خوبوں کے حامل ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی ایک دوست بھی اپنے کسی دوست سے خفا نہ رہے۔ حسن جید آباد، تفتانہ جدہ کے سلسلے میں حیدر آباد سے جناب عبدالعلی خان، محبوب حسین جگر، صلاح الدین اولیٰ، نر سید دوست محمد، ڈاکٹر نیکم کے علاوہ شاعروں میں حمایت اللہ، صلاح الدین بیر، مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوندیری، علی الدین نوید، صبغت اللہ بھارت اور بوگس جید آبادی نے شرکت کی تھی۔ حمایت اللہ صاحب کی قیادت میں

اہم تمام شاعر شاعر شاعر کے لیے خانہ بیت اللہ اور رسول پاک کے قدموں  
 میں سر جھکا کر مدینہ منورہ گئے تھے خانہ کعبہ کے احاطہ میں داخل ہونے  
 سے پہلے تمام شاعروں نے اپنی اپنی ربر کی چیلیں اتار دیں۔ انہوں نے  
 تمام شاعروں کی چیلیں خود ایک تختیلی میں ڈال لیں اور ایک مقام پر  
 رکھ دیا وہاں ہی انہوں نے بہت دور تک چیلوں کی تختیلی کسی اور  
 شاعر کو لینے نہیں دی۔ ایسا ہی عمل انہوں نے زیارتِ رسولِ سرورِ عالم کے  
 موقع پر کیا تھا۔ مکہ و مدینہ کے سفر میں حمایت اللہ صاحب نے ہمارے  
 سالارِ قافلہ کی طرح ہمیں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہم زائد از ایک ہفتہ  
 جدہ میں رہے۔ اس جشن کے اہم منتظلمین میں ڈاکٹر شمس باہر، سعید بن  
 محسن باعمرال، ابوبکر علی خان، عارف قریشی اور دیگر حیدر آبادی تھے میں  
 نے حمایت اللہ کے ساتھ کئی کل ہند شاعرے پڑھے ہیں حمایت صاحب کے  
 ساتھ سفر کرنے میں بڑی سہولت دیتی ہے۔ زندہ دلاں جدہ رآباد کی ہر  
 میٹنگ میں میں نے حمایت صاحب کو مسجد گ سے گفتگو کرتے ہوئے پایا ہے  
 ان کی بات میں وزن و تہلہ ہے میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ کوئی بھی ملٹر  
 کیوں نہ ہو اگر اس کی تاہید حمایت اللہ صاحب کرتے ہیں تو دوسروں کو  
 مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی لہذا سیاست، عابد علی خان صاحب  
 اور دیگر صاحب سے ان کا دیرینہ رابطہ خاص رہا ہے اب بھی وہ سیاست  
 سے الٹ رشتہ رکھتے ہیں اعلیٰ کردار کے حامل انسان ہیں۔ وہ ایک  
 دلگیر محکم گیر کے قائل ہیں شہر کے دوسرے اخباروں کے سربراہوں سے ان کے



اچھے مراسم ہیں لیکن جو ذہنی ہم آہنگی انہیں سیاست سے ہے وہ کسی اور  
 اختیار سے نہیں ہے جب بھی حمایت اللہ صاحب سیاست کرتے  
 عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے ان سے  
 مشفقانہ سلوک روا رکھتے تھے سیاست سے متعلق کوئی تہذیبی پروگرام  
 ہو تو مشورہ کرتے تھے اور ان سے ضروری تعاون حاصل کرتے تھے حمایت اللہ  
 صاحب کے قریب ترین دوستوں میں مصطفیٰ علی بیگ بھی ہیں۔ جن کا  
 دوستی قابل رشک ہے دھل راؤ سے بھی کافی گہرے مراسم رہے ہیں۔  
 فائن آرٹس اکیڈمی کے توسط سے بے شمار فن کاروں کو شہرت دلوائی۔ مدیر  
 مشکوفہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال ان کے بہترین دوستوں میں سے ہیں زندہ دلاں  
 حیدر آباد کی ادبی تقاریب میں حمایت اللہ کے ساتھ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال بھی  
 کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔

بوگس حیدر آبادی ادریح انجمن حرم بھی زندہ دلاں حیدر آباد کے  
 اہم ارکان میں سے تھے۔ عابد علی خان صاحب کے دولت خاں پر جب کبھی  
 کوئی محفل شعر یا محفل قوالی ہوتی تو حمایت صاحب کو لازماً مدعو کیا جاتا۔  
 حمایت اللہ صاحب کی خریک حیات ڈاکٹر رشید موسوی نہایت سنجیدہ  
 طبیعت کی معزز خاتون ہیں۔ وینکٹ راماریڈی وینس کان کن ہیں صدر  
 شعبہ اردو یقیناً حمایت اللہ کا نا حال کوئی ایک مجموعہ کلام شائع نہیں  
 ہوا۔ حمایت اللہ شاعروں کے سلسلے میں سعودی عرب کے علاوہ امریکہ کا بھی  
 دورہ کیا ہے امریکہ نہ دعوہ جاکے ہیں لندن بھی گئے ہیں وہ ایک محنت مند

احمد علی فن کار ہیں اور ان کا سفر جاری ہے

اکثر یوں ہوا ہے کہ اگر کوئی نمائندہ ادبی و سیاسی شخصیت  
 حیدر آباد آجاتی اور اگر ان کے مراسم جناب عابد علی خان سے ہیں تو عموماً  
 ڈنر کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ عشاء کے بعد محفل موسیقی ہوتی، محفل شعر  
 بھی ہوتی۔ ایسے موقع پر عابد علی خان صاحب کو حمایت الہد صاحب کا  
 بھرپور تعاون حاصل رہتا۔

# راشد از

(صاف باطن - روشن دماغ شاعر)

کائنات میں پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے جس طرح کسی کرشماتی اثر کو ضروری سمجھا جاتا ہے اس طرح فکر و فن کے دھند کو بے اثر کرنے کے لئے روشن دماغ، دل پر نور رکھنے والے فن کاروں کا وجود ضروری ہے ایسا تخلیق کار جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے فکر و خیال کے دائرہ میں محصور کرنے کا فن جانتا ہے اور جو اپنی اعلیٰ فکر کی روشنی میں اپنے مشاہدات و تجربات کو تخلیقی توانائی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنے فکر و فن کے ذریعہ نہ صرف اپنی ذات و صفات کو اجالوں کا ہم درجہ بنا دیتا ہے بلکہ انسانی رشتوں کی تہذیب کو بھی چار چاند لگا دیتا ہے فکر فصیح ہو تو تخلیق بھی پُر اثر ہوتی ہے مشاہدات میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی بالادستی کو تسلیم کرنا بھی ایک کارہائے نمایاں سمجھا جاتا ہے جن شاعروں، ادیبوں کے دل کی بات

دیانت داری کے ساتھ صفحہ قرطاس کی آبرو بڑھاتی ہے اُن جیسے فنکاروں  
 میں میں یوں تو بہت سے مل جائیں گے جو راشد آذر جیسے باشعور  
 شاعروں، ادیبوں کی صف میں رہتے ہوئے بھی کبھی سب کے ساتھ تو  
 کبھی سب سے الگ دکھائی دیں گے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ایک  
 تنہا انسان، مہموم میں رہ کر بھی تنہا رہتا ہے لیکن اس کی تنہائی میں ہجوم  
 بھی کار فرما رہتا ہے۔ اس طرح کی متضاد کیفیات سے فنکاروں کو  
 اکثر گزرنا پڑتا ہے۔ جن حالات میں شاعر کو اپنے باشعور ہونے کا  
 احساس دلانا پڑتا ہے ایسے شاعروں میں بہت سے شاعر ہمارے  
 شہر میں ملیں گے لیکن راشد آذر کا شاعرانہ رتبہ خود ان کے لئے کم گزرتا  
 بنا رہتا ہے۔ جو شخص تمام زندگی سچ بولتا رہا ہو۔ مصلحت کو شے سے  
 دور رہا ہو، سازشی ذہنوں کی سرزنش کرتا رہا ہو ظلم کے خلاف آواز  
 اٹھاتا رہا ہو اور کسی کے لئے بھی ضرر رساں نہ ہو ایسا شخص راشد آذر  
 ہے جس کی پہچان ہمارے شہر کے شاعروں میں ایک صاف گوئیے با  
 پاک باطن اور روشن دماغ شاعر کی حیثیت سے باقی ہے۔ خوشی کی  
 بات ہے کہ ایسا نفیس شاعر ہمارے درمیان آج بھی ایسی شاعری کے  
 ذریعہ منتہئے پھول کھلا رہا ہے۔ راشد آذر ایک ایسے وسیع راز  
 شاعر ہیں جن سے مراکم رکھنا، مراکم بڑھانا ہر کس و نا کس کے لئے اتنا  
 آسان نہیں ہے۔ راشد آذر خود بھی ایسے ہی شاعروں، ادیبوں کو اپنا  
 دوست بناتے ہیں جو دوستی کی قدر و قیمت جانتے ہیں۔ رشتوں کی

ہرچیز رکھنے ہیں اور ایک مہذب شہری کی حیثیت سے عیار کی کسوٹی پر چورے اُترتے ہوں۔

راشد آذر اپنے بہترین اوقات کو بہترین ماحول میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اچھے خاندان، اچھے ماحول کے آدمی ہیں۔ پاک و صاف کردار کے انسان ہیں انسانی رشتوں کے نذر دان ہیں دوسروں کی عزت کرنا جانتے ہیں۔ دوسروں کا حلقہ کچھ اتنا وسیع نہیں ہے لیکن جتنے بھی اچھے احباب ہیں ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں راشد آذر کا کہنا ہے کہ دوست کم ہوں لیکن ایسے ہوں جو بے ریا ہوں اور جن کی شخصیت شفاف لکینہ کی طرح ہو۔ معاشرہ کے لئے قابل قبول ہوں۔ وہ بہت اوقات خود بہترین انسان ہوں۔ باشعور ہوں اچھے بُرے کی تمیز کرتے ہوں۔ راشد آذر کے دوسروں میں کون اہم ہیں کون غیر اہم، مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے وہ میرے دوست ہیں اور میں ان کا دوست ہوں میرے لئے یہی کافی ہے۔ ہماری دوستی شعروادب کے حوالے سے برقرار ہے۔ شعروادب ہی ہماری دوستی کا بنیاد ہے۔ راشد آذر کے ساتھ میں نے پینسوں مشاعرے پڑھے ہیں لیکن انہوں نے ایسے ہی مشاعروں میں شرکت کرنا پسند کیا۔ جہاں کا ادبی ماحول ان کے مزاج کا آئینہ دار تھا۔ عیاری مشاعروں معیاری محفلوں سے وابستگی راشد آذر کا دتیرہ ہے۔ راشد آذر کا کلام میں نے پہلی دفعہ ماینامہ صبا میں پڑھا تھا جو سلیمان اربیب کی زیر ادارت

شائع ہوتا تھا۔ راشد آذکی بیشتر نظمیں اور غزلیں عبا میں شائع ہوتی تھیں آج کل، سب رس، شب خون اور دیگر ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ اخبار سیاست کی معرفت بھی ہم ان کے کلام سے مستفید ہو رہے ہیں اس وقت پروفیسر منشی تبسم ان کے بہترین دوستوں میں شمار کئے جاتے ہیں راشد آذر نغم بھی انہیں غزلیں، قطعات اور رباعیات بھی کہتے ہیں ان کے تاحال حب ذل شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں نقوش آتور۔ صدائے تیشہ۔ آہ بیلہ خاک انا۔ زخموں کی زبان۔ منزلِ شوق۔ جمع و خرج وفا۔ اندوختہ ان میں سے بعض کتابوں پر ملک کی بعض اردو اکیڈمیوں سے انعام مل چکا ہے جیدہ آباد کے مرحوم شعراء میں سلیمان اربیب، خیرات ندیم۔ وحید اختر۔ شاذ مکت، ابن احمد تاب، غریب زبانی ان کے دوستوں میں شامل تھے ان کے سینئر شاعروں میں مخدوم فی الدین، شاہد صدیقی، سعید شہیدی، فرینید احمد جانی، اور امیر احمد حسرت ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ بہ قید حیات شاعروں میں ڈاکٹر علی احمد، الکفری تبسم، رئیس اختر سے ان کے گہرے مراسم اور دوستانہ روابط ہیں۔ میں بھی ان کی نظروں میں رہتا ہوں۔ راشد آذر شروع سے ہی مشاعروں میں کم کم شریک ہونے کے قائل ہیں ویسے وہ ادارہ ادبیہ اردو، انجمن ترقی اردو کے علاوہ شہر کے بعض مخصوص مشاعروں میں کلام سنتے ہیں۔ ان کے ذہن نے ادلہ میرا شہر بہرے لوگ

بعض مشاعروں میں بر حیثیت ہمارے خصوصی شرکت کی زحمت دی۔  
 راشد آذر سے شخصی ملاقات نہیں ہونے کے برابر ہے البتہ فون پر  
 گفتگو ہوتی رہتی ہے راشد آذر اور میں نے انجن نرئی پسند مصنفین  
 کی ادبی سرگرمیوں کو بکند یوں پر پہونچایا تھا۔ ہم دو بڑی تقریباً  
 ۶ برسوں تک انجن سے وابستہ رہے راشد آذر مکتبہ تھے اور میں  
 شریک مکتبہ۔ ہمارے زمانے میں انجن کے جلسے ہر ماہ نہایت پابندی  
 کے ساتھ ہوتے تھے۔ ابتداء میں کچھ جلسے اردو ماہ میں ہوتے تھے پھر  
 ہم نے مستقل طور پر اپنے جلسوں کے لئے ہنری مارٹن انیشیوٹ کو  
 منتخب کیا۔ انجن سے ہماری وابستگی کے زمانے میں عبید آباد کی  
 ادبی انجمنوں میں انجن نرئی پسند مصنفین ہی ایک ایسی انجن رہی  
 جس کے جلسے ہر ماہ پابندی مقررہ وقت پر ہوا کرتے تھے۔ ایک  
 جلسہ تو ہم نے صرف ایک سماج کی موجودگی میں شروع کیا تھا۔ ابتداء  
 میں وقت کی پابندی مشکل ضرور ہی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا  
 کہ تمام ارکان مقررہ وقت سے پہلے ہی موجود رہنے لگے۔ انجن کے  
 جلسوں کے لئے ہم انجن کے سرپرست ڈاکٹر راج بہادر گوڈ سے رہنمائی  
 حاصل کرتے تھے ان کے مشوروں اور ان کی رہنمائی کو اہمیت دیتے تھے  
 راشد آذر ادبی ٹریسٹ اور شکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں  
 میں کلام سناتے رہے ہیں۔ اصلاً ان کے مشاعروں میں شرکت سے گریز  
 کرتے ہیں۔ تاہم بعض خصوص مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ دلی کے

ایک مشاعرے میں جو آل انڈیا ریڈیو دہلی کی جانب سے اسپوڈیو  
 میں منعقد ہوا تھا حیدرآباد سے راشد آذر اور راقم الحروف نے  
 شرکت کی تھی۔ اس وقت زمبیر رمنوی ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو تھے  
 اس مشاعرے میں ایسے ہی شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا جن کی پہچان  
 (ادبی رسائل اور ان کی تصانیف کی وجہ سے تھی)۔ راشد آذر نے  
 بیرون ملک، برطانیہ اور امریکہ میں بھی مشاعرے پڑھے ہیں۔ شہر کے  
 نامور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ میر کی غزل گوئی ایک نادر عنوان  
 نثر میں ان کی ایک بہت ہی عمدہ کتاب شائع ہوئی ہے راشد آذر  
 کو تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے آزاد، مولانا ظہیر  
 بڑی روانی کے ساتھ کہتے ہیں رباعیات کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا  
 ہے۔ راشد آذر ماہر علمِ عربی ہیں فارسی زبان پر بھی قدرت رکھتے  
 ہیں۔ انہیں انگریزی ادب سے بھی گہرا لگاؤ ہے۔ ادبی مباحثوں میں بھی  
 کبھی کبھی حصہ لیتے ہیں۔ آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی مختلف کمیٹیوں  
 سے بھی وابستہ رہے۔ زمرہ شاعری میں نثر کے فرائض انجام دیتے  
 چکے ہیں۔ ان کی کتابوں پر سناٹا اول ملتا رہا ہے۔ ادبی نغموں میں  
 نہایت شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آدابِ عقل کا خیال رکھتے ہیں  
 بیرون شاعروں میں مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی  
 اختر الایمان اور ہاں نثار اختر سے ان کے شخصی مراسم رہے۔ شہر بار  
 زمبیر رمنوی سے بھی اچھا خاصہ یارانہ ہے۔ راشد آذر کے والد پروفیسر



حسین علی خان <sup>جانب</sup> انگریزی کے ایک لائق ترین استاد تھے جو نظما کاغذ  
 سے وابستہ تھے ان کی والدہ محترمہ معصومہ بیگم ریختی وزیر خفیں جو  
 کا نگریسی خفیں۔ راشد آذر نرقی پسند رجحانات کے حامل روشن خیالی  
 اور روشن ضمیر شاعر ہیں۔ حیدرآباد کے ترقی پسند ماحول سے بہت  
 قریب رہے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترقی پسند خیالات تو ہیں ہی  
 لیکن کلاسیکی شعریت کا اثر بھی بہت زیادہ ہے۔ میر تقی میر  
 کے کلام کے عاشق ہیں۔ میر کے بیسویں اشعار انہیں یاد ہیں۔ غالب  
 کے پرستاروں میں ہیں ساتھ ہی انہیں مومن کی کج کلاہی تو پسند ہے  
 فیض کی طرح انہیں مجروح کا علی سردار جعفری اور مخدوم کے بانچہ  
 نے بھی متاثر کیلئے۔ وہ فراق، جگر اور جوش کی شاعرانہ عظمت  
 کے قائل ہیں۔ حسرت موہانی اور علامہ اقبال کی شاعری بھی ان کے دل  
 دماغ کو روشنی عطا کرتی ہے۔ سیاست، عابد علی خان اور محبوب حسین جگر  
 سے ان کا وابستگی رہی۔ سیاست اخبار گاہ بھی ان کی ذہنی ہم آہنگی  
 برقرار ہے۔ ہمارے شہر کے لئے ایسے شاعروں کا وجود بھی سرچشمہ  
 فیضان سمجھا جاتا ہے جن کی شاعری انسانیت کا پیغام دیتی ہے۔ ظلم و  
 استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے والی راشد آذر کی شاعری دل  
 دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ ان کی رومانی نظمیں، لطیف جذبات  
 کو تسکین عطا کرتی ہیں۔ بعض نظمیں دلوں کو چھو لینے والی ہیں۔  
 راشد آذر نے مسائلی نظمیں بھی کہی ہیں لیکن ان کی رومانی نظموں کی

# ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

صاحب طرز ادیب و نقاد۔ معتمد شاعر۔ ممتاز ماہر تعلیم

علمی و ادبی معاملات میں بھی ارباب فکر و دانش کروا رہی ہیں۔  
 کا تعین نہیں کرتے۔ کئی برس تک اعلیٰ مرتبت تخلیق کاروں، صاحبان علم  
 آہی کی صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے ان کی تخلیقات کے مختلف گوشوں کا  
 جائزہ لیا جاتا ہے۔ ان کے ذہن و فکر کی وسعتوں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے ان  
 کی صلاحیتوں کی ہمہ رنگی کیفیت پر برسوں غور کیا جاتا ہے۔ یہ کسی اہل قلم  
 کو دانشور اور شعردادب کی اعلیٰ صف میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس کے ساتھ  
 قلم و اس کی فکر کی گہرائی کا بہ غور تجزیہ کیا جاتا ہے تب کہیں جا کے باکمال  
 قلم کاروں کے فن اور شخصیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ تجزیہ نگاروں کی نظروں میں  
 اس طرح کی خصوصیات کے حامل صاحب طرز نامور اور ممتاز شاعر و نقاد بہترین  
 ماہر تعلیم اور دانشور ہند ب شہری ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید جی شخصیت بھی  
 رہا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید زبان اور شعر و ادب کے ایک غامض

خدمت گذاری ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ درس و تدریس کے  
مدرسہ پیشینہ سے وابستہ رہ کر گزارا۔ مادرِ جامعہ عثمانیہ کے لائق فرزندوں میں ان  
کا شمار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید صدر شعبہ اردو سری ویکٹوریہ یونیورسٹی  
نروپتی کی حیثیت سے بے شمار نندگانِ علم کی پیاس بجھا کر وظیفہ حسن خدمت پر  
سبکدوش ہوئے۔ پروفیسر جاوید آج بھی یونیورسٹی کے لڑنے کی مصروفیات کی طرح  
علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ تحقیق و تنقید  
کے موضوعات پر ان کی کتابیں تمام اربابِ علم و دانش سے خارج حاصل کرتی رہتی  
ہیں ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید نہ صرف اعلیٰ درجہ کے ادیب ہیں بلکہ لاجواب  
صحافی بھی ہیں۔ رہنمائے دکن میں ان کے شائع شدہ ادارے آج بھی قدس کی  
نگاہوں سے دیکھے جلتے ہیں جامعہ عثمانیہ میں جس وقت وہ ایم اے کے طالب علم  
تھے تب ہی انہوں نے رہنمائے دکن سے اپنے آپ کو وابستہ کیا۔ انہیں اپنے  
شعری و ادبی و صحافتی مصروفیات کے سلسلے میں کئی مقامات پر کام کرنا پڑا۔ اپنی  
ابتداء زندگی کے زمانے میں کافی گدو کاوش اور مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا  
مسلک کشمکشِ حیات سے گزرتے ہوئے انہوں نے سری ویکٹوریہ یونیورسٹی  
نروپتی کے شعبہ اردو کے بدستور کی سانس لیں۔ جہاں وہ پیکر رہے  
ریڈر اور پھر پروفیسر رہے۔ سلیمان اطہر جاوید کو ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے  
سربراہ قند کی ٹکائیوں سے دیکھنے ہیں۔ ان کے علمی کارناموں اور ان کی قابلیت  
سے استفادہ کے لئے مختلف سبکاروں، سمپوزیم اور جامعات کی مختلف کمیٹیوں  
میں شامل کیا گیا۔ ان کے زیر نگرانی بہت سے طالب علموں نے پی ایچ ڈی کی

ڈگری حاصل کی۔ جاوید صاحب قابل ترین استاد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں اور جماعت کی محفلوں میں پسند کئے جاتے ہیں۔ اس تاثراتی مضمون میں اتنی خوبی نظر نہیں آتی کہ میں ان کے فن اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کچھ زیادہ معلومات فراہم کر سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جاوید صاحب کی زندگی کا ہر لمحہ فکر و دانش کے آئینوں کو چمکانے میں مصروف رہا کرتا ہے۔ ڈاکٹر سلیمان الطہر جاوید سے یقیناً میری ابتدائی شاعرانہ زندگی کے دوران ملاقاتیں رہی ہوں گی لیکن مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں ہے جہاں سے میں ان کی ملاقات کے سلسلے کو بنیاد بنا سکوں۔ البتہ مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ ۱۹۶۰ء میں جب وہ رہنمائے دکن کے لئے ادارے چلے گئے تھے اس وقت میں ان کے نام اور کام سے واقف ہوا۔ میں وہ ادارے شوق سے پڑھتا تھا پھر جب انہوں نے رشید احمد صدیقی کی شخصیت اور فن پر اپنی اپنی ڈیڑھ گھنٹہ مقالہ لکھا تو ان کی ادبی شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی میرے بہت ہی پسندیدہ ادیب ہیں۔ میں نے اپنا طالب علمی کے زمانے میں اردو ناول پڑھا اور ایل اور ایم او ایل کے لغات کے مطالعہ کے دوران رشید احمد صدیقی کی تحریروں کا بہ غور مطالعہ کیا تھا۔ ان سے نیاز حاصل کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہے جبکہ وہ انجمن ترقی اردو کے ایک سالانہ جلسے میں حیدرآباد تشریف لائے تھے انجمن ترقی اردو کی جانب سے اردو سال میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا تھانیاں شان خرم قدم کیا گیا تھا۔

پروفیسر جاوید کی قابلیت کا شہرہ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی طالب علمی

کے زمانے سے ہی ہوا۔ ان کی ادبی تحریروں میں ملک کے میاں ادبی رسائل  
 ہیں شائع ہونے لگیں جن سے بے شمار محبانِ اردو اور لائقِ قلم کاروں اور  
 دانشوروں کو ان کی علمی و ادبی حیثیت کے بارے میں غور کرنے کا موقع مل  
 اور آج الحمد للہ ملک اور بیرون ملک کے تمام علمی و ادبی علقوں میں  
 ڈاکٹر جاوید کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر جاوید سے میری ملاقات بہت کم رہی۔ اس کا اصل وجہ یہ ہے  
 کہ وہ حیدرآباد میں بہت کم رہتے تھے سری نیکٹشور ایونیورسٹی نزدیکی نے انہیں  
 اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ حیدرآباد کی ادبی محفلوں  
 میں موجود رہا کریں۔ جب بھی وہ حیدرآباد آتے تھے انہیں نہ کہیں ادبی جلسوں میں  
 شرکت ہو جاتی تھی۔ اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے مختلف کمیٹیوں میں کپڑ  
 کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ میری اپنا اپنی ادبی زندگی کے  
 زمانے میں میرے دو شعری مجموعوں پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ ان کا ایک تبصرہ  
 جو انہوں نے میرے شعری مجموعہ "ہمام" پر تازہ — پر ۳۰ سال پہلے  
 رہنما "دکن کے" لکھا تھا میری کتاب "قافلہ چلتا ہے گا" میں شامل ہے  
 عرب کے گھر بھی مونیوں پر گفتگو کیجئے آپ کو مطمئن کر دیں گے ادب کے تمام  
 شعبوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کے اکثر مزے امین اس بات سے غماز ہیں کہ  
 وہ تبصرہ علمی کے ایک شامکار ہیں ادب کا شاہد ہی کوئی ایسا موصوفہ نہیں  
 جس پر جاوید صاحب نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان کے تبصروں اور ان کی تنقیدوں  
 کے مطالعہ سے میرا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ممتاز نقاد پروفیسر احتشام حسین کے

اسکول کی نمائندگی کرنے ہیں۔ کتابوں پر جاوید صاحب کے تبصرے نوازین کا دامن  
 خلعے ہوئے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو نخر پیر یا شاعری میں کوئی افنی سقم ہو تو  
 اس سبب سے نشاندہی کرنے پر کہ صاحب تعریف ان کا احسان اُمید  
 رہتا ہے۔ جاوید صاحب، ذہنی خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد  
 جب حیدر آباد آئے تو کچھ مہینوں کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد لونیو سٹی  
 سے وابستہ ہو گئے۔ ان دنوں وہ روزنامہ سیاست کے نئے ادبی ڈائری  
 میں اپنا کوئی ایک مضمون ہفتہ وار سی کالم کے لئے لکھتے ہیں۔ ادبی جلسوں  
 کی رویت دار کی پیش کشوں کے علاوہ ادب کے مختلف موضوعات پر ان کے  
 مضامین و ابستگان شعر و ادب کے دل و دماغ کو آج لوں کی سرزمین سے  
 شناس کرانے ہیں جاوید صاحب نہایت سادگی پسند انسان ہیں اپنے مخصوص  
 دوستوں میں اپنی منفرد پہچان کے ساتھ اپنے وجود کا بھرپور احساس دلاتے  
 ہیں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کے ادیب ہیں علمی و ادبی مباحث میں  
 اپنا نقطہ نظر نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اپنی بات اس  
 مہر آہ انداز سے کہتے ہیں کہ مخاطب ان کے لب و لہجہ کی سٹھاس سے متاثر  
 ہوتا ہے سر زبان مرخ انسان ہیں کسی کے لین دین میں نہیں رہتے۔  
 سیدھے سادے بے حد شریف انسان ہیں۔ ان کے مزاج میں شائستگی  
 ہی نہیں شگفتگی بھی ہے۔ ان کی زیر لب مسکراہٹ اچھی لگتی ہے۔ عطر بیز  
 انداز گفتگو ساری ادبی فنکار کو ہی نہیں دوستوں کی محفلوں کو بھی ہلکانا  
 رہتا ہے۔ آداب محفل اور آداب نشست و برخاست کا خاص خیال

لکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی ادبی مغل میں پورے پختے ہیں  
 تو خاص طور پر ان کے ادبی دوست، اپنی اپنی نشستوں کا جائزہ لیتے ہیں  
 اور ڈاکٹر جاوید کے ہم خواہو جلتے ہیں۔ کسی نظم کار کی شخصیت کے لغوین  
 کے لئے صرف اس کی علمی قابلیت ہی مؤثر ذریعہ بنی نہیں رہتی بلکہ اس کے  
 رکھ رکھاؤ کا بھی بڑا دخل رہتا ہے۔ جب مسند قلم کاروں کی علمی و ادبی خدمات  
 پر تنقید کی گئی تھی تو صرف ان کے فن پر ہی گفتگو نہیں ہوتی بلکہ  
 ان کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ شخصیت اور فن کے بارے میں  
 بلکہ بے شمار دانشوروں کے بارے میں ہمارے دانشوروں نے قلم اٹھایا  
 ہے۔ سیدمان اظہر جاوید صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے صاحبِ طرز ادیب و  
 نقاد ہیں وہ ہیں ایک نامور شاعر بھی ہیں لیکن وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت  
 کے اظہار میں نثری ادب کے مقابلے میں کم دلچسپی لیتے ہیں بہت کم مثالوں  
 میں کلام سناتے ہیں۔ حیدر آباد میں ادارہ ادبیات اردو کے زیرِ اہتمام  
 ہوتے والے یوم قلمی قطب شاہ کے مشاعرہ میں کلام سنایا کرتے ہیں راج بھون  
 میں (۶۲۰۰۰) مشاعرہ میں انہوں نے کلام سنا کر داد و تحفین حاصل کی  
 تھی۔ شہرہ آفاق محفلوں سے وہ دور رہتے ہیں۔ انہیں علاقہ آندھرا کے  
 مشاعروں میں خاص طور پر کمرپیہ اور کرنول کے مشاعروں میں کلام سناتے ہوئے  
 دیکھا ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ علاقہ آندھرا کے شاعروں، ادیبوں اور  
 وہاں کے عیارِ اردو انہیں ٹوٹ کر جاتے ہیں۔ میں نے کمرپیہ کے دو تین  
 مشاعروں میں ان کے بہترین کلام کی کھل کر پذیرائی ہوئی ہے دیکھا ہے یہ

یہ بیچہ جسے کٹر پہ کرنول، اسنت پور اور آندھرا کے بعض علاقوں میں اردو  
 بحری و ادبی ماحول کو پروان چڑھانے میں جاوید صاحب نے نمایاں خدمات  
 انجام دی ہیں۔

عمر حاضر کے تمام اہم قلم کاروں، اساتذہ اور اردو کی محفلوں سے  
 گہرہ دوستی رکھنے والوں سے ان کے مراسم ہیں۔ ڈاکٹر جاوید سے ملاقات  
 کر کے میں بے حد خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ احساس رہتا ہے کہ میں اردو  
 کے ایک قابل ترین دانشور سے مل کر اپنی مسرتوں میں اضافہ کر رہا ہوں  
 خدا میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔ ۛ



# ماہنامہ حسن سعید

(پیکر کشش دور کا بہترین دوست۔ باکمال دانشور)

زندگی کے خوشگوار اور ناخوشگوار سوڑ پر کچھ ایسے لوگ بھی گھلنے  
 طرح مل جاتے ہیں جن کی ہر سانس ایک مشرکہ جانفزا ہوتی ہے اس  
 طرح کے لوگ اپنے بچنے نہیں بلکہ دوسروں کی خوشیوں کے لئے کچھ ایسے  
 نمایاں کام کر جاتے ہیں کہ وہ لمحے یادگار بن کر رہ جاتے ہیں۔ جذباتی انسانی  
 اور دو قافلے کے بے لوثہ رشتوں کو غموں کو مٹانے والے لوگ اپنے خاص خاص  
 دوستوں کے لئے کچھ ایسے کار خیریں بھی سرورف ہو جاتے ہیں کہ جن کا وجود  
 تہذیبی رشتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ انسانی رشتوں کو بھی ایک خوشگوار ماحول سے ہمکنار  
 کر دیتا ہے۔ ویسے ہی اس طرح کے لوگ ہر ایک کے مفرد کا حصہ ہیں  
 بن سکتے۔ بہت سوں کے لیے سو فائدہ دل و نظر بن جاتے ہیں۔ اس طرح  
 کے محبت پسند، شرافت نواز، مخلص، نریز، دگوا ہیں نامور دانشور  
 صاحبِ قریطاس و قسطنطنیہ حسن سعید بھی شامل ہیں۔ جو میری زندگی کے ایک

لطیف سٹریپر میرے محسن اور میرے زبردست معاون بنے رہے۔ آج  
 بھی ہم دونوں کا رشتہ خلوص و محبت اتنی ہی تازگی کے ساتھ باقی ہے  
 جو ہماری ملاقات کے ابتدائی دنوں میں تھا۔ ہاشم حسن سعید سے میری پہلی  
 ملاقات کہاں، کس وقت ہوئی تھی کچھ یاد نہیں آ رہا ہے لیکن میری  
 زندگی میں چاہے وہ تعلیمی سلسلہ ہو کہ شاعری کا یا تہذیبی رشتوں کا مسئلہ  
 ہو۔ ۶۰-۱۹۵۹ کے دوران ہی سے شروع ہوتا ہے۔ ہاشم حسن سعید  
 جامعہ عثمانیہ کے ایک قابل ترین طالب علم ہے ہیں انہوں نے جامعہ عثمانیہ  
 میں ایم اے اردو کے طالب علم کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی ہے  
 ہاشم نہایت ذہین اور صاحب فہم و ادراک طالب علم ہے ہیں انہوں  
 نے ۱۹۶۳ میں ایچ ایم آر ڈی میں درجہ اول میں کامیابی حاصل کی مجلہ عثمانیہ  
 جامعہ عثمانیہ کے مدیر رہ چکے ہیں۔ قیام جامعہ عثمانیہ سے لے کر ۱۹۶۰  
 تک کے حالات کا احاطہ کیا ہے نامور عثمانین کی تخلیقات پر مشتمل یہ  
 جامعہ عثمانیہ نمبر ایک قیمتی دستاویز ہے جس کی بعد میں بہت سوں  
 نے خوشہ چینی کی باجیت ہی معیاری مجلہ شائع کیا۔ ان دنوں میں اور بنل اردو  
 کلج کا طالب علم تھا۔ اُس زمانے میں شعر و ادب کی محفلیں تقریباً ہر  
 کان میں زور و شور سے جاری رہا کرتی تھیں۔ ہر کلج میں کچھ ایسے  
 ذہین طالب علم بھی تھے جو اپنی تحریری و تقریری صلاحیتوں اور شہر و ادیب  
 کی حیثیت سے منظر عام پر آ رہے تھے۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ ان دنوں  
 ہاشم حسن سعید کن کن دونوں کے ساتھ معمولی اور غیر معمولی تعاون کیا کرتے

تھے لیکن اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہ جامعہ عثمانیہ میں ایم اے (اردو) کی زیر تعلیم  
 طالبات کی ہر ممکنہ مدد کرنے تھے چاہے وہ کتابوں کی شکل میں ہو کہ  
 کہ نوٹس کی شکل میں۔ ہاشم اپنے دورِ طالب علمی (ایم اے اردو) میں  
 پابست کی حیثیت سے بہت زیادہ مشہور تھے۔ ہاشم نے بہت سی  
 لڑکیوں کی ہمتیلیوں کی ٹیکروں کو پڑھا ہے وہ ان کے بہترین مستقبل  
 کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بتانے رہے کہ اعلیٰ تعلیمی حیثیت کے علاوہ  
 ان کی نئی زندگی کی بہترین شروعات کب سے ہونے والی ہے  
 لڑکیاں ان سے بڑے اعتماد کے ساتھ ملتی تھیں اور ان سے بلا تکلف  
 مدد حاصل کرتی تھیں یقیناً کچھ لڑکیاں ہاشم کی شخصیت میں دلچسپی  
 لیتی رہی ہوں۔ لیکن جذباتی ماحول کے باوجود ہاشم نیک نام ہے  
 اسی زمانے کی ایک طالبہ جو پوسٹ گریجویشن کر رہی تھی اس سے ہاشم  
 کچھ زیادہ ہی متاثر تھے اس کی ہر سلسلہ میں مدد کرنا چاہتے تھے حسن اتفاق  
 سے اسی لڑکی سے میرا شعائرہ رشتہ تھا۔ وہ لڑکی میری شاعری سے  
 بہت زیادہ متاثر تھی رفتہ رفتہ رشتہ کی عمر طویل ہوتی گئی آج بھی وہ  
 رشتہ ٹھل تازہ کی طرح ہلک رہا ہے وہ دور میری زندگی کا نہایت  
 شگفتہ، کھرا سحر اور دل و جان کو مسطر کرنے والا دور تھا وہی  
 ایک سلسلہ رسم و رہ تھا جو ہاشم اور مجھ کو ایک دوسرے کے قریب لانے  
 میں معاون رہا۔ ان دنوں مختلف عنوانات کے تحت ہاشم کے مکان  
 پر میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ہمارا اعلیٰ و ادلی مشغلہ مسلسل جاری رہا۔

ہاشم نے جب شعر کہنا شروع کیا میری شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اُس زمانے میں میں نے ہاشم کو ۲۵، ۳۰ منظوم خطوط کئے تھے وہ خطوط ہاشم کے ہاں محفوظ تھے لیکن انہوں نے ایک سال قبل ایک لائبریری اسکالر عیدالوہاب غوری افغانی کے حوالے کیے۔ جو صلاح الدین تیر جیات اور کارنامے کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اُن خطوط میں اشاروں کنالوں میں وہ تمام باتیں جگہ پائیں جو حساس مزاج انسان کے لئے مافی کے خوشگوار لمحوں کی سیر کراتی ہیں۔ ہاشم حسن سعید سے طویل ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ مختلف سلسلوں اور مختلف پہانوں سے ہاشم نے جب کانج آف لنگوئجس میں پکیر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی پھر پرنسپل پتے نو اپنی علمی و ادبی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کیا۔ کانج کی ترقی میں شب و روز مصروف رہے۔ اُس زمانے میں کانج مختلف مسائل میں گہرا مداخلت کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں ہاشم کا نام لیا جاتا رہا۔ ہاشم کانج کے لئے ناگزیر ہو گئے۔ کانج آف لنگوئجس بعض تنظیمی طریقہ کار کی وجہ سے تقریباً ۴ برس تک مشکلات کا شکار رہا۔ کانج تقریباً ۴ برس بند رہا۔ ویسے ہاشم سکریٹریٹ میں کھڑا دنوں کانج کی مختلف کارروائیوں کے سلسلے میں آیا کرتے تھے مجھ سے بھی ملاقات کے لئے ہاشم آتے۔ کانج کی کارروائی انہیں بار بار سکریٹریٹ کھینچ لاتی تھی کانج علماً ختم ہو گیا تھا لیکن ہم نے اپنی کوششوں سے اس کانج کو نئی زندگی دی اس طرح ہاشم کانج آف لنگوئجس کے معمار ہیں۔ میں سکریٹریٹ میں بہت سے شاعروں

اور ادیبوں، علی ادبی شخصیتوں کے علاوہ ادبی کارروائیوں کے سلسلے میں ہر ممکنہ مدد کرتا تھا۔ جس کی تفصیل میں نے ایک مضمون کی شکل میں اپنی کتاب "سلسلہ پھیولوں کا" (خودنوشت ۱۹۹۲ء) میں بتلایا ہے کالج آف لنگویجس کی فائیل کو شریک ریکارڈ کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے اشرورسورخ سے کام لیتے ہوئے محکمہ تعلیمات کے متعلقہ ڈپٹی سیکریٹری مسٹر کرشنا مورتی (جو میرے قریبی دوست تھے) کے مشورے و تعاون سے کالج کو دوبارہ وجود میں لانے کی کارروائی شروع کی۔ ہاشم نے ڈپٹی سیکریٹری کے مشورہ سے ایک درخواست محکمہ تعلیم کے نام دی جو فائیل ہمیں پہلے داخل دفتر کی گئی تھی اس فائیل کو مسٹر کرشنا مورتی نے ریکارڈ روم سے نکلوایا۔ اپنے بہترین نوٹ کے ساتھ محکمہ فینانس، محکمہ قانون اور جی اے ڈی کو بھیجوا یا۔ یہ کالج مسلسل کوششوں کے بعد بحال ہو گیا۔ اس زمانے میں فینانس ڈپارٹمنٹ کے متعلقہ اسٹنٹ سیکشن آفیسر میرے ایک دوست مسٹر مخدوم تھے انہوں نے بھی اس کیس میں بڑی مدد کی۔ میرے اس تعاون کے بعد ہاشم کی میری دوستی مزید مستحکم ہو گئی۔ جب میں پہلے شہر سے اپنے نئے مکان ملے پلے میں آ گیا تو سب سے پہلے میری ملاقات نامور شاعر مومن خان شوق سے ہوئی۔ پھر ہاشم حسن سعید سے جن کا مکان میرے گھر کے قریب ہی ہے۔ کبھی کبھی ہاشم سے ملاقات ہوتی تھی ان کے کالج (واقعہ جتنے نگر کا لونی) بھی جاتا رہا ہوں ملاقات کے لئے یا کسی ادبی کام کے سلسلے میں۔ ہاشم حسن سعید کالج کے پرنسپل تھے وہ شہری و ادبی محفلوں سے رُوبرُو کرتے تھے

صحابہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ ہاشم حسن سعید کے باصلاحیت  
 کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ شریعتی روڈ امسٹری صدر نشین انڈین  
 ویلفیر سوسائٹی نے انھیں اپنا رفیق کار بنالیا ہے سوسائٹی  
 ٹرسٹی نامزد کئے گئے ہیں۔ حال ہی میں شریعتی روڈ امسٹری کی سماج  
 فلاحی و تہذیبی خدمات کے اعتراف میں رشاندار پیمانے پر جوہلی ہال میں  
 گیا جس کے ہاشم کنوینر تھے۔ ہاشم شہر کی بعض علمی و ادبی انجمنوں  
 ادبیات آردو، میرا شہر میرے لوگ وغیرہ سے بھی وابستہ ہیں  
 میرا شہر میرے لوگ کے رکن عاملہ ہیں اور ماہنامہ خوشبو کا سفر  
 مشاورت میں شامل ہیں۔ شہر کی نامور شخصیتوں سے مراسم  
 بے لوث پیڑ خلوں دوست ہیں۔ میں ہاشم کو اس لئے بھلائے  
 کہ وہ میری ابتدائی شاعری اور میرے جذباتی لمحوں کے امین رہے  
 بنیادی رشتہ اور رشتہ عمل تازہ کی وساطت سے ہاشم ہیں  
 یادوں کی خوشبو محسوس کرتا رہوں گا۔ ہر شخص کی زندگی میں کچھ  
 بھی ملنے ہیں جو تاحیات سایہ کی طرح مختلف حوالوں کے ذریعہ  
 رہتے ہیں ان میں سے میرے ایک بہترین دوست ہاشم حسن سعید

# یعقوب میراں مجتہدی

(اُردو۔ انگریزی لغت کے تدوین کار، شگفتہ مزاج شخصیت)

بعض لوگ اپنی شگفتہ مزاجی، شستہ طبیعت اور باوقار لب و ہلچل سے کچھ اس طرح متاثر کرتے ہیں کہ جب کبھی اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ سداً گفتگو جاری رہے۔ دورانِ گفتگو اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ شاید اطراف و اکناف کا سارا ماحول موم گُل کی بشارت دے رہا ہو اور ہم کُل فضاؤں اور تازہ ہواؤں کے درمیان سانس لے رہے ہیں اس طرح کے لوگوں کے مسکراتے ہوئے چہروں پر صبح کی پہلی کرن زرخشاں رہتی ہے ان کا طرزِ تکلم نہ صرف پُرکشش ہوتا ہے بلکہ اس میں مٹھاس بھی ہوتی ہے جن لوگوں کی زندگی کا مقصد دوسروں کی مسرتوں میں اضافہ کرنا ہوتا ہے وہ نامِ حیات مہکتے رہتے ہیں۔ اس طرح کی نعمتوں سے فیض پانے والی شخصیتوں میں اُردو لغت کے نامور ترین و نثرین کا رجب یعقوب میراں مجتہدی بھی ہیں۔

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے خاص مقصدِ حیات سے گہری  
 وابستگی رکھتے ہوئے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اپنے مقصد کی تکمیل تک ننگ ننگ دہی اور  
 وارفتگی کے عالم میں گزار دیتے ہیں۔ میرا صاحب کی اس لغت کے  
 بارے میں اردو دنیا کے اہم مشاہیر اردو اور ماہر فن نے اپنی بہترین تائید  
 کا اظہار کیا ہے۔ اردو، انگریزی کے کئی اخباروں میں اس لغت کی افادیت  
 کے بارے میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ حیدر آباد کے میرے ایک بڑے  
 اعزازی کی بات ہے کہ یعقوب میرا صاحب نے لغت کی تاریخ میں اپنے بہترین  
 کارنامے سے اپنی ایک تاریخ بنالی ہے۔ میرا صاحب نے اس نعت کا سارا کام  
 تنہا کیا ہے۔ حیدر آباد کی اس باہر ذی علم، باوقار شخصیت سے اردو دنیا کے  
 سارے ادبی حلقے واقف ہیں۔ ملک کے کئی دانشوروں نے ان کے گھر پہنچ  
 کر ان کے کام کا معائنہ کیا اور کھل کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔ میرا  
 صاحب محکمہ نظامتِ ترجمہ میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور عمدہ کارکردگی کے  
 سبب نیک ظم رہے۔ میرا صاحب کو اردو شعروادب سے بہت دلچسپی ہے  
 شہر کے ہر معیاری علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں لیکن ادھر کچھ نہیں  
 سے اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے محفلوں میں بہت کم شرکت کر رہے ہیں۔ مجھے یہ  
 کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ وہ میرا اکثر کتابوں کی ریکم اجرائز قریب میں شریک  
 رہے ہیں۔ میرا صاحب سے میرے دوستانہ مراسم زیادہ ۲۰ برس سے ہیں  
 علمی و ادبی محفلوں کے علاوہ میں محکمہ نیمایت راج اور محکمہ نظامتِ ترجمہ کے بعض  
 مشترک کام کے سلسلے میں میرا صاحب سے ملتا رہا ہوں۔ خاص طور پر سالانہ محفل



کے سلسلے میں ہر حکم کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کے لیے محکمہ نظامت ترجمہ سے  
 ربط رکھنا ضروری رہتا ہے۔ میراں صاحب نے میری خواہش پر سکریٹریٹ کے  
 کچھ حکموں سے تعلق رکھنے والے بعض اردو داں اصحاب کی کافی مدد کی۔ کئی مرتبہ  
 پنجابیت راج ڈپارٹمنٹ کے بجٹ کے سلسلے میں مجھے محکمہ نظامت ترجمہ سے ربط  
 رکھنے کی ذمہ داری سونپی جاتی رہی اور میں بہت کم وقت میں اپنے محکمہ کے  
 تقویمات، صفحات پر مشتمل انگریزی تحریر کا اردو میں ترجمہ کرواتا تھا اور اس  
 ترجمہ کے سلسلے میں میراں صاحب کلیدی رول ادا کرتے تھے۔ یعقوب میراں  
 صاحب کی سکریٹریٹ کے تقویمات تمام اعلیٰ عہدہ داروں سے رقم و راہ نفی خاص  
 طور پر محکمہ فینانس کے عہدہ داروں سے ان کا زیادہ ربط تھا۔ بروقت اور  
 اپنے بھرپور تعاون کی وجہ سے پورے سکریٹریٹ میں میراں صاحب کا نام  
 روشن ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یعقوب میراں صاحب میرے محکمہ  
 پنجابیت راج کے کام کو ہمیشہ ترجیح دیا کرتے تھے۔ میراں صاحب احساس  
 ذمہ داری کو خدمت کے ساتھ محسوس کرنے والے آفسر کی حیثیت سے ہمیشہ  
 اعلیٰ عہدہ داروں کی نظر میں رہے۔ ان کی اعلیٰ کارکردگی کو ملحوظ رکھتے  
 ہوئے محکمہ نظامت ترجمہ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کا ایک زائد پوسٹ کا اضافہ  
 کیا گیا جنہیں اس عہدہ پر ترقی دی گئی۔ انہوں نے دوران ملازمت اپنے بعض  
 ماتحتین اور اپنے ہم منصب ساتھیوں کی بہت مدد کی اور اپنے خوشگوار  
 تعلقات برقرار رکھے۔ میراں صاحب، جید رہادی تہذیب کی نمائندگی نہ صرف  
 اپنے رکھ رکھاؤ کے ذریعہ ہی کرتے ہیں بلکہ اپنی خوش بسی سے بھی وہ مرکزِ نظر

بنے رہتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی کالی بشر وانی اُن پر خوب سمجھتی ہے۔ ان کے حلقہ احباب میں نہ صرف شاعر و ادیب ہی شامل ہیں بلکہ شہر کے بڑے بڑے علمی و ادبی اداروں اور انجمنوں کے سربراہ بھی ہیں۔ شہر کی معزز شخصیتوں سے بھی اُن کے مراسم ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ میراں صاحب شہر کے تمام ادبی حلقوں میں فطرت کی نگاہوں سے دیکھے جانے ہیں لغت کی تکمیل ان کے برسوں کا خواب تھا۔ انہوں نے اپنی ساری ادبی و تہذیبی زندگی صرف اور صرف لغت کی تدوین میں صرف کی۔ اپنی ملازمت کے دوران جو خبر بات حاصل ہوئے اُن سے فائدہ اٹھایا۔ یعقوب میراں مجتہدی کوئی ۳۹ سال دفتر نظامت ترقی حکومت آندھرا پردیش میں اردو مترجم رہے۔ اور ڈپٹی ڈائریکٹر ترقی (اردو) کی حیثیت سے جولائی ۱۹۸۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ میراں صاحب نے تقریباً سو لاکھ الفاظ کے موافی اور ان کے استعمال کر کے لیے تین لاکھ کارڈ بنائے ہیں۔ یہ لغت دس ہزار ٹائپ شدہ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس لغت کی ضخامت ۲۸۰۰ صفحات سے زائد ہو سکتی ہے۔ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ لغت میں الفاظ کا تلفظ، رومن رسم الخط میں دیا گیا ہے۔ یعقوب میراں صاحب نہ تو شاعر ہیں نہ ہی ادیب البتہ ادبی ذوق ان کی نس نس میں رچ بس گیا ہے تب ہی تو وہ شہر کے عوامی جلسوں میں موجود رہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر انہیں کسی ادبی جلسے میں یا کسی مشاعرہ میں شرکت کرنی ہو تو وہ بہ پابندی وقت شرکت کرتے ہیں آداب محفل کی پاسداری کرتے ہوئے محفل کے آغاز سے اختتام تک موجود رہتے ہیں

میراں صاحب نہایت خوش اخلاق، خوش مزاج، پُر وقار شخصیت کے حامل ہیں۔ ادبی جلسوں کے علاوہ اُن سے اردو کے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی ہے نہایت روشن خیال، کشادہ دل و دماغ رکھنے والے انسان ہیں۔ وہ کھلے ذہن اور پاک و صاف خیالات رکھتے ہیں میری شعری و ادبی سرگرمیوں سے خوش ہونے والے دوستوں میں شامل ہیں۔

جناب یعقوب میراں کا نام لغت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

# پروفیسر محمد عبدالرزاق فاروقی

(فلاحی صفت، فقیر منش، قابل استاد)

تبحر علمی کے ساتھ ساتھ، سادگی پسند بے نیازانہ طرزِ حیات اور منکسرانہ مزاج کی حامل شخصیتیں جن کا تعلق کسی بھی شعبہٴ درس و تدریس سے کیوں نہ ہو جب وہ اپنی ذمہ داریوں کو دیانت داری کے ساتھ نبھانے کا ہنر جانتی ہیں اور جن کے طلباء اپنے اساتذہ کی عالمانہ صلاحیتوں سے مکمل مستفید ہوتے ہیں تو ان کی شخصیت پسندیدگی کے ساتھ برقرار رہتی ہے اور جب ایک استاد، ایک طالب علم کی حیثیت سے مشکل ترین حالات سے گزرتے ہوئے اعلیٰ منصب پر پہنچتا ہے تو وہ یقیناً قابلِ قدر و منزلت اور لائقِ تعظیم و تکریم ہوتا ہے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس طرح کے بعض اساتذہ کا میں طالب علم رہا ہوں۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے سے اعم اور اہل ریوسٹ گز بجویشن کی تعلیم کے دوران اس طرح کے احوال و زیادت

اور جہد مسلسل سے اپنی زندگی کو اعلیٰ منزلوں تک پہنچانے والے  
 اساتذہ سے مستفید ہونا رہا ہوں جن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں  
 سے تہذیبی و شائستگی اقدار کی خوشبو مشامِ جاں کو محو کر گئی  
 رہی ہے۔ ہر طالب علم اپنی طالب علمانہ زندگی میں کئی اساتذہ سے  
 فیض حاصل کرتا رہتا ہے لیکن ان میں کچھ ہی ایسے اساتذہ ہونے  
 ہیں جن کو طالب علم تاحیات یاد رکھتے ہیں۔ میرے ایسے اساتذہ  
 میں پروفیسر محمد عبدالرزاق فاروقی بھی ہیں جو مختلف تعلیمی اداروں  
 مختلف انیسٹیٹوشنس اور کالجس میں معلم کی حیثیت سے بہترین خدمات  
 انجام دینے کے بعد آخر میں گلبرگ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے پروفیسر  
 اور صدر شعبہ کی حیثیت سے ۱۹۸۳ء میں مامور ہوئے اور اسی  
 یونیورسٹی سے اسی خدمت پر جولائی ۱۹۹۱ء تک  
 سبکدوش ہوئے۔ جہاں وہ ۸ برس تک اکیڈمک کونسل کے  
 رکن بھی رہے۔ پروفیسر فاروقی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ آئی اے ایس  
 کے امتحان کے منتظم بھی رہے۔ یونین بینک سروس کمیشن کی خدمت  
 بھی انہوں نے کئی برس تک انجام دی۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (۱۹۷۷ء)  
 نے بھی تحقیقی پراجیکٹ کے ایگسرسٹ کے طور پر ان کی خدمات حاصل کیں  
 انہیں کئی علمی و ادبی اعزازات سے نوازا گیا۔ گورنر آندھرا پردیش  
 کمود بین جوشی نے مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ جشن کے موقع پر  
 انہیں 'آزاد شناس' کے ایوارڈ، توصیفی سند اور شال سے نوازا۔

یہ تقریب جو ملی ہال باغ عامہ میں منعقد ہوئی تھی۔ کھنوں کی میزبانی میر  
 کیڈمین نے ان کی مجموعی علمی و ادبی خدمات پر امتیاز میسر کا یوارڈ  
 دیا۔ پروفیسر فاروقی نے کھنوں کے ادبی، سماجی اور سیاسی پس منظر  
 میں اودھ پنج کی ادبی خدمات پر اپنا ایک ضخیم مقالہ پیش کیا تھا  
 جس پر آپ شو سری و نیکیٹورا نیویرسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری  
 عطا کی۔ کئی ریسرچ اسکالرس کے گائیڈ رہے۔ پروفیسر صاحب کے زیرِ سرپرستی  
 ۲ ضلعانے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور دو طلباء نے ایم فل کیا  
 پی ایچ ڈی کے مقالہ جات میں ڈاکٹر حمید الدین شرفی کا مقالہ "سیاست  
 اور اس کی خدمات" سب سے اہم ہے۔ پروفیسر صاحب حیدر آباد کی  
 مشہور مدرس گاہ دارالعلوم اور اس کے بوجہ چادر کھاٹ کلچ کے  
 ذہین طالب علم رہے ہیں جس کے پرنسپل ڈاکٹر سید محمد سین قادری  
 زور تھے جہاں ڈاکٹر فاروقی صاحب کامرس کے طالب علم اور کامرس یونین  
 کے نائب صدر تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں جس وقت عبدالقادر سروری صدر  
 شیعہ اردو تھے اُس وقت کے اساتذہ میں پروفیسر سید محمد، ڈاکٹر  
 حفیظ قتیب اور حمید شطاری شامل تھے۔ پروفیسر سید محمد صاحب  
 کے اصرار پر فاروقی صاحب نے بی اے میں اردو مضمون اختیار کیے  
 طور پر لیا تھا۔ پروفیسر صاحب کا میں شاگرد رہا ہوں جو میرے اولین  
 ساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے وطن تعلفہ  
 ہمناباد ضلع بیدر کے ٹڈل اسکول میں جماعت ہفتم کا طالب علم تھا تو

اس وقت اسکول کے صدر مدرس نبی الحسن (فاضل دیوبند) مشفق نگر  
 میرے شفیع استادوں میں شامل رہے۔ تمام اساتذہ میں نبی الحسن  
 صاحب مجھے بے حد پسند تھے۔ حیدرآباد میں منشی فاضل کے اساتذہ  
 میں مولانا کلیمی کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ جو غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے  
 علی گڑھ میٹرک کے پرائیمرٹ طالب علم کی حیثیت سے جب میں امتحان  
 کی تیاری میں مصروف رہتا تھا تو مجھے پروفیسر فاروقی جیسے ذہین و فطین استاد  
 کی سرپرستی حاصل رہی۔ عابدس پر پیاس ٹائمر سے مستقل عمارت میں  
 مدھیہ پردیش کے امتحانات انٹر میڈیٹ کے لیے انسٹی ٹیوٹ قائم تھا  
 جس کے بہترین استاد محمد علی سے میں بہت متاثر رہا۔ اس طرح اورینٹل  
 اردو کالج کے قابل اساتذہ پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، پروفیسر سید محمد  
 ڈاکٹر حسینی شاید، ڈاکٹر زینت اساجہ، پروفیسر مغنی تبسم اور پروفیسر  
 حبیب ضیاء مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے جن کی تعلیمی و تہذیبی تربیت نے  
 مجھے بہت زیادہ فائدہ پہونچایا۔

اچھے استاد کبھی بھلائے نہیں جاسکتے اور ایسے وقت زیادہ یاد  
 آتے ہیں جب طالب علم اپنی عملی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرتے رہتے  
 ہیں۔ ہر ترقی کے زمانے پر اپنے شفیع اساتذہ کی یاد آ جاتی ہے ایسے  
 لمحات میں طالب علم کے دل سے اپنے استاد کے حق میں دل سے دعائیں  
 نکلتی ہیں اور وہ اپنے اساتذہ کی احسان مندی کا قرض پوری طرح  
 نہیں اٹا سکتا۔ پروفیسر عبدالرزاق فاروقی کا طریقہ درس و تدریس

پرائز ہوتا تھا۔ طلباء ان سے بے حد مطمئن رہا کرتے تھے پروفیسر صاحب سے ایک طویل عرصہ تک ملاقات نہیں ہوئی۔ برسوں بعد عثمانیہ کالج کزنول کے مشاعرہ میں ملاقات رہی۔ پروفیسر صاحب اس کالج کے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ کالج کے اس مشاعرہ میں کس نے مجھے مدعو کیا تھا۔ حیدر آباد کے خاندانہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ انہوں نے انٹر میڈیٹ کے طالب علم کی حیثیت سے ڈاکٹر زور، پروفیسر عاقل علی خان، عبدالقیوم خان باقی اور خواجہ حمید الدین شاہد کی ہمت افزائی سے ڈرامہ نگاری شروع کی۔ انہوں نے ڈرامہ نگاری سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا ڈرامہ "سیوا" ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کے لیے کئی فیچرس اور ڈرامے لکھے۔ اب وہ صرف تحقیقی مقالوں کی دنیا میں مصروف رہ کر ہیں۔ ان کی ۶۰ ویں سالگرہ کے موقع پر نذر رزاق فاروقی شائع ہوئی جس میں بعض ادیبوں اور شاعروں کی تحریریں اور تین نئی نظمیں شامل ہیں۔ میں نے بھی اپنے اردو کے خاموش خدمت گزار اسناد کو منظوم نذرانہ پیش کیا تھا جو اس میں شامل ہے انہوں نے پبلک اڈمنسٹریشن میں بھی پوسٹ گریجویشن کی تعلیم کی ہے۔ امتیاز کے ساتھ ایم ایڈ کی تکمیل کی۔ اردو کے ماہر تعلیم رائے بل بیر پر شاد بھٹناگر کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصورات، رامائن



منظوم (مصنف حکیم و میرائے وہی) شائع کی اور ڈاکٹر رادھاکش کے فلسفہ تعلیم پر انہوں نے اسی دور میں لکھا تھا جس پر کلج آف ایجوکیشن عثمانیہ یونیورسٹی نے درجہ اول میں ایم ایڈ کی ڈگری عطا کی۔ پروفیسر فاروقی نے ٹیچر ٹریننگ کالج سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اس کے بعد وہ گورنمنٹ کالج کاکناڈا میں ملازم ہوئے پھر عثمانیہ کالج کرنول سے وابستہ رہے جہاں انہوں نے ۲۰ سال خدمت انجام دی۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے ان کی کتاب ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصورات پر سات ہزار روپے کا انعام دیا۔ کلکتہ، بیٹنہ، لکھنؤ، علی گڑھ، ناگپور، مدراس اور یونیورسٹی بھی میں کئی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے ایک طویل مدت تک فاروقی صاحب سے میری کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ فاروقی صاحب کا صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے گلبرگ یونیورسٹی میں تقرر ہوا ہے۔ میں فاروقی صاحب اور ان کے ساتھ کام کرنے والے دیگر اساتذہ کے بارے میں واقف تھا۔ حیدرآباد کی بعض علمی و ادبی محفلوں میں پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو کر قی نئی۔ ایک دن کی بات ہے کہ مجھے پروفیسر صاحب کا میری شاعرانہ مضامین کے سلسلے میں خط ملا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں گلبرگ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو آپ کی شاعرانہ خدمات پر ایم فل کرنے کے لیے اجازت دینا چاہتا ہوں اللہ کے خط کا اقتباس کچھ اس طرح ہے ”اس خط کے لکھنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ

آپ کی شعری خدمات اور دیگر تہذیبی خدمات کا یہ صورت مقابلہ مجبوروں  
 نہ احاطہ کیا جائے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ پر کسی طالب علم نے یا آپ کے  
 کسی دوست نے کام کیا ہے۔ آپ اس بارے میں مجھے لکھیں میں  
 نے اس ماہ ریسرچ کے لیے چند طلباء اور طالبات کو داخلہ دیلے  
 میری یہ تجویز ہے کہ کوئی بونہار طالب علم آپ کی شعری خدمات کا  
 تفصیل سے جائزہ لے۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ اس  
 سال میں آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔ بنیر میرا یہ بھی خیال  
 ہے کہ اس کام کے نگران میرے رفیق کارڈاکٹر راہی فریشی ہوں۔ وہ  
 خود شاعر ہیں اور آپ سے خوب واقف ہیں مجھے اس ماہ کی آخری  
 تاریخ تک موضوعات کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اس لیے جواب  
 کا انتظار مجھ سے زیادہ متعلقہ اسکالروں کو ہوگا۔ (مجلد نمبر ۶۱۹۸۹)

میری شاعری پر عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری کے لیے  
 کسی طالب علم کو اجازت دی جاسکتی تھی لیکن بعض کرم فرماؤں نے  
 حسب عادت و حسب روایت سرودھری کا منظر ہر کیا۔ پروفیسر  
 عبدالرزاق فاروقی صاحب کی زیر نگرانی مگر کہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم  
 خواجہ معین الدین نے ۱۹۹۰ء میں میری شاعری پر مقالہ لکھا اور وہ  
 درجہ اول میں کامیاب ہو گئے۔ پروفیسر رزاق فاروقی کے مشفقانہ  
 عمل نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں ان کا احسان مند ہوں۔ ایم فل  
 کے مقالہ کے ایک ایسے ڈاکٹر عقیل ہاشمی بھی تھے ڈاکٹر عقیل ہاشمی

اُس وقت صدر شعبہ اُردو جامعو عثمانیہ تھے۔ پروفیسر اکبر علی بیگ  
 کی زیر نگرانی جامعو عثمانیہ کے ایک طالب علم عبدالوہاب غوری افغانی  
 نے صلاح الدین تیسر جہات اور کارنامے کے جینے عثمانی بی ایچ ڈی کے  
 لیے انٹرویو دیا تھا۔ عبدالوہاب غوری نے سخت مشکلات و  
 مخالفت کے باوجود جامعو عثمانیہ سے اپنے انٹرویو میں کامیاب حاصل  
 کی۔ ممتحن میں صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر عقیل بخشی۔ عیادت مین ڈاکٹر بیگ  
 احساس ڈاکٹر محمد عثمان کے علاوہ شریعتی لکشمی بائی۔ ڈین  
 آف فیکلٹی شامل تھیں۔ لاکھ رکاوٹوں کے باوجود عبدالوہاب غوری  
 نے اپنے انٹرویو میں کامیابی حاصل کی جن کا مقالہ اپنے سفر کی آخری  
 منزل میں داخل ہو چکا ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ ملک  
 کی تمام جامعات کے سر شعبہ کا محول رسہ کشی کے نازیبا عمل سے گزرنا  
 رہتا ہے ساری شعبی دشمنیوں کو ایسے موقعوں پر برسرِ محفل کھڑا  
 کیا جاتا ہے۔ یقیناً پروفیسر عبدالرزاق فاروقی صاحب بھی اپنی  
 درس و تدریس کی لمبی مدت میں بہت سے تلخ تجربات سے  
 گزرے ہوں گے صدر شعبہ اُردو بکیر گہ کی حیثیت سے بھی کئی  
 مسائل سے اٹھیں۔ نبرد آزما ہونا پڑا ہوگا۔ ویسے بھی دھوپ چھاؤں  
 کا موسم انسانی زندگی کے لیے ارتقا و پذیرا ہوگا۔ لیکن مظلوم  
 زندگی بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے کشمکش جہات  
 جہدِ مسلسل اور متحرک زندگی معاشرہ میں اپنے انداز سے جینے کا فن

سکھاتی ہے۔ فاروقی صاحب کی ساری زندگی جہد مسلسل کے نام  
 محنوں میں طے ہو چکی ہے علمی و ادبی ماحول میں اپنا مقام بنانے کے لیے بہت  
 زیادہ سرگرداں رہے فاروقی صاحب آج بھی علمی و ادبی مصروفیات  
 میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ بعض ادبی جلسوں میں اپنے بہترین  
 معلومات آفریں خطاب سے نوازتے رہتے ہیں۔ انھیں اپنی  
 شخصیت کی تشہیر کی کبھی بھی خواہش نہیں ہوتی۔ اپنی فطرت نہ  
 طبعیت اور اپنے فقرا نہ خانقاہی طرز حیات سے مطمئن ہیں  
 میں یہ کبھی نہیں سمجھوں گا کہ وہ نہ صرف ایک بہترین استاد کی  
 حیثیت سے ہی بلکہ ایک بامروت انسان کی طرح اپنے شاگردوں  
 کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے  
 تو جھ سے بے ساختگی کے ساتھ ملتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے  
 نوازتے ہیں۔ فاروقی صاحب اب بھی طلباء و سرپرست اسکالرس کی  
 رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ انھیں شعر و ادب کی سرگرمیوں سے  
 وابستہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں انھیں اپنے مفید مشوروں سے سرفراز  
 کرتے ہیں کہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار ذریعہ تفسیر و تخریر کرتے رہیں  
 وہ چاہتے ہیں کہ ان کے طالب علم شعری و ادبی دنیا میں نئی صلاحیتوں  
 کا بھرپور مظاہرہ کریں۔ پروفیسر صاحب کی ایسیہ محترمہ ڈاکٹر پروین  
 رخسانہ گلبرگ یونیورسٹی میں شعبہ تاتاریخ کی سینیئر پروفیسر ہیں انھیں  
 بھی علمی و ادبی مصروفیات سے خاصی دلچسپی ہے جن کی حالت میں ایک

کتاب نئی منز میں کے نام سے شائع ہوئی ہے جس کی رسم اجرا سیاست گولڈن جوبلی ہال میں جناب زاہد علی خان مدیر سیاست کے ہاتھوں سے عمل میں آئی۔ پروفیسر فاروقی کی اہلیہ ایم اے ایم ایڈ اور ہندی کی ایم اے ہیں انہوں نے تاریخ میں پی ایچ ڈی کیا ہے بی بی رضا کا وچ کلرنگ کی پرنسپل رہیں۔ جب ۱۹۸۰ء میں کلرنگ یونیورسٹی قائم ہوئی تو وہ شعبہ تاریخ سے متعلق ہوئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر پروین رخسانہ چھ کتابوں کی مصنفہ ہیں ان کے ۲ تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہیں یہ سب انگلینڈ میں ہیں ڈاکٹر پروین رخسانہ کا اہم کام مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا ٹیٹ ہندی میں ترجمہ ہے۔ پروفیسر فاروقی صاحب شریف النفس، بامروت بااخلاق انسان ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم کارشتہ مشہور درس گاہ دارالعلوم سے ہی ہے۔

فاروقی صاحب جی شخصیتوں پر لکھتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے پروفیسر صاحب پر اور۔۔۔ اس کتاب میں شامل ہونے والی تمام شخصیتوں پر سفارین لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میں اپنے دوستوں، اپنے چاہنے والوں اور اپنے محسنوں کو اپنی مخلصانہ تحریروں کے ذریعہ خراج پیش کروں۔

# سلام خوشنویس

(عالمی شہرت یافتہ قابل فخر خوشنویس، کہنے مشق شاعر)

مہر مندوں، باکالوں اور جلیل القند دانشوروں کے شہر حیدر آباد  
فرخندہ بنیاد میں ہر زمانے میں بیض ایسے صاحبانِ علم و ادب، دانشوران  
شعور و حکمت اور پارساں تہذیب و تمدن رہے ہیں جن کے نام فخر  
کے ساتھ لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن آج بھی ہمارے شہر میں کچھ ایسی  
یا صلاحیت قابلِ قدر، لائقِ ستائش، روشن دماغ، فراخ دل اور  
دیدہ ہوشور، کھٹنے والی شخصیتیں موجود ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت  
اور قابلِ رشک، ذہین رسا کی بدولت ہمارے معاشرے پر چھاٹی  
ہوئی ہیں۔ اس طرح کی ایک خوش نصیب شخصیت جناب سلام خوشنویس  
کی بھی ہے جن کا عالمی شہرت یافتہ خوشنویسوں میں شمار ہوتا ہے خاص  
طور پر سیم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات باعثِ فخر و مباهات ہے کہ سلام صاحب  
جن کا وجود اردو معاشرے کے حق میں نہ صرف قابلِ تحسین ہے۔

ہی ہے بلکہ استفادہ فکر و فن کے لیے بھی ہے۔ سلام خوشنویس صاحب  
 فن خوشنویسی کے میدان میں میر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا نام اور  
 کام زائد از ہم دہوں سے اپنی شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر جگہ گارہا  
 ہے۔ سلام صاحب کے فن کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہنچ چکی ہے  
 سلام صاحب کے حیدر آبادی ہیں ان کے والد محترم عبدالغفار رفیق ن  
 مستند استادِ شغف تھے سلام صاحب نے دارالعلوم ہائے اسکول کالی کما  
 سے ۱۹۵۱ء میں میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان چلے گئے۔ کراچی  
 میں سکونت اختیار کی۔ حیدر آباد کالونی میں سکونت پذیر تھے انھن ترقی  
 اردو کراچی سے انھیں تعلق خاطر تھا۔ سلام صاحب کے تایا مولوی محمد  
 عبدالرزاق صاحب محکمہ محاسبی میں مددگار تھے حیدر آباد میں اردو اسٹیوگرافی  
 کے ماہر تھے۔ سلام صاحب نے اپنی سے یہ فن سیکھا۔ حیدر آباد سے اردو  
 اسٹیوگرافریں کر گئے تھے۔ پاکستان میں جمیل حالی، حبیب جالبی، حمایت  
 علی شاعر، مشفق خواجہ، شوکت تھانوی، ابن انشا، عبدالحمید عدم  
 مسلم ضیائی، نظر حیدر آبادی، ماہر نقادری، ابن صفی، زید اے بخاری  
 بہزاد لکھنوی، جوش ملیح آبادی، شعبن رومانی، ساقی جاوید، سرشار صدیقی  
 عزیز کارٹونیٹ، خورشید احمد اعجاز، محمود ریاض، نسیم امروہوی، جلیل  
 احمد سرنامہ، سراج رضوی، انور عارف، ظفر نیازی، ڈاکٹر انیس زیدی  
 افضل الرحمن سے مراسم تھے مولوی عبدالحق پرنسپل اردو کالج کراچی  
 کے زیر تربیت بی اے کیا۔ میجر آفتاب حسن (حیدر آباد) بھی اُردو کالج

کراچی کے سپرنسپل تھے۔ ان کے بعد مولوی عبدالحق پرنسپل بنائے گئے۔  
 سلام صاحب پاکستان میں عبد الحمید عدم، ابن اثا، ماہر القادری  
 وغیرہ کی کتابوں کے علاوہ کئی معیاری مایناموں اور بہت روزہ کی کتابت  
 کر چکے ہیں مدیران جرائد میں ابراہیم جلیس، سانی جاوید، سرشار صدیقی  
 شوکت نغانوی، خورشید احمد اعجاز علیگ وغیرہ تھے۔ بیگم سردری  
 عرفان اللہ (دہلی) عوامی بیگ کی لیڈر تھیں۔ پوسٹرس اور میجرس کا  
 پورا کام سلام صاحب کے پاس ہوتا تھا۔ مولانا محمود علیا (حیدرآباد)  
 کی کتاب خلافت معاویہ ویزید کا پہلا ایڈیشن سلام صاحب نے لکھا  
 سراج رضوی (حیدرآباد) کی دو کتابیں آفتاب تازہ اور خونی  
 چٹانیں بھی سلام صاحب نے لکھیں۔ ۱۹۶۱ء میں جبکہ سلام صاحب  
 انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ آف صہرا پریش کی کتابت پر مامور تھے نیشنل  
 بک ڈپو کے مانگ سے اجازت حاصل کر کے ادارہ سلام خوش نویں  
 کا قیام عمل میں لایا تھا۔ یہ ادارہ نیشنل بک ڈپو کی پہلی منزل پر واقع  
 تھا اس وقت ۵۶ طلباء کو خوش نویں سکھاتے تھے جن میں ۱۷  
 طالبات تھیں۔ نیشنل بک ڈپو میں جماعت، ہفتم سے انٹر تک کی تمام  
 اردو بیڈیم کتابوں کی کتابت سلام صاحب نے کی۔ ہر کتاب پر سلام  
 صاحب کا نام ہوتا تھا۔ کیمیا و ہوکہ جیاتیات، طبعیات ہو کہ  
 معاشیات، ادبی، نیم ادبی کتابیں وہیں لکھنے ہوئے لکھیں پروفیسر  
 مفتی تبسم کا مقالہ فانی بدایونی، شاذ نمکنت کا تراشیدہ، صفی اور گل آبادی



کا پر اگندہ، خمار بارہ بجکوی کا آنشِ گل، ڈاکٹر مسعود حسین خان کی کتاب 'شعور و زبان' کے علاوہ خورشید احمد جاتی، اوج یعقوبی، قمر سحری، منوہر لال شارپ، غلطت عبدالقیوم، ابن احمد نواب راشد آذر، عزیز قیسی، علی الدین نوید، محروح سلطان پوری، اور ساحر لدھیانوی کی کتابیں لکھیں۔ ماہنامہ پیکر، ماہنامہ شکوفہ اور ماہنامہ یونگم کا کام جو اُس وقت یعقوب پر ہوتا تھا معیاری کتابت کے نمونے ہیں۔ اگرچہ سلام صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ شاگرد ایسے بھی ہیں جو اپنے استاد کا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔ جن میں حسن فرح، کلیم احمد، منبر الدین غفار قاسمی (حال مقیم کویت)، عارف خرمندیس (حال مقیم دام)، ولی الدین مرحوم، عارف الدین والی بال کھلاڑی محکمہ پوسٹ، رضوان فہیم احمد (فرزند کلیم احمد)، محمود سلیم، چاند پاشا، ساجد حسنی، ندیم حسینی، صدیقہ بیگم، سنجیدہ بیگم، زہرہ بیگم اور طاہرہ تسکین بھی شامل ہیں جن فرخ سب سے پہلے شاگرد ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شہر کا ہر سینئر شاعر یہ چاہتا ہے کہ سلام صاحب کی فنکاری کی کھکشی سے اپنے مجموعہ کلام کی مانگ بھرے لیکن شاید ایسا ممکن نہ ہو اس لیے کہ ایک تو سلام صاحب کی عدم الفرغی اور دوسری اہم بات ان کی افتادِ طبع۔ تیسری بات یہ کہ وہ ہر کس و تا کس کی عزت بڑھانا نہیں چاہتے۔ سلام صاحب کو معیاری شاعروں کے کلام کی کتابت کرنا پسند ہے میں

جائزہ ایوں کہ بعض شاعروں کی آرزو ان کے دل ہی دل میں رہ گئی اس کے  
 باوجود بعض شاعر کسی نہ کسی طرح سلام صاحب سے اپنے شعری مجموعوں  
 کی کتابت کروانے میں کامیاب رہے۔ یہ میری محرومی ہے کہ میں ان  
 کے فن سے تاحال استفادہ نہ کر سکا۔ کئی برس قبل میرے دوسرے  
 مجموعہ "کلام" زخموں کے گلاب کی اشاعت کے بعد سلام صاحب نے مجھ سے  
 کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میں آپ کا کوئی مجموعہ کلام لکھوں۔ اگر یہ  
 ممکن نہ ہو تو کم از کم سرورق پر اپنے فن کا چھوٹا سا نمونہ چھوڑ دینا چاہتا  
 ہوں۔ پھر بھی انہوں نے اپنے عزیز ترین شاگردوں کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا  
 میں رضوان اور فہیم احمد سے اپنی اور پسند و سونوں کی کتابوں کے سرورق  
 کی کتابت کروانا رہنا ہوں۔ سلام صاحب اعلیٰ درجہ کے خوشنویس ہونے  
 کے علاوہ قادر الکلام شاعر بھی ہیں شلیق ان کا تخلص ہے۔ اپنے والد محترم  
 استاد شاعر حضرت عبدالغفار رفیق سے انتہا میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔  
 سلام صاحب مشاعروں میں کلام سناتے سے گریز کرتے ہیں البتہ بزمِ جوہر  
 میں (جس کے بانی جنرل سکریٹری ممتاز شاعر آہی ہیں) کبھی کبھی کلام سناتے  
 ہیں بعض مشاعروں کی ہدایت بھی کی ہے سلام صاحب کی غزلیں کلاسیکی  
 شعری ادب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ زبان و بیان کی حسنِ کاری اور سلاست و  
 روانی کی طرح داری کے ساتھ فنی خوبیوں سے معموران کی شاعری اعلیٰ قدروں  
 اور قدیم تہذیبی روایتوں کی امین ہے سلام صاحب ایک با استعداد ادیب  
 نقاد اور مبصر و مقرر بھی ہیں۔ ہمارے حاشرہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں بہت

سے لائق و فائق لوگ رہے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں لیکن جہاں تک شخصیت کے تعین کا تعلق ہے بہت کم لوگوں کی شخصیت بنتی ہے سلام صاحب اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جن کی شخصیت بن چکی ہے۔ سلام صاحب کو شعر و ادب کے موضوع پر اظہارِ خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ انہیں تقریباً تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کی صلاحیت ہے سلام صاحب کم بولتے ہیں مگر سوچ سمجھ کر بولتے ہیں جس طرح وہ اپنی تحریروں اور شاعری میں صحیح الفاظ کا صحیح مقام پر استعمال کرتے ہیں اسی طرح دورانِ تقریر گفتگو پر احاسل دلاتے ہیں کہ وہ اپنا ایک لفظ بھی ضائع نہیں کر رہے ہیں۔ سلام صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے اور سلسلہ گفتگو جاری رہتا ہے تو مجھے اُن کی شائستہ مزاجی اور ان کی پُراثر شخصیت کا بھرپور اندازہ میسر نہیں ہے شہر کے ہر کاتبِ خیال کے دانشوروں، شاعروں ادیبوں اور علماء و مشائخین سے اُن کے مراسم ہیں۔ سلام صاحب نہایت خود راہ و مروت، روشن خیال اور کشادہ دل و دماغ رکھنے والے انسان ہیں۔ سلام صاحب اخبارِ سیاست سے بھی کچھ غرضہ تک والیتہ رہے۔ ادارہ ادبیاتِ اُردو کے شعبہ کتابت کے سربراہ رہے۔ سلام صاحب شعر و ادب کے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سامعین کو مطمئن کرتے ہیں۔ اخبارات میں سماجی، فلاحی، ادبی و تہذیبی مسائل پر ان کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں شاعرانہ رموز و نکات سے ان کی ممکن واقفیت ان کے والدِ محترم کی ذہنی تربیت کی دین ہی نہیں ہے بلکہ ان

کی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور کثرتِ مطالعہ کی بھی سرمدوں منت ہے۔ ان کے  
شاعر دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ اکثر ملاقاتوں میں میرے  
قریبی شاعر دوستوں ناصر کرنولی اور رئیس خنز کا بھی ذکر آ ہی جاتا ہے  
ڈاکٹر راہی سے انہیں اس لیے بھی قربت ہے کہ وہ اُن کے والد محترم کے  
لشکرِ درخشاں رہے ہیں۔ سلام صاحب اگرچہ شاعر و ادبی محفلوں میں  
بہت کم شرکت کرتے ہیں لیکن وہ حیدرآباد کی شعری و ادبی سرگرمیوں سے  
باجبر رہتے ہیں۔ سلام صاحب کے مزاج کی بے ساختگی، اُن کا والہانہ  
اور ان کے شگفتہ اندازِ گفتگو سے بھی میں بہت متاثر ہوں۔ سلام صاحب  
نہایت پاک و صاف ذہن و فکر کے مالک ہیں۔ ان سے ہر ملاقات کھنکھاتے  
سے مبرا رہتی ہے دوستی اور انسانی رشتوں کے رمز شناس اور قدرداں  
ہیں۔ میں سلام صاحب سے دوستی رکھنے میں بڑے خوشی و مسرت محسوس  
کرتا ہوں اور اُن کی بے لوث، پاک و صاف دوستی کا دل سے قائل  
ہوں۔ تجھے یقین ہے کہ ان کے مریضِ قلم کی تابناکی ہمیشہ باقی رہے گی۔

# وٹھل راؤ

(نامور گلوکار۔ حیدر آبادی روایات کے پیسدار)

فنِ موسیقی کے دلدادہ اور خاص طور پر غزل گانہ کی محفلوں سے  
دوستی رکھنے والے اردو تہذیب سے وابستہ حیدر آبادیوں کے سامنے  
جب بھی بین الاقوامی شہرت یافتہ گلوکاروں کا ذکر آتا ہے تو بے ساختہ  
وٹھل راؤ کا نام بھی زبان پر آ جاتا ہے۔ وٹھل راؤ گزشتہ ۵۰ برسوں  
سے شعر و نغمہ کی محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس میں کوئی  
شک نہیں کہ ان ۵۰ برسوں میں حیدر آباد کے کئی گلوکاروں نے فنِ موسیقی  
کو برتنے اور اس کو پیر و ان چڑھانے کے لیے اہم حصہ ادا کیا ہے لیکن  
آج بھی افقِ موسیقی پر وٹھل راؤ کی شخصیت اپنی پوری آب و تاب کے  
ساتھ چمک رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حیدر آباد میں سینئر گلوکاروں  
میں رؤف صاحب اور ان کے فرزند عارف رؤف کا نام بھی اہمیت

کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (جو اب ہم میں نہیں ہیں) خاص طور پر رؤف صاحب کی غزل سرائی کے کافی حیرت چھتے۔

وٹھل راؤ کو میں ۳۲، ۳۳ برسوں سے سستا آ رہا ہوں۔  
وٹھل راؤ ۵۵ سال کا عمر سے ہی شعر و موسیقی میں دلچسپی لینے لگے۔ وٹھل راؤ حیدر آباد کے ایک فعال ادارے فائن آرٹس اکیڈمی سے گہرا تعلق رہا ہے وہ کئی برسوں تک فائن آرٹس اکیڈمی سے وابستہ رہے۔ پھر انہوں نے ایک الگ موسیقی کا اسکول سنگیت سادھنا کے نام سے کھولا۔ جہاں غیر مسلم گلوکار (خواتین و حضرات) ان کے فن سے استفادہ کر رہے ہیں مسلم گلوکار بھی مستفید ہوتے ہیں۔ سنگیت سادھنا میں زیادہ تر غزل گائیکی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سنگیت سادھنا سے وابستہ گلوکاروں میں ممتاز گلوکارہ جمبیر سنگھ اور مالا سارابہ کافی مشہور ہیں۔ وٹھل راؤ کی آواز میں درد بھی ہے تاثیر بھی۔ جادو بھی ہے مٹھاس بھی ہے میں نے بعض موسیقی کی محفلوں میں دیکھا ہے کہ وٹھل راؤ صرف اور صرف غزلیں ہی سناتے رہے ہیں حالانکہ وہ ایک بہترین موسیقار بھی ہیں۔ ۵۰ برس سے گارہے ہیں لیکن ان کی آواز ابھی کئی برس کی کوئی فرق نہیں آیا۔ وٹھل راؤ نے بیرونی فالک اسٹریک، کینڈا اور جلیبی فالک وغیرہ میں بھی کام کیا ہے۔ اب ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ وٹھل راؤ کو اردو شعر و ادب سے خاص دلچسپی ہے اکثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ میں نے یہ

بھی دیکھ لے کہ وہ نوجوان گلوکاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کی  
 محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اُن کے فن کو سراہتے ہیں۔ یہ قولی و ثعلیٰ  
 راؤ اُن ۵۰ برسوں میں عوامی محفلوں سے لے کر دربارِ سلطنتِ شاہ  
 تک اُن کے فن کی شہرت ہے و ثعلیٰ راؤ نے بعض الملوں میں بھی اچھے  
 پیش کیے ہیں۔ اُن کی کافی ہونی غزلوں کے کئی کیٹ تکی چٹے ہیں  
 و ثعلیٰ راؤ بہت اچھی اردو بولتے ہیں اُن کے لب و لہجے سے یہ اندازہ  
 ہوتا ہے کہ اساتذہ سخن کا کلام اُن کے زیرِ سطرانہ رہتا ہے ممتاز  
 ادیبوں کی کتابیں بھی پڑھتے رہتے ہیں۔ و ثعلیٰ راؤ کلاسیکی شعراء  
 کے کلام کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے نامور شاعروں کا کلام بھی ساز  
 پر پیش کرتے ہیں۔ حیدر آباد کے بیشتر شاعروں کا کلام سنا کر  
 محفل موسیقی کو مسحور کر دیتے ہیں۔ حیدر آباد کے شاعروں میں خاص  
 طور پر صلیٰ اورنگ آبادی، مخدوم فی الدین، شاہد صدیقی، سلطنت شاہ  
 شجاع، سعید شہیدی، عزیز قیسی، صلاح الدین، شیر اور رئیس الخضر کی  
 غزلیں پیش کرتے ہیں و ثعلیٰ راؤ اردو غزل کے ذریعہ اردو زبان  
 کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ و ثعلیٰ راؤ ملنسار ہونے کے  
 ساتھ ساتھ بااخلاق، سیدھے سادے، پُر وقار شخصیت کے  
 مالک ہیں چاہے سرکاری محفلیں ہوں کہ غیر سرکاری وہ  
 عزت و احترام کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں حیدر آباد کی بے شمار  
 محفلوں میں اپنی غزل سرائی کا یوں مانوا چکے ہیں۔ بعض خاص خاص

مغفلوں میں بھی اپنے فن کا جادو جگاتے رہتے ہیں۔ وٹھل راؤ سے میرے  
تقریباً ۳۵ سال سے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں انہیں اس وقت سے  
جانتا ہوں جب ان کا نام موسیقی کی مغفلوں میں گلوکار ممتاز (فائن  
آرٹس اکیڈمی) کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ ممتاز اور وٹھل راؤ کی جوڑی  
حیدرآباد میں کافی مشہور تھی۔ دونوں نے مشترکہ طور پر کچھ فلموں میں  
بھی گایا ہے۔ وٹھل راؤ خالص حیدرآبادی گنگا جمنی تہذیب کے آئینہ دار  
ہیں اتنی عمدہ اردو بولتے ہیں کہ ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرحت محسوس  
ہوتی ہے اچھی طرح اردو کھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ وٹھل راؤ صاحب کی  
بعض خاتون شاگرد اردو رسم الخط سے بھی واقف ہیں۔ وٹھل راؤ صاحب  
نے نامور شاعرہ کویتا کرن کا ایک شاعرہ کی حیثیت سے مجھ سے تعارف  
کروایا جبکہ ان کے پاس غزلیں سننے کے لیے جایا کرتی تھیں۔ کویتا کرن  
کے والد ماجد ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ریٹائرڈ) اصباحی  
راؤ شاد گوہی فن موسیقی سے خاص لگاؤ ہے وہ اردو کے ایک اچھے  
شاعر بھی ہیں جن کا مجموعہ کلام "آشا کرن" کے نام سے ۱۹۹۹ء میں شائع  
ہو چکا ہے۔ کویتا کرن کے چار شعری مجموعے پہچان (۱۹۸۹ء) سوغات  
(۱۹۹۱ء) نوازش (۱۹۹۲ء) آشتا (۲۰۰۵ء) کے نام سے شائع ہو چکے  
ہیں۔ وٹھل راؤ نے کویتا کرن کو مشورہ دیا تھا کہ وہ میری نگرانی میں اپنا  
شعری سفر جاری رکھیں۔ کویتا کرن مجھ سے مشورہ سخن کرتی ہیں جہد آباد  
میں کئی خانہ لیں ایسے ہی ہیں جن کے پاس اکثر موسیقی کی مغفلیں سمیٹی ہیں۔



ان نفلوں میں دٹھل راؤ کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے اس طرح کی بیشتر محفلوں میں بھی شریک رہا ہوں۔ خاص طور پر جناب عابد علی خان صاحب اور عظمت عبدالقیوم کے گھر پر مستفادہ محفل شعر و نغمہ میں میں بھی شریک ہوتا رہا ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ دٹھل راؤ میری اکثر کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں شریک رہے ہیں دٹھل راؤ ادبی ٹرسٹ اور شنکری میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں میں لازماً شرکت کرتے ہیں شعر نشیں کے ایک حصہ میں محرزین شہر کے ہمراہ بیٹھے رہتے ہیں دٹھل راؤ سنگیت سادھنا کے ذریعہ اردو کی خاموش خدمت انجام دے رہے ہیں جو قابل تحسین ہے وہ جس کسی شاعر کی غزل گاتے ہیں تو اشعار کے معنی و مفہوم میں کھو جاتے ہیں۔ صحت لفظی کے ساتھ پیرائے سخن میں جب وہ غزل سراہتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے جیسا کہ وہ کسی محفل میں شرکت کرتے ہیں تو ان کے ساتھ منتخب غزلوں کی کئی بیاضیں لادھتی ہیں دٹھل راؤ غزل کی فضا میں لازماً شیردانی یہن کرتے ہیں۔ کالی ادنی شیردانی ان پر خوب چمکتی ہے ان کو دیکھنے اور ان سے گفتگو کے بعد ابھی شخص انہیں خبر میں ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ دٹھل راؤ کا رہن سہن، ان کا طرز فکر، حمید رہبادی گنگا جتی تہذیب و روایات کی بھرپور غمازی کرتا ہے دٹھل راؤ کو اللہ سلامت رکھے۔ ہمارے شہر کی آبرویں جو اپنی شانستہ مزاجی، شگفتہ و شستہ لب و لہجہ کی وجہ سے ہر مخاطب کو متاثر

کرتے ہیں۔

میں دھل راڈ کی دل سے قدر کرتا ہوں کہ انہوں نے ان . ۵  
 برسوں میں کبھی اپنے کو نہیں بدلا۔ حیدر آبادی روایات کو اپنے سینے  
 سے لگائے ہوئے احباب کی محفلوں میں سرشار رہا کرتے ہیں۔  
 خدا نے انہیں شہرت و عزت سے دل کھول کر نوازا ہے۔ دھل  
 راڈ کو ان کی فن کارانہ خدمات کے اعتراف میں کئی ایوارڈ مل چکے ہیں  
 ان کی موسیقی کی محفلیں آج بھی جاری ہیں۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ ٹوٹ ہی  
 خوشگوار انداز میں جاری رہے۔ اخبار سیاست نے ان کی فنکارانہ  
 عظمت کو محسوس کرتے ہوئے ہمیشہ تعاون کیا۔ ان کے پروگراموں کی  
 خبریں نمایاں طور پر شائع ہوتی رہیں۔ مختلف اوقات میں بہت  
 ہی جامع انٹرویوز بھی شائع ہوتے رہے۔ وہ مجھ سے نجی ملاقاتوں  
 میں سیاست کی سرپرستی کو ہمیشہ خراج پیش کرتے ہیں۔

# ڈاکٹر صادق نقوی

منقر دانثور، دلنواز شاعر، باوقار شخصیت

ڈاکٹر صادق نقوی میرے اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دلنواز شخصیت کے گہرے نقوش آج بھی میرے دل پر اُسی طرح مرتسم ہیں جس طرح پہلی ملاقات کے موقع پر تھے۔ شہر کے مختلف کالجوں اور جامعہ عثمانیہ کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا وہ پُراثر ماحول کون ایسا شخص ہے جو لوٹا سکے گا۔

صادق، نظام کالج کے اُن پرکشش سبک نوجوانی جانب مبذول کروانے والے ایک ایسے نوجوان طالب علم کی طرح مقبول ترین شخصیت بن گئے تھے جن سے دوستی کے یہ نظام کالج کا کیا ذکر؟ شہر کے دیگر کالجس کے طلباء بھی متغنی رہتے تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ صادق کے اطراف ذہین و شعور طلباء و طالبات کا ایک مخصوص حلقہ علمی و ادبی سرگرمیوں، خوش گیسوں اور خاص طور پر تعلیمی و تہذیبی مباحثوں

بس سرگرم عمل رہنے کے لیے۔۔۔ دکھائی دیتا تھا۔

جس وقت صادق سے میری پہلی ملاقات ہوئی اُس وقت وہ نظام کالج سے گریجویٹیشن کی تکمیل کر چکے تھے۔ صادق سے میری ایک بیابانگار ملاقات نظام کالج کے زمانہ جلسے کے موقع پر ہوئی تھی۔ اُن دنوں میں اردو کالج میں بی۔ او۔ ایل کا طالب علم تھا۔ یہ بات ۱۹۵۹ء کی ہے اُس زمانے میں شہر کے ہر کالج کے علاوہ جامعہ عثمانیہ میں طلباء کی علمی و ادبی و تہذیبی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور ہر سال ہونے والے اردو فیصلوں کی وجہ سے مختلف کالجوں کے سرگرم عمل طلباء و طالبات آپس میں اپنی دوستی کے رشتہ کو استوار کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ صادق نقوی سے پہلی ملاقات کا اثر میرے دل پر ایک خوشگوار موسم کی طرح ہے صادق نقوی اُن دنوں نہایت بزرگ و شش بجاؤب نظر شخصیت کے حامل تھے۔ سچے کالج کے ایک ہونہار طالب علم ہونے کا وجہ سے اُن کے چاہنے والوں میں بعض ایسے طلباء و طالبات بھی تھے جن میں سے اکثر و بیشتر بیرون ملک (امریکہ، کینیڈا، لندن اور غلٹی مالک) وغیرہ میں اعلیٰ سند یافتہ پروفیسرز ہیں اگرچہ کہ صادق نقوی سے میری دوستی کا تعلق نظام کالج کے زمانہ جلسے سے ہوا لیکن اس رشتہ دوستی کو پھر کے مشاہدوں نے اور مضبوط کر دیا۔

نظام کالج بھی اُن دنوں اردو شعراء ادب کی سرگرمیوں کے لئے ایک مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔

صادق نقوی ایک ذہین دانشور کی حیثیت سے بھی

ہمیشہ اساتذہ کی نظر میں رہے۔۔۔ وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں

شعبہ تاریخ کے ایک قابل ترین اساتذہ کی حیثیت سے کارگزار رہے۔

صادق ایک باصلاحیت شاعر بھی تھے۔ ایک ہجرت ادیب و

نقاد بھی ہیں۔ بہترین سفر نو ہیں ہی لیکن بیرونی قارئین بھی ان

جو ادب و تاریخ کے موضوع پر کھل کر گفتگو کر سکتے ہیں۔۔۔

صادق نقوی بھی میرے اُن بہترین دوستوں میں سے ایک

اعلیٰ مرتبت دوست ہیں۔ جن کی دوستی پر میں فخر محسوس کرتا ہوں۔

(اقتباس از پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۱ء)

پھر وہی پرچھائیاں میں تفصیلی مضمون شامل ہے۔

# ڈاکٹر مصطفیٰ کمال

معاشرہ کا بہتر روزِ مسافر - نامور صحافی - ادیب و نقاد

یہ بعض شخصیتوں میں، و صنفِ ادبی اس حد تک جذب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے  
 قریب ترین دوستوں کو بھی پوری طرح بے تکلف ہونے نہیں دیتی۔ میں یہ تو  
 نہیں کہتا کہ یہ بات ڈاکٹر مصطفیٰ کمال پر صادق آتی ہے۔ البتہ یہ وہ شخصیتیں  
 دوستی کے کسی مرحلے پر بھی فریفتہ و فاصلہ کے امتیاز سے بے نیاز رہنے بھی تو نہیں دیتیں  
 یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ دوست و صنفِ ادبی کے مفہوم کو تسکین ذات کی حد تک محدود  
 رکھتے ہوں لیکن یہ بات واضح ہے کہ طرزِ حیات میں رکھ رکھاؤ و رواداری اور نجی  
 میں بڑا فرق ہے۔ بہتری و استواری میں نمایاں حصہ ادا کرتا ہے ڈاکٹر  
 مصطفیٰ کمال کے معاملہ میں ہر وہ شخص جو بہترین دوست ہونے کا عہدہ ادا کرے  
 ہی اس خطِ فاصلہ کو عبور کر گیا ہو۔ میں ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کو اپنا بہترین قریبی  
 دوست سمجھتا ہوں لیکن ان کی و صنفِ ادبی نے مجھے بھی آج تک پوری طرح بے تکلف  
 ہونے نہیں دیا یہ بات الگ ہے کہ جب بھی ہم کچھ دوسروں کی کرم نوازیوں سے  
 انکھیں پیر کر حیات گذشتہ کے کچھ اوراق اٹھاتے ہیں تو ان اوراق پر ہمیں کچھ ایسے

نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں جو دھندلے ہوئے ہوئے بھی اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے  
 ہیں لیکن یہ کہ حالات کی گرم ہواؤں نے ہمیں ٹھکانے کی کوشش کی ہو لیکن ہمارے  
 تعلقات کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو سکے۔ چونکہ ہم نے ٹھنڈی چھاؤں بھی  
 چھلی روشنی اور تازہ تازہ خوشبوؤں کے درمیان اپنی دوستی کی بنیاد رکھی تھی ڈاکٹر  
 مصطفیٰ کمال سے کب سے وقت اور کن حالات میں دوستی ہوئی کچھ اچھی طرح یاد نہیں  
 ہے لیکن مصطفیٰ کمال کو یاد ہے کہ پروفیسر عبدالقادر سروری کے دولت کدہ حمایت نگر  
 پریم سال قبل جو ادبی و شعری محفلیں ہونی تھیں میں بھی اُن میں شریک ہو کرتا تھا  
 مصطفیٰ کمال کلاسکی اقدار کے نوجوان ہی نہیں۔ ترقی پسند روشن خیال اور عصری آہمی  
 سے باخبر بار بار ایشیا اٹلیک بھی میں جس کسی کو بھی مصطفیٰ کمال کے کردار کی بلند کا جائزہ  
 منظور ہوتا اس کے لئے ضروری ہو گا کہ پہلے وہ اُن کی اصول پسندی و شرافت  
 و پائیداری بے لوث اور بے غرضی و رابطہ کا جائزہ لے۔ مصطفیٰ کمال بنیادی طور پر  
 نیک نفس اور شریف انسان ہیں اُن سے مراکم و دوستی کے نازک فرق سے گزرتے  
 ہوئے بھی قریبی احباب یہ چاہیں گے کہ مصطفیٰ کمال ہر نفس ایک کامیاب انسان  
 کی طرح زندگی کے ہر مرحلہ کو خوش خرمی کے ساتھ طے کرتے رہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال  
 صدر شعبہ اردو و ادبیات و علوم کالج کی حیثیت سے پرفورما اور با اعتماد فضا میں اپنا  
 فرض منصبی انجام دے چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا اپنا ایک نصاب العین ایک نظریہ ہے وہ اپنے لیے  
 راستہ خود بناتے ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا یا کسی کے نقش قدم کو مٹاتے ہوئے گزرنا  
 انہیں پسند نہیں وہ اپنے راستے میں کسی کو حائل ہونے نہیں دیتے لیکن اتنے فراخ دل ہیں کہ وہ  
 اپنے ساتھ ساتھ چلنے والے کا راستہ نہیں روکتے۔ جب بھی میں ذہنی تھکن محسوس کرتا ہوں  
 تو شوگر فکس دفتر پر بے ارادہ پہنچ جاتا ہوں (طویل مضمون کا اختتام  
 "پھر وہی پرچھا بتاؤں" ۱۹۹۳ء)

# ڈاکٹر طیب انصاری

## سیما ب صفت ادیب و نقاد فعال شخصیت

زندگی کے سفر میں یوں تو بہت سے لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے لیکن یہ کبھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی ملاقات دوستی میں بدل جاتی ہے ویسے ہی دوستوں کی فہرست میں کبھی نام ایسے ہوتے ہیں جو زیادہ عرصہ تک یاد رکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ مجھے جتنے بھی اچھے دوست ملے وہ اپنی پوری شناخت کے ساتھ ملے جو میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ طیب انصاری کا میرے ان ہی دوستوں میں سے ایک ہیں جن کے مزاج کی بے ساختگی، خوش گفتاری، تیز روی نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں نے اپنے دوستوں کا جائزہ لیتے ہوئے کبھی یہ نہیں سوچا کہ معاشرہ کی ہر سطح پر کون کس مقام پر ٹھہرا ہوا ہے میں نے صرف یہ دیکھا ہے کہ اس مخصوص شخص کا مجھ سے کس طرح کا سلوک ہے یوں ہی میں نے ہر دوست کو اس کے مخصوص رویوں اور اس کے مزاج کی روشنی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

طیب انصاری جہاں ایک اچھے نثر نگار ہیں وہیں وہ ایک اچھے نقاد، محقق، مبصر و مقرر ہیں ادب کے ہر موضوع پر ماہرانہ اظہار خیال کی صلاحیت رکھتے ہیں۔



کثرت مطالعہ نے انہیں ایک مستند ادیب کی حیثیت سے ادبی دنیا میں اہم مقام عطا کیا ہے ان کی پہلی تصنیف تحریر و تنقید نے سارے ادبی حلقوں میں بلیں بچا دی تھی۔ ادبی حلقوں میں ان کی شناخت کے لیے یہ پہلی کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ طبیب انصاری جو مکہ خاں قلعہ کی نظامت سرورہ ہیں اس لیے بزرگوں کی عزت و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ مزاج میں اگر خیر بندہ سخی و عطر افش ہے گفتگو میں طنز کے نشتر بھی ملتے ہیں لیکن سنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ حیدرآباد کی تغریباً ہر انجمن کے سربراہوں سے ان کا اچھی خاصی جان پہچان ہے۔ طبیب انصاری نے اپنی ذاتی محنت اور لگن سے دیارِ شعر و ادب میں اپنی قابلیت کا لوہا متواں کیا ہے۔

مجھے اپنی زندگی میں زیادہ نثر پر خلوص دوست یاد ہے۔ جن سے روابط میرے بچے اطمینانِ قلب کا باعث ہیں۔ جب بھی کوئی شخص کا میرے دوستوں کی فہرست پر نظر ڈالے گا تو اسے بے یک نگاہ طبیب انصاری کا نام بھی نمایاں نظر آئے گا۔ ۴ (طوبیٰ معنوں سے اقتباس) پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۳ء

# پروفیسر اکبر علی بیگ

(اورینٹل اردو کالج سے جامعہ عثمانیہ تک علمی و ادبی سفر)

اورینٹل اردو کالج جامعہ عثمانیہ اور ادارہ ادبیات اردو کے علمی و ادبی ماحول میں تربیت یافتہ اردو کے استاد پروفیسر اکبر علی بیگ کا علمی و ادبی سفر کئی برسوں سے خوش گوار انداز میں جاری ہے۔ جن کی ذہنی تربیت اردو کے مستند اساتذہ کی رہنمائی میں ہوئی ہے۔ پروفیسر اکبر علی بیگ میرے استاد بھائی بھی ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ کی تعلیمی تربیت کا آغاز اورینٹل اردو کالج سے ہونے لگا۔ جامعہ عثمانیہ پر ختم ہوتا ہے اورینٹل اردو کالج میں وہ مجھ سے جوئیر تھے۔ جہاں سے انہوں نے بی۔ اے۔ ایل کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ پھر جامعہ عثمانیہ سے ہی مرزا علی لطف شحیف بختاؤر کارنامے کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھا اور پھر ڈاکٹریٹ گئے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ کے لیے سٹی کان میں کام کیا۔ پھر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ میں پکڑے۔

ریڈر اور پروفیسر ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ سنٹر  
 سکندر آباد پر صدر شعبہ اردو کی خدمت انجام دی۔ ڈاکٹر اکبر علی  
 بیگ اپنے شاگردوں کے علاوہ علمی و ادبی حلقوں میں عزت و  
 احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اکبر علی بیگ پروفیسر ابو ظہر عبدالواحد  
 ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر غلام عمر خان، پروفیسر منعی تبسم کے خاص  
 شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پروفیسر منعی تبسم نے اپنی ادارہ  
 ادبیات اردو کے اردو امتحانات اردو دانی، زبان دانی، اردو  
 عالم اور اردو فاضل کے امتحانات کا انچارج مقرر کیا۔ وہ تقریباً ۱۲۶۱  
 برس سے شعبہ امتحانات ادارہ ادبیات اردو کے محمد کی حیثیت  
 سے بہ حسن و خوبی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ  
 شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے صدر بھی کچھ پھر ان کا تبادلہ پوسٹ گریجویٹ  
 کالج جامعہ عثمانیہ (سکندر آباد) میں ہوا۔ اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت  
 سبکدوش ہوئے۔ اکبر علی بیگ صاحب اپنے شفیق استاد پروفیسر  
 منعی تبسم کا بے حد احترام کرتے ہیں ان کی زیر نگرانی وزیر سرپرستی  
 اردو کی مرقی و ترمیم کے کاموں میں اپنا زیادہ وقت لے رہے ہیں  
 اکبر علی بیگ طرز تحریر و تقریر میں مزاح کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اظہار خیال  
 کا انداز بہ اثر ہوتا ہے۔ بہت کم تناگرا لیتے ہوتے ہیں جو اپنے  
 اسامہ سے والہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ میر نے یہ محسوس کیا ہے کہ  
 ڈاکٹر غلام عمر خان اور ڈاکٹر منعی تبسم کے وہ خاص الخاص تناگروں

میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر اکبر علی بیگ، ایک خوددار اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں یونیورسٹی کے بعض اساتذہ سے ان کا ذہنی رشتہ برقرار ہے۔ ہم عصر اساتذہ میں پروفیسر محمد علی اختر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جامعات کے بعض اساتذہ سے ان کے روابط کوئی خاص نہیں ہیں رسمی مراسم کے ساتھ ان کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ عام طور پر علمی و ادبی، مذہبی تقاریب کے انعقاد میں زیادہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی وابستگی کی بناء پر سرور کائنات کنبہ ٹی ڈاکٹر صاحب کی جانب سے ہونے والے سالانہ جشن رحمت العالمین میں بہ حیثیت شاعر تھے اور رئیس خیر کو مدعو کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بچوں کی بہترین ماحول میں تعلیم دلوائی۔ انہیں ریور تعلیم سے آراستہ کیا۔ ان کا بیٹا مرزا غضنفر علی بیگ علی بیگ امریکہ سے ایم ایس کیلینیا کیا وہ گذشتہ دس برس سے امریکہ (الاباما) میں رہتا ہے ان کی بیٹی فردوس فاطمہ ڈاکٹر ہے پروفیسر اکبر علی بیگ تفریح طبع کے طور پر کبھی کبھار شعر کہتے ہیں مشاعروں میں شرکت نہیں کرتے البتہ بعض دفعہ ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقدہ محفل شعر اور بعض مخصوص محفلوں میں اپنا کلام سناتے ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے مختلف موضوعات پر منعقدہ بعض سیمینار، سمپوزیم وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ شہر اور بیرون شہر کے کئی مقامات پر انہوں نے ادبی جلسوں اور علمی و ادبی محفلوں میں حصہ

لہذا ہے۔ پروفیسر صاحب کی نشر میں ناقابل حیا رہ سکتا میں شائع ہوئی  
 جن میں کچھ نام یہ ہیں خوش نفساں، نظیر غنائی، عزیز مرزا شجیت، جت اور  
 کارنل دیوان جعفر الہوی (ندوین) دیوان علی لطف اللہ پروفیسر صاحب کے ادبی و علمی  
 صفائیں اجاگر سیارست کے علاوہ ماہنامہ رس، خوشبو کا سفر  
 اور ملک کے کچھ اور ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں معاشی  
 طور پر نہایت مطمئن ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول علمی، ادبی و تہذیبی اقدار  
 کا پوری طرح پاسداری کرتا ہے۔ ان کے افراد خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ  
 ہیں پروفیسر صاحب کی زیر نگرانی ناقابل پند رہ طلباء نے ایم فل  
 کیجئے ہیں۔ کچھ طلباء نے پی ایچ ڈی کی۔ پروفیسر اکبر علی بیگ کی  
 زیر نگرانی جامعہ عثمانیہ کے ایک ہوٹلار عالی علم عبدالوہاب غوری افغانی  
 "صلح الدین تبر حیات اور کارنامے" کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کر رہے ہیں  
 یہی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ نہایت مخلص اصول پسند  
 اور شریف النفس انسان ہیں۔ ان کا زیادہ تر وقت علمی و ادبی مصروفیات  
 میں گزر جاتا ہے اپنے دوستوں سے نہایت خلوص سے ملتے ہیں۔  
 دوستی کے قابل انسان ہیں۔ جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت  
 سے اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ طلباء میں علمی و ادبی ذوق پران  
 چمٹھار ہے۔ پروفیسر معنی تبسم کے علمی و ادبی کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے  
 ہیں۔ شہر کے اہم ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ بہترین مقرر  
 ہیں۔ بلا جھجک روانی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

پروفیسر اکبر علی بیگ۔ ادارہٴ میاں شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں میں شرکت کرنے رہے ہیں۔ انکی اہلیہ محترمہ کینز سکیمن کا بھی تعلق شعبہٴ درس و تدریس سے ہے۔ جامعات کے کئی طلباء و طالبات ڈاکٹر صاحب نے سرپرستی کی ہے ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات بہت ہی کم ہوتی ہے لیکن رشتہٴ دوستی کی بے زحار ری کے لیے ہم دونوں کی مختلف امور کے سلسلے میں فون پر بات ہوتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہٴ اردو کی حیثیت سے مثبت سرگرمیوں کو پروان چڑھانے میں دلچسپی لیتے رہے۔ جس طرح کا ماحول رہا اس طرح وہ اپنے آپ کو ڈھالتے رہے میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ڈاکٹر اکبر علی بیگ، عام طور پر علمی ادبی جلسوں سے کم کم ہی دلچسپی رکھتے ہیں سوسائٹی سے وابستگی اور ان کے طرزِ حیات کا ایک خاص انداز ہے۔ ڈاکٹر صاحب جو علمی و ادبی کام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں نہایت احساسِ ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے شعبہٴ اردو ادارہٴ ادبیاتِ اردو کے امتحانات کی روشن مثال ہے۔ سینکڑوں طلباء ادارہٴ ادبیاتِ اردو کے امتحانات میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ کامیاب، فعال، کارکردمخند امتحانات ادارہٴ ادبیاتِ اردو کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ہیں یوم محمد قلی قطب شاہ تقدیب کے سلسلے میں پروفیسر معنی تبسم (سمتہ ادارہٴ ادبیاتِ اردو) کے بہترین معاون کی حیثیت سے رہتے ہیں ادارہٴ ادبیاتِ اردو کی بعض دیگر کمیٹیوں سے بھی ان کا تعلق ہے۔

اکبر علی بیگ کی یہ خواہش رہتی ہے کہ ادارہ ادبیات اردو اپنی بہترین روایات کا علمبردار رہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پروفیسر مفتی نسیم کی زیر نگرانی ادارہ کی سرگرمیاں عروج پر ہیں ڈاکٹر اکبر علی بیگ ایک اکیڈمی کی حیثیت سے ملک کی کئی جامعات کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

اکبر علی بیگ اپنے دوستوں سے کھل کر گفتگو کرنے میں چاہے گفتگو کا موضوع علمی و ادبی ہو کہ معاشرہ کے کسی خاص پہلو سے تعلق رکھتا ہو۔ دونوں انداز میں بلا کسی ذہنی تحفظات کے اظہار خیال کا ان کا ایک صالح طرز عمل ہے ان کی گفتگو دلچسپ ہوتی ہے دوران گفتگو لطائف سُنا کر بھی محفل کو مزید خوشگوار بناتے ہیں۔ یہ ظاہر سخت گیر دکھائی دیتے ہیں لیکن ایسے ہیں نہیں۔ معقول اور معتبر انسان ہیں۔ ان کے لب و لہجہ میں بے ساختگی رہتی ہے جہاں کہیں بھی فرزندانِ ہامہ عثمانیہ کا ذکر آتا رہے گا وہاں ڈاکٹر صاحب جیسے لوگوں کا بھی تذکرہ ہوگا۔ جامہ عثمانیہ کے بہترین اساتذہ میں ڈاکٹر اکبر علی بیگ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

# ناصر کرنولی

خوش نظر، خوش گفتار اور بے نیاز شاعر

یوں تو ہر انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان گنت لوگوں سے ہوا ہو جاتی ہے۔ معاشرے میں پھیلے ہوئے انسان زندگی کے مختلف تقاضوں کے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے خود بہ خود رسم و راہ بڑھانے کو ہی چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ایسے کچھ لوگوں سے بڑھاپی نظر ہی میں اچھے لگتے ہیں ان سے دوستی کی جائے۔ ناصر کرنولی میرے ایسے ہی دوستوں میں سے ایک ہیں جنہیں پہلی بار دیکھنے کے بعد دوستی کے لیے راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ ناصر کرنولی میری پہلی ملاقات زائد از یہ برس پہلے کرنولی میں منعقدہ ایک کل ہند شاعرہ میں ہوئی تھی۔ اس مشاعرہ کا اہتمام کرنولی کی ایک ذی اثر مشہور شخصیت نواب طلعت اللہ خان نے کیا تھا۔ نواب صاحب خود شاعر تھے



انتہائی وضع دار اور شائستہ طبیعت کے مالک تھے اُس مشاعرہ میں شکیل بدایونی، صاحب  
 افغانی، مسرت جتے پوری کے علاوہ حیدر آباد سے محترمہ عظمت عبدالقیوم، بانو ظاہر  
 سعید، خیرات ندیم، قدارح الدین بیر نے بھی شرکت کی تھی۔ اُس زمانے میں  
 کرنول میں عظیم الشان پیمانے پر کل ہند مشاعرے ہو کر رہے تھے۔ ناصر کرنولی  
 سے میری دوسری ملاقات حیدر آباد کے ایک تعلیم محلے ملک پریٹ میں منعقد  
 ایک مشاعرہ میں ہوئی۔ اُس مشاعرہ میں اُس دور کے اہم شاعروں کے ساتھ  
 ساتھ ناصر کرنولی اور میں نے بھی کلام سنایا تھا ناصر کرنولی اُن دنوں جامعہ غازیہ  
 سے ایم اے کر رہے تھے۔ کالجوں کے مشاعروں میں بھی ناصر کرنولی بے حد پسند  
 کئے جاتے تھے۔ ناصر ایک بہترین دوست، بہترین مشاعرہ و نقاد کی  
 حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں نذر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں  
 ایک سنجیدہ مزاج، کثیفہ طبیعت اور پُر خلوص انسان ہیں۔ احساس  
 ذمہ داری کا بستل، وارفنگی اُن کی عمدہ خصوصیات میں شمار کی جاتی  
 ہے۔ ناصر کرنولی دیوک ور دھن کالج میں مدرس شعبہ اردو کی حیثیت سے  
 کام کرتے رہے۔ "نفس نفس" کے نام سے ان کا پہلا مجموعہ کلام ۱۹۷۹ء میں شائع  
 ہوا جسے اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈ سے نوازا۔ ناصر کرنولی بھی میرے اُن ہم خیال  
 بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جن سے گفتگو کرنے ہوئے میں تازگی محسوس کرتا  
 ہوں اور ان کی دوستی میرے احساساتِ انسانی کی رہنمائی ہے۔ چاہے وہ موسمِ خزاں ہو کہ  
 موسمِ بہار چھپن دوست ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں ناصر کرنولی بھی میرے اُن  
 اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی کی پہلی خوشبو آج بھی میرے جسم و جان  
 کو بھلا رہی ہے۔ (طویل مضمون سے اقتباس) (پھروہی پرمچائیاں ۱۹۹۳ء)

# رحمن جامی

کھرا انسان - سچا دوست - بہترین شاہر

اگر انسان کو اپنی زندگی کے اولین سفر کے دوران اس بات کا احساس ہو کہ اپنے مد مقابل اپنے ہی قبیلہ کا آدمی ہے تو ایک پُر سکون اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ رحمن جانی کا تعلق بھی ایسے ہی ایک قبیلہ سے ہے جس کے تیور، تلوار کی نیزہ دھاوا اور جس کی گفتگو پُر خلوص لب و لہجہ کی بے ساختگی اور والہانہ بین کی ضمانت دیتی ہے اور جن لوگوں کی زندگی آئینہ کی طرح شفاف ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کسی غیر مریٰ مرحلہ پر ممکن ہے کہ دھوکہ کھا جائے، لیکن دھوکہ دے نہیں سکتی اس قبیل کے سچے دوست اور سچے آدمی کم یاب ہوتے جا رہے ہیں لیکن رحمن جانی کا وجود طمانیت کا باعث ہے۔

رحمن جانی سے مہربا دوستی کی اس اس شعر و ادب کے ان راز

سب سے تعلق رکھتی ہے جس میں تخلیق کار اپنی مصنوعی اوتاد کو مسیحا سے بہترین شکل و صورت میں دکھانے کا متمنی ہوتا ہے۔

کچھ شاعر دوست جہاں رخن جاتی کو ایک کہنہ عشق شاعر، ماہر علم عروض، صاحب اسلوب ادیب، باخ نصرت نقد اور لے باک مقرر سمجھتے ہیں وہیں کچھ شاعر دوست ایسے بھی ہیں جو رخن جاتی کی انسان دوستی، اصول پسندی اور ادب نوازی کو بھی عزیز رکھتے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں نے رخن جاتی کو ان کے ہر رنگ میں پسند کیا ہے ہر وہ انسان جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو مجھے اچھا لگتا ہے اور جب کوئی ساقھی میرے اصول کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو میں دوستی کے ہر مرحلہ میر اس کا استقبال کرتا ہوں۔

جاتی بنیادی طور پر ایک ایسے شاعر ہیں جو کلاسیکی اقدار کا احترام کرتے ہیں۔ ترقی پسندانہ خیالات کو علی گامہ پہناتے ہوئے عصری آگہی کے ترجمان بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں جیتی جاگتی، چلتی پھرتی زندگی کی وہ تمام دھڑکنیں ملتی ہیں جو حیاتِ جاودا کی طرح فرحت، فزا، ہے موضوعاتی شاعری میں جاتی اپنی آپ مثال ہیں مختلف موضوعات پر انہوں نے بے شمار نظمیں کہی ہیں ہر موضوع پر اولین تاثر قبول کرنے والے شاعروں میں جاتی سمجھ زیادہ ہی رواں رواں ہیں۔ (طویل مضمون سے اقتباس) (پھر می پرچہ نمایاں ۱۹۹۳ء)

# رئیس اختر

(باکمال شاعر، مہذب شہری، معتبر انسان)

کسی سے دوستی کرنا اور نبھانا انسانی رشتوں کا ایک اہم کارنامہ سمجھتا ہوں۔ زندگی کے مختلف مراحل پر مختلف حالات سے انسان گزرتا رہتا ہے۔ دوستی کی راہوں میں کچھ ایسے موڑ بھی آتے ہیں جہاں سے با اعتماد فضاء میں سلیقہ سے گزر جانا بھی ایک غیر معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ رئیس اختر کو میں نے روابط کے ہر مرحلہ پر ایک بہترین اور با اعتماد دوست پایا ہے۔

رئیس اختر سے میری پہلی ملاقات ۴۰ برس پہلے سکریٹریٹ آفس کے میرے ایک ساتھی جناب علیم الدین کے توسط سے ہوئی تھی علیم صاحب نے یہ کہتے ہوئے تعارف کئے ابا تھا کہ رئیس اختر بہت ہی اچھے فنکار ہیں عثمانیہ یونیورسٹی کے ذہین طالب علموں میں ان کا شمار ہوتا ہے اس تعارف کے بعد رئیس اختر سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی

ان دنوں حیدرآباد اور اضلاع میں آئے دن مشاعرے ہو کر قے تھے  
 ہر فلح میں کئی ادبی انجمنیں کام کرتی تھیں۔ ”دیارِ ادیب“ کے نام سے شائع  
 بیدر میں ایک ادبی انجمن تھی جس کے صدر رئیس اختر تھے۔ اس انجمن  
 کے زیر انتظام ہر سال لازمی طور پر ایک سالانہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا  
 جس میں حیدرآباد کے نامور شعراء محمد رفیع الدین اور سچ بقول  
 کنول پریشان کنول، سلیمان اریب، خیرات ندیم، نثار تملکت، سید شہید کوٹھی  
 مدعو کیا جاتا تھا میں بھی اکثر ان مشاعروں میں مدعو رہتا۔ مشاعروں کی  
 وساطت سے ہی ہماری دوستی کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ دورانِ  
 دوستی یہ انکشاف بھی ہوا کہ رئیس اختر بیکر ایک رشتہ کی بھابی کے قریبی

رشتہ دار ہیں۔  
 بیدر میں کہنے مشفق اور زود گو شاعر ممتاز عثمان بن رشید احمد  
 رشید تھے۔ ابتدائی شاعری کے زمانہ میں رئیس اختر، رشید احمد رشید  
 سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ رئیس اختر کے توسط سے ہی میری رشید  
 صاحب سے ملاقات ہوئی۔ رئیس اختر اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے  
 تھے۔ جب ہم دونوں حیدرآباد اور اضلاع کے مشاعروں میں کامیاب ہوئے  
 کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے تو رشید صاحب بے حد خوش ہوئے تھے  
 رئیس اختر جب اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدرآباد آ گئے تو ان کی ملاقات  
 مشہور شاعر، ادیب و نقاد قمر عالمیگر سے ہوئی۔ رئیس اختر قمر عالمیگر  
 سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ قمر عالمیگر کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ سلسلہ

ٹوٹ گیا۔ ظفر عالمگیر جب تک حیدرآباد میں رہے ان کے قریبی دوستوں  
 میں رکنی اختر اور حسن خشتی تھے۔ حسن خشتی ان دنوں شکاگو (امریکہ) میں مقیم  
 ہیں جہاں وہ بنزم اردو کے صدر ہیں۔ رئیس اختر کے مشفق دوست ہیں  
 حسن خشتی اس زمانے میں ماہنامہ ”آس کاش“ نکالنا کرتے تھے رئیس اختر  
 کا کلام پابندی سے اس رسالہ میں شائع ہوتا تھا۔ ظفر عالمگیر نے بعد  
 رئیس اختر کے جناب شاہد صدیقی سے مشورۃً سخن کیا۔ شاہد صدیقی  
 کے انتقال کے بعد خورشید احمد جانی ان کے شعری سفر کے رہبر بنے۔  
 رئیس اختر میری دوستی کے ابتدائی زمانہ میں مشاعروں میں کم  
 کم ہی شریک ہوا کرتے تھے۔ میں اس بات کے لئے کوشاں رہتا  
 کہ رئیس ہر مشاعرے میں میرے ساتھ رہیں بعد رئیس اختر اور میں اکثر  
 مشاعروں میں ایک ساتھ شرکت کرتے تھے۔ رئیس اختر جہاں ایک  
 بلند پایہ شاعر ہیں وہیں ایک مخلص انجمن دوست بھی ہیں۔ رئیس اختر  
 کی وضع داری قابل رشک ہے۔ ان کی نرم گفتاری، تسک خرامی، مزاج کی  
 شائستگی، انداز گفتگو، طرز تکلم اور خاص طور پر ان کی صاف گوئی ہر  
 ملاقاتی کو بے حد متاثر کرتی ہے۔ مخلص کا اثر رئیس کی شاعرانہ حیثیت  
 بھی گہرا دکھائی دیتا ہے۔ تمبیانہ شعر تو کہتے ہی ہیں آداب محفل کی پادشاہی  
 میں بجا رئیس اختر اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ رئیس اختر کسی بھی دوست کے  
 لئے کسی وقت بھی کوئی مسئلہ نہیں بنے رہے۔ ہر حال میں طبعیت بھی  
 ان کو اپنے دوستوں میں امتیازی حیثیت سے نواز رہا ہے۔ یار بائیں گدڑی

ہیں۔ کھلا ذہن اور کشادہ دل رکھتے ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو  
رئیس اختر نے تحفظ ذہنی سے کا انہیں لیا۔ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں  
کھل کر کہہ جاتے ہیں۔

رئیس اختر سے میری دوستی مثالی ہے ہم ایک دوسرے کی  
پہچان بن گئے ہیں۔ دوستی کی اس طویل عمر میں ہم میں کسی بھی مرحلہ پر  
ٹھکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ بے لوث اور بے غرض دوستوں کی طرح  
ہم دوستانہ روابط کو مزید محکم کیے جا رہے ہیں جب کوئی تازہ غزل  
یا نظم ہوتی ہے تو ہم ایک دوسرے کو سناتے ہیں اس کے بعد مشاعروں  
میں ٹھوڑا اعتمادی کے ساتھ سناتے ہیں رئیس اختر ایک باکمال شاعر ہیں  
ان کی غزلیں اور نظمیں دلوں کو چھو لیتی ہیں۔ ان کے پڑھنے کا انداز  
متغیر ہے۔ اپنے مخصوص ترنم سے ہر شاعر بہت متاثر ہوتا ہے  
کیفیت میں ڈوب کر کلام سناتے ہیں دھیمی دھیمی لہجے میں ان کا ترنم  
سامع کو بے حد متاثر کرتا ہے۔ رئیس اختر تقریباً ہر صنف شاعری  
میں شعر کہتے ہیں لیکن غزل ان کا خاص میدان ہے ان کے مجموعہ کلام  
آئینہ دل کو ہندوستان کی مختلف اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈ سے نوازا  
مختلف ادبی اجتماعوں نے ا۔۔۔ ان کی ادبی خدمات پر اعترافات عطا  
کیے ہیں جن کی فہرست طویل ہے اشکوں کے پھول ہمارے نام سے بھی ایک  
مجموعہ کلام شائع ہوا ہے۔

مشاعروں میں رئیس اختر ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے

ت رکھتے ہیں۔ ان میں انتظامی صلاحیت بھی بدرجہ انم پائی جاتی ہے۔ متاخرے ہوں کہ ادبی اجلاس و تہذیبی پروگرام نہایت عمدگی، شگفتگی اور باوقار انداز سے اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں رئیس بہترین مقرر بھی ہیں۔ نیچے تلے جملوں سے سامعین کو متاثر کرتے ہیں۔

شہ کی تقریباً ہر اعلیٰ مرتبت شخصیت سے رئیس اختر کے خوشگوار روابط ہیں۔ رئیس کی خوش کلامی کے ساتھ ساتھ خوش لبکی نے بھی ان کی شخصیت کو پُر اثر بنا دیا ہے۔ رئیس اختر میرے اُن خوش حال دوستوں میں سے ایک ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کشادہ رہا۔ شائد یہ ان کے نام کی تاثیر ہے۔ خدا نے رئیس کو ایک اطمینان بخش زندگی عطا کی ہے ماشاء اللہ شریک حیات اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے۔ بی ایڈ اور ایم فل کی ڈگری حاصل کر چکی ہیں تندرستی کے مقدس پیشے سے وابستہ رہیں رئیس اختر کے لڑکے نہ صرف ترویت یافتہ ہیں بلکہ زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ ہیں آج کل ان کے لڑکے اکسپورٹ بزنس اور فائبر گلاس انڈسٹری میں مصروف ہیں۔ ان کی ایک ہی صاحبزادی ہیں جعفرہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ ایم اے کیا۔ حکومت آندھرا پردیش کا ET-LL امتحان کامیاب کر چکی ہیں۔ ان دنوں ممتاز شاعر امیر احمد حقوہ شاعر پیر ایم فل کے لیے مقالہ لکھنے میں مصروف ہیں۔ رئیس اختر مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے بچوں کے کاروبار کی نگرانی کیا کرتے ہیں، بچے



رئیس اختر کی دوستی پر اس لیے بھی فخر حاصل ہے کہ میں نے رئیس اختر کو اپنے خاص دوستوں کی فہرست میں صحیح مقام پر پایا ہے۔ صفا دل میں پایا ہے۔ رئیس اختر کے پاس اس وقت ۳۲، ۳۳ مجموعوں کا مواد موجود ہے۔ مجھے اس دن بے حد خوشی ہو گی جب رئیس اختر کے کچھ اور مجموعے شائع ہو جائیں گے ہاؤزنگ بورڈ میں انسپکٹر کے عہدہ پر فائز رہے دوران ملازمت رئیس اختر نے بے شمار احباب کی مدد کی ہے۔ کئی شاعروں اور ادیبوں کے مسائل اپنی شخصی دلچسپی سے حل کروائے۔ بعض شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ان کا بے لوث تعاون ناقابل فراموش ہے۔

رئیس اختر بھی حیدر آباد کے اُن مقبول شاعروں میں سے ایک ہیں جنہیں خدا نے اپنی خاص مہربانی سے ایک باوقار مقام عطا کیا ہے۔ رئیس اختر کئی کل ہند مشاعرے بڑھنے کے علاوہ جدہ (سعودی عرب) کے مشاعروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں (جہاں اُن کا کلام پسند کیا گیا) حیدر آباد کی ایک جوان سال ادب نواز شخصیت عارف قریشی نے ۳۲ ڈسمبر ۱۹۹۲ء کو جدہ میں اعلیٰ پیمانہ پر مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں حیدر آباد سے امیر احمد خسرو، رئیس اختر اور میں (صلاح الدین نیر) نے شرکت کی تھی۔ رئیس اختر کا ساتھ دوران سفر اور دوران قیام جدہ نہایت خوشگوار رہا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی رہے۔ حسن اتفاق سے جاننے وقت اور آنے وقت یعنی حیدر آباد

سے ممبئی، ممبئی سے جدہ اس طرح جدہ سے دوحہ قطر اور قطر سے ممبئی اور  
ممبئی حیدرآباد ہم پلین میں ساتھ ساتھ بیٹھے رہے جس کی وجہ سے  
ہزاروں میں کا سفر خوشگوار رہا۔ ہم نے طواف خانہ کعبہ اور  
تین مرتبہ عمرہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد بارگاہ سرور  
کائنات پر حاضری دی۔ رئیس اختر یادیہ غم وارفٹگی کے عالم  
میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہے اور میری طرح انہوں نے بھی  
ہر طواف کے دوران حجر اسود کا یوسہ لیا۔ وقت مغرب کے  
باد جود رئیس اختر کعبۃ اللہ شریف کے احاطہ سے نکلنا نہیں  
چاہتے تھے۔ یہی حال میں نے مدینہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی  
میں دیکھا کہ رئیس اختر پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی تھی  
اور وہ آشکبار تھے ۱۹۹۷ء میں بزم جدہ کے مشاعرہ میں بھی ہم  
دونوں مدعو تھے ہم نے وطن لوٹتے وقت ۳۳ مرتبہ عمرہ کیا اور دربار  
رسالت میں حاضری دی۔ میں اپنی دوستی کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں  
کہ رئیس اختر کو چاہئے دالے بہت لوگ ہیں۔ رئیس اختر کی شاعرانہ  
فیضیت کا آج کل کھل کر اعتراف کیا جا رہا ہے۔ شعری ادب میں رئیس اختر  
کا نام بھی حیدرآباد کے شاعروں کی اولین فہرست میں شامل ہے گا  
رئیس اختر کے شاعر دوستوں کی طویل فہرست میں بھی یہ  
محسوس ہوتا ہے کہ یہ نام کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے کلام الدین شیر ناصر کرکون  
راشد آرزو ڈاکٹر صادق نقوی ہاشم حسن سعید رحمن جانی مومن خان شون

ہمال سنگھ ورمہ، شفیع اقبال، اشرفی، قاضی انجم عارفی، بشیر امجد افتخار اقبال  
 ڈاکٹر راہی، بانک سنگھ نشتر، علی الدین نوید، باسط نقوی، شاعلی ادیب  
 طاہر گلشن آبادی، یوسف بیکتا، رشید جلیل وغیرہ۔ سینئر شعرائے کرام میں  
 علی احمد جلیلی، خواجہ شوق، کنول پریشاد کنول اور دیگر بزرگ شاعر و  
 کا احترام کرتے ہیں۔ جناب ایم باگاریڈی سابق ایم پی و سابق منسٹر  
 حکومت آندھرا پردیش ان کے اسکول کے ساتھی ہیں جناب وہاب  
 عندلیب صدر کرناٹک اردو اکیڈمی اور جناب ابوالفیض سحر عزیز ترین  
 دوستوں میں شامل ہیں۔ جناب راجندر راریدی سابق وزیر بھاری  
 مصنوعات اور جناب سی جگناتھ راؤ سابق ڈپٹی چیف منسٹر حکومت  
 آندھرا پردیش اور پروفیسر علی باقر (دہلی)۔ جامعہ عثمانیہ میں ہم  
 جماعت تھے پروفیسر ڈاکٹر افضل محمد سابق وائس چانسلر ڈاکٹر  
 امبیڈکر اوپن یونیورسٹی رئیس اختر کے قریب ترین دوستوں میں شامل  
 ہیں۔ رئیس اختر کو بھی کئی برسوں سے بہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ  
 آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ دور درشن کے انجن "پروگرام اورنٹ  
 ورک کل ہند" کے مشاعروں میں اپنا کام ٹھانے رہتے ہیں  
 مشہور گلوکاران کی غزلیں ساز پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کی  
 مشہور میوزیکل کمپنی (ایچ ایم وی) نے جگمیت سنگھ کی میوزک  
 اور چتر سنگھ کی آواز میں ان کی غزل کویل پی ریکارڈ میں پیش کیا  
 ہے۔ رئیس اختر آج بھی "دیبا رادب" کے صدر ہیں۔ اس انجن کے تحت

حیدر آباد میں کبھی کبھی ادبی پروگرام منعقد ہوا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رئیس اختر حیدر آباد کی مختلف ادبی تہذیبی اور مذہبی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ میرا شہر میرے لوگ اور غور شنید احمد عباتی میموریل اکیڈمی کے جنرل سکریٹری اور ابوان پرنس مخم جہ شجاع کے محقق ہیں۔ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی سے بھی ۲۵ برس سے وابستہ ہیں ادبی ٹرسٹ اور شکرز میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرے شروع سے ہی پڑھ رہے ہیں۔ رئیس اختر کے فن اور شخصیت پر سنٹرل یونیورسٹی حیدر آباد کی ایک طالبہ اسری طیبہ نے ایم فل کی ڈگری حاصل کی ہے۔ رئیس اختر باہنامہ خوشیو کا سفر کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں ان کا کلام روزنامہ سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ خوشیو کا سفر میں ان کا کلام پڑھتے کو ملتا ہے رئیس اختر بہترین ناظم ادبی اجلاس و مشاعرہ کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین بکھر سے انہیں والہانہ عقیدت رہی ۹۹۸ میں ”روح دل“ کے نام سے ان کی نعتوں کا مجموعہ کلام برآمدی تھان اردو اکیڈمی آندھرا پردیش شائع ہوا۔ رئیس اختر کو تمام علمی و ادبی حلقے ایک باکمال غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں، بہترین نعت کہنے والے شاعر کی حیثیت سے بھی پسند کرتے ہیں۔ رئیس اختر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی لہجے میں ادبی شاعری کی طرح مذہبی شاعری میں بھی ان کی الگ پہچان

مجھے نہایت خشوع و خضوع سے نعتیہ شعر کہتے ہیں نعتیہ مخفوں میں  
 بڑے اہتمام کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ فیضانِ رسول کی کھکشاں  
 ان کے دل و دماغ کو ہمکانی رہتی ہے۔

رئیس اختر گوذہی علوم و فنون سے بھی گہری وابستگی ہے  
 شہر کے علما سے کرام سے بھی ان کے اچھے مراسم ہیں۔ ان کی دینی و علمی  
 صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ رئیس اختر تلپے عمدہ  
 خصائص اور شائستہ مزاجی کی وجہ سے شہر کے تمام ادبی مراکز میں مقبول  
 ہیں۔ چالیس برس سے شعر و ادب کی دنیا میں اپنی شاعرانہ عظمتوں  
 کا احساس دلا رہے ہیں ان کے نین شہری مجموعے آئینہ دل (۱۹۷۹ء) ۱  
 اشکوں کے پھول (۱۹۹۲ء) اور روحِ دل (۱۹۹۸ء) (نعتوں کا مجموعہ) ادبی حلقوں  
 میں شہرت پناہ چکے ہیں جو تھا مجموعہ "سفینہ مدل" زیرِ ترتیب ہے۔

رشتوں کی پاسداری میں رئیس اختر میسہ و صندوقداران ہیں  
 و صندوقدار کی انتہا یہ بھی ہے کہ بہت سے خوشگوار لمحے ان کی پلکوں پر  
 نورِ کمر بن کر چمک رہے ہیں۔ یادیں رئیس اختر کی زندگی کا عظیم سرمایہ  
 ہیں۔ رقت آمیز جذبات میں ڈوبے ہوئے شعر، یادگار ہیں۔  
 ان لمحوں کے جو سلیبے کی طرح شاعر کے ہم سفر ہیں۔

# نہیال سنگھ ورما

دلوں کو جوڑنے والے اردو ہندی کے منفرد شاعر

سب  
 حیدرآباد میں ہندی کے اہم شاعروں میں آج ایک ایسا بھی نام گزرتا ہے سر نہر  
 ہے جو صلاح الدین تیر کے نام کے ساتھ یا اس نام کے ساتھ صلاح الدین تیر کا نام لگھا  
 بیروا لے گا اور وہ نام ہے نہیال سنگھ ورما کا۔ سچ پوچھیے تو حیدرآباد میں ہندی  
 اردو کو قریب لانے میں گزشتہ ۲۵،۲۰ سال سے نہیال سنگھ ورما جو  
 کارنامے انجام دے رہے ہیں وہ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب، صدیوں کی رواداری  
 و بھائی چارگی، بیروں کی سانی ہم آہنگی اور اعلیٰ اقدار کے تحفظ و ضمانت کے لیے  
 ناقابل فراموش ہیں بلکہ شہر کی ادبی و تہذیبی تاریخ میں کی روشنائی سے کچھ  
 جاتیں تھیں۔ ورما کا نام ہندی آمد و کی ہر خائستہ اور باوقار فعل میں سزا و احترام  
 کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے نہیال سنگھ ورما کو ۲۳ سال پہلے  
 انوار العلوم و میس کلچر دہلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا وہ شاذ تکنت  
 کے ہمراہ آئے تھے اس مشاعرہ میں ورما صاحب نے بھی کلام سنایا تھا نہیال سنگھ  
 ورما صاحب شعر و ادب دنیا میں قدم رکھا تو اس میدان میں مشاعروں کی نوعیت ہی

بدل گئی۔ انہوں نے اپنی دلچسپی کی وجہ سے ہندی اُردو کے شاعروں کو ایک مرکز  
 پر جمع کرنا شروع کیا۔ میں اسٹیئر فلوس اور ایک اچھے کام میں ان کا ایک غلط  
 ساتھی ثابت ہوا۔ ورماجھاں ایک مختصر شاعر ہیں وہیں بہترین نثر نگار  
 باشعور تبصرہ نگار اور بہترین مفسر بھی ہیں وہ ایک ایسے انسان ہیں جو زندگی  
 کی راحتوں و آسائشوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں کے ساتھ بھی  
 اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔ ورماکا شخصیت ہی ایسی پُرکشش ہے کہ ان سے  
 پہلی بار ملنے والے شخص دوسری ملاقات کا انتظار کیے بغیر اپنے روابط کو آخراکام  
 بنجھتا ہے کچھ ایسی ہی خوبیوں کی وجہ سے ہندی اُردو والے انہیں اپنا شاعر اپنا  
 ادیب اور اپنا دوست کہتے ہیں اور ان سے روابط اور دوستی پُر فخر محسوس کرنے  
 ہیں۔ نہپال سنگھ درما زائد از ۳۳ سال سے انوار العلوم کالج میں ہندی کے استاد ہیں  
 انہیں ہندی کے مدر شعبہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں یوں  
 تو کئی لوگ آتے اور جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کے  
 تجربات کا حاصل کبھی جاتے ہیں اچھے انسان اور اچھے دوست کا ملنا صرف  
 اس کی مہربانی پر منحصر ہے۔ ورمایک اچھے اور ایسے پُر خلوص انسان ہیں  
 جن سے مل کر ایک عام آدمی بھی اُن کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ ورمایہی  
 زندگی کی حرارت محسوس کرنے والے اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جو آنے  
 والے کل کا انتظار نہیں کرتے ہیں نہپال سنگھ ورماکا دوستی پر اس لیے  
 بھی فخر کرتا ہوں کہ ایسے بے غرضانہ بے لوث دوست قسمت والوں  
 کو ہا ملنے ہیں ۛ (طویل مضمون سے اقتباس) (پھر وہی پرچھاٹیاں ۱۹۹۳ء)

# ڈاکٹر رام پرشاد

(اُردو دوست - ہمدرد ڈاکٹر - شائستہ انسان)

حیدرآباد میں رہنے والے بطور خاص ایسے لوگ جو اُردو زبان،  
اُردو تہذیب، حیدرآبادی روایات اور شائستگی کے منظر ہوا کرتے ہیں  
وہ اپنے ماحول میں اپنی خوش مزاجی، انسانیت دوستی، مروت و رواداری  
اور اپنے بہترین طریقہ زندگی کے سبب سب کی نظروں میں رہتے ہیں  
خاص طور پر ایسے لوگ جن کے اسلاف کا تہذیبی رشتہ مثالی رہا ہے ان  
کے خوش نحو اثرات معاشرہ میں نسل در نسل پھیلتے چلے جاتے ہیں  
حیدرآباد میں اب بھی ایسے بہت سے گھر ملتے موجود ہیں جو تعلیم و  
تربیت، تہذیب و ثقافت، خوش دلی اور خوش مزاجی کے آئینہ دار  
ہیں۔ اس طرح کی مجموعی خصوصیات کی حامل شخصیتوں میں شامل  
ایک نام ڈاکٹر رام پرشاد کا بھی ہے۔ جن سے ملنے کے بعد پہلی ملاقات



ہی میں اس بات کا اندازہ ہو گا کہ یہ شخص کس علمی و تہذیبی خاندان کا  
چشم و چراغ ہے۔ حیدر آباد میں ایسے ڈاکٹر بھی ملیں گے جو سراپا خلوص و  
محبت، مروت و مثرافت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد  
ہمارے شہر کے ایک ایسے انسان دوست، محبت شناس، اعلیٰ روایتوں  
کی پیروندہ شخصیت ہیں جن سے ملاقات کے بعد ایک خوشگوار مسرت  
کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رام پرشاد لائنداد مریضوں کے لیے ایک  
ہمدرد و مہم چارہ چکے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ڈاکٹر رام پرشاد کے ہاتھ میں  
شفافے۔ مریض کی آدھی بیماری ڈاکٹر صاحب کی دلچسپ گفتگو سے ہی ختم  
ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مریضوں سے کچھ اس انداز سے گفتگو کرتے  
ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو کسی قسم کا عارضہ نہیں ہے۔ ہر مریض کو یہ  
یقین دلاتے ہیں کہ اس کا مرض بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ جب کوئی  
مریض ان کے ہاں آتا ہے تو مختلف قسم کے خیالات کے زیر اثر سہما سہما  
رہتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی تشخیص کے بعد شاداں و فرحاں اپنے  
گھم لوٹ جاتا ہے۔ بیسیوں ایسے مریض ہوں گے جن سے وہ تشخیص کی  
بہت کم فیس لیتے ہیں۔ اور ایسے بھی مریض ہوں گے جن سے وہ مشورہ کی  
فیس نہیں لیتے ہوں گے۔ خاص طور پر شاعروں، ادیبوں، فنکاروں  
کے لیے ان کی خدمات اعزازی رہتی ہیں۔ بعض فنکاروں کو اپنے پاس  
سے مفت دوائیاں دیتے ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد کے کلینک میں  
مریضوں کا اثر و ہام رہتا ہے۔ یہ ان کی مغنیہ بہت کی ایک روشن مثال ہے۔

ڈاکٹر صاحب پیر سرہن سے دلاسہ دیتے ہوئے بات کرتے ہیں اطمینان کے ساتھ تشخیص کرتے ہیں محلہ لمبے پلے میں سکونت پزیر ہیں۔ ان کے گھر کے ایک حصہ میں کلینک ہے نرسنگ ہوم بھی ہے ان محلے میں اس کے علاوہ ایک اور کلینک بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے ہر فرد کو اردو زبان اور اردو تہذیب سے دلچسپی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اردو شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے والد محترم رائے جالچھ پیر شاہ ریٹائرڈ ناظم محکمہ اطلاعات نے اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اور مولوی حبیب الرحمن جیسے محققین اردو ان کے رفقاء کے کار میں شامل تھے رائے صاحب اردو میں کئی کتابوں کے منترجم ہیں اپنی اولاد کو اہل نودنے اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ ان کے بیٹوں میں ڈاکٹر رام پیر شاہ اور موہن پیر شاہ صاحب نے اپنے اپنے شعبہ میں کافی نام کمایا ہے موہن پیر شاہ صاحب حکومت آندھرا پردیش میں ایک عہدہ دار تھے اردو ادیب ہیں آثار قدیمہ سے تعلق رکھنے والے موضوعات پر ان کے مضامین روزنامہ سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک بہت ہی اچھی کتاب جمہوریت کی حالت ہے فرخندہ بنیاد اسے تاہم سے شائع ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی پیر شاہ درزیہ (ان ٹوباگو) ہیں دو بیٹے ڈاکٹر روی کار (کینسر اسپتال اپالو اور راجش کار ڈاکٹر) (فرٹلائزر کمپنی) اور دو بیٹیاں رینو دیوی اور رتی دیوی (بیم کا گولڈ میڈلسٹ) ہیں حمزہ اوشا دیوی (ایم بیو ایسٹور راج ماٹھر ڈیٹا سٹر ڈاکٹر) (انٹرنیشنل فہار اختر) اہلیہ ہیں۔ جو

اردو کی ادیبہ ہیں۔ اس سوانح میں اپنے منہ سے حقائق سنا چکی ہیں۔  
 اخبار سب سے بہت میں ہی ان کے مفاہین شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر رام پور  
 صاحب کے والد محترم رائے جاسک پیر شاہ کوئی برسوں تک اردو مجلس  
 کے صدر شیردار رہے۔ حسن اتفاق سے ۸۰ برس تک میں اردو مجلس  
 کا مستند رہا۔ میں اس وقت بھی مستند رہا جب رائے جاسک پیر شاہ صدر  
 اردو مجلس تھے۔ ڈاکٹر رام پور شاہ کو موسیقی کا بھی شوق ہے اپنی طالب علمی  
 کے زمانے میں کالج میں ہونے والے میوزیکل پروگرام میں حصہ لیا کرتے  
 تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے دولت خانہ پر کبھی کبھی موسیقی کی محفلیں سمجھتی ہیں  
 مشاعروں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے تمام افراد ہر طرف  
 اردو میں بات کرتے ہیں۔ ویسے بھی کائنات گھرانے کے تمام لوگ اپنے  
 گھروں میں اردو ہی بولتے ہیں۔ حیدرآباد میں کائناتوں نے اردو کی  
 بڑی خدمت کی ہے کائناتوں میں کئی شاعر و ادیب رہے ہیں۔ آج  
 بھی میں ڈاکٹر صاحب انہماک پر خلوص ہمدرد دوست تو از شخصیت  
 کے حامل ہیں۔ ان کے دوستوں میں شہر کی نامتو شخصیتوں کے ساتھ  
 ساتھ عام اور اوسط درجہ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ غرور، خود پسندی،  
 جیسی بیماریاں سے بہت دور ہیں۔ نہایت سیدھے سادے شریف انسان  
 ہیں اپنے والد محترم کی تمام خوبیوں اور خصوصیات کے مظہر ہیں۔ ڈاکٹر  
 صاحب سے میرے بہت ہی اچھے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں اول میرے اہل  
 خاندان کو جب کبھی ڈاکٹر صاحب کی میزبانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے

کوئی کٹر صاحب کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اگر میں کسی جان بیکار والے  
 شخص کے لیے سفارشی خط لکھوں تو اُس کی پرہیز کرتے ہیں۔ میں  
 جب بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں اور انہیں میری آمد کی اطلاع  
 ہوتی ہے تو وہ فوری بلوا لیتے ہیں، بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے  
 روم سے باہر کھاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جہاں ایک سمنہ ادیب ہیں  
 وہیں انھیں سسر یہ نامزاجیر ادیب سے بھی دلچسپی ہے ڈاکٹر صاحب  
 زندہ دالان حیدر آباد کے برہنہ رہنے والی سالانہ کانفرنس کی لطیف گوئی  
 کی محفلوں میں اپنے پسندیدہ لطیفے لانا کر داد و تحسین حاصل کرتے ہیں  
 ان کے اکو لطیفے ان کے پیشے ڈاکٹری سے متعلق ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر  
 رام پرشاد حیدر آباد کے کاشٹھ گھر اسٹے کے ایک ایسے فرد ہیں جو حیدر آباد  
 گھٹا کسی تہذیب کا نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے منتخب دوستوں میں  
 بلآخر جنی تہذیب و تمدن بہت سے ایسے دوست ہیں جو سوسائٹی  
 کے اعلیٰ ترین پیرائے میں ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد ہمارے شہر کے ایک ایسے  
 تہذیب شہری ہیں جن کا شرافت انسانیت، رواداری اور خلوص کی  
 خواہش معاشرہ میں پوری طرح پھیل چکی ہے حیدر آباد میں انسانیت دوست  
 ڈاکٹروں کا جہاں کہیں بھی تذکرہ ہو گا وہاں ڈاکٹر رام پرشاد کا نام  
 ضرور لیا جائے گا۔ ڈاکٹر رام پرشاد ان اعلیٰ روایات کا تسلسل  
 میں جو حیدر آبادی تہذیب کو فرہٹ دینے میں ہمیشہ محکوم رہیں۔

# پروفیسر محمد علی اثر

(ماہرِ دینیات۔ ممتاز محقق و قابل استاد، مشہور شاعر)

ہماری جامعات میں کچھ ایسے اساتذہ بھی ہیں جنہیں صرف اپنے علمی و ادبی تحقیقی و تعلیمی سرگرمیوں سے ہی دلچسپی رہا کرتی ہے اور جو آئے دن اپنے ذہن کو فکر کی روشنی سے و بے تمان، علم و عرفان کو منور کر رہے رہتے ہیں جنہیں اس بات سے مطلق دلچسپی نہیں رہتی ہے کہ ان کے ساتھی اساتذہ کس رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور کس کس انداز سے اپنی تعلیمات انجام دے رہے ہیں انہیں اس بات سے بھی واسطہ نہیں رہتا کہ بعض اساتذہ جو انڈانہائی سرگرمیوں میں مصروف ہیں ان سے اپنا رشتہ رکھیں۔ بہترین اساتذہ، بہترین انسان کی طرح معاشرہ میں ایسے ایسا کام کر رہے ہیں کہ جن کی خوشبو سے سارا علمی و ادبی ماحول بہک جاتا ہے۔ انہیں اس ذمہ داری ہر انسان کو اعلیٰ منصب پر پہنچا دینا ہے۔ اپنے کام سے عشق رکھنے والے لوگ کبھی ناکام یا بدنام نہیں رہتے۔ منزلیں ان کے

حرم چومتی ہیں۔ سہ لکھ ان کی بہترین اوقات کے لیے عمر طویل کا متنی رہتا ہے  
اچھے اساتذہ کی غنیمتوں اور رفعتوں کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں  
جن کی روشنی نزدیک و دور کی ہر شے کو جہالتا رہتی ہے۔ وہ طلباء خوش  
قسمت سمجھے جاتے ہیں جنہیں قابل اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہا ہے۔  
ایسی گنجائیں موجود ہیں کہ اعلیٰ مرتبت اساتذہ کے شاگرد بھی اپنے  
استاذ کی طرح اپنے نام اور اپنے کام سے اپنی بھرپور پہچان بنا چکے ہیں۔  
اچھے اساتذہ کا اور طعنا کچھ نا علمی و ادبی کام ہی رہتا ہے ایسے اساتذہ  
جنہوں نے دل و جان سے اپنے پیشہ درس و تدریس کے تقدس کو باقی  
رکھا ہے۔ وہ اپنی بیک نامی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ اس طرح کے اساتذہ  
میں ماہر کائنات، قابل محقق، نامور شاعر، ادیب و نقاد پروفیسر محمد  
علی انصاری ہیں جو علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے جانے  
جاتے ہیں اپنے ہم خیال اساتذہ میں ہی نہیں اپنے طلباء میں بھی مقبول  
ہیں پروفیسر محمد علی انصاری کائنات کے ماہرین میں سے ایک ہیں جن کی شعرو  
ادب کے موضوع پر تاحال ۶۰ کتابیں سال ہو چکی ہیں جن کی بیشتر کتابوں  
پر ملک کی بعض اردو اکیڈمیوں کی جانب سے انعامات مل چکے ہیں۔  
حبیب آباد کی اردو اکیڈمی کی جانب سے ان کی بہت سی کتابوں پر انعامات  
مل چکے ہیں ان کی کتابوں کے مسودات پر رقی امجد بھی مل چکی ہے پروفیسر  
محمد علی انصاری نون و مینس کانچر جاسم عثمانیہ میں صدر شعبہ اردو ہیں  
میں پروفیسر محمد علی انصاری کو اُس وقت سے جانتا ہوں جب کہ وہ انوار العلوم

کے صاحبِ ہمت تھے اور ایک نئے شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت بنانے میں  
 دلچسپی رکھتے تھے طالبِ علمی کے زمانے سے ہی ان کا کلام سیاست اخبار میں  
 چھپنا شروع ہوا۔ بہت ہی عمدہ شعر کہتے ہیں ان کی دوسری تحقیقاتی  
 کتابوں کی طرح ان کے شعری مجموعے ملاقات۔ حرفِ نم دیدہ قابلِ مطالعہ  
 ہیں۔ ملائیکہ رنگ میں ڈوبا ہوا اور عصری حیثیت کی ترجمانی کرنے والا  
 ان کا کلام ذہن و فکر کے تمام درجے کھول دیتا ہے۔ ان کے سادھے کلام  
 میں آہستہ آہستہ درد نہیں۔ نہایت سلیقے سے بے اثر لب و لہجے میں شعر کہتے ہیں  
 ان کے اشعار بالراستہ ساسعین و قاریوں کے دل و دماغ میں اتر جاتے  
 ہیں پروفیسر محمد علی آثر مرثیوں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں البتہ خاص  
 خاص علمی و ادبی تقاریب میں موجود رہا کرتے ہیں۔ پروفیسر محمد علی آثر  
 کے زیرِ نگرانی ناچل ۳ طلباء نے ایم فل اور ایک طالب علم نے ڈاکٹریٹ  
 کیا ہے ان کا جامعہ عثمانیہ کے ممتاز فرزندوں میں شمار ہوتا ہے پروفیسر  
 ڈاکٹر محمد علی آثر کی ادبی خدمات پر میراثِ ارت علی پچرا انگریزی سوریہ پانڈ  
 ڈگری کالج (سری وینکیشور الونیورسٹی) نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے  
 جامعہ عثمانیہ کی ایک طالبہ حمیدہ جامعہ عثمانیہ سے محمد علی آثر بہ حیثیتِ محقق  
 کے زیرِ عنوان پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہی ہے پروفیسر محمد علی آثر  
 اپنے اساتذہ کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں اپنے بعض خاص اساتذہ  
 کے ذکر سے بے حد مسرت محسوس کرتے ہیں اور دورانِ گفتگو ان کی آنکھوں  
 میں روشنی کی ایک لہریں دوڑ جاتی ہے جس وقت وہ جامعہ عثمانیہ میں

ایم لے اردو کے طالب علم تھے تو ان کے اساتذہ میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے علاوہ پروفیسر حفیظ قنبل، ڈاکٹر حمید شطاری، پروفیسر غلام عمر خان، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر مفتی تبسم تھے۔ ڈاکٹر محمد علی انصاری طالب علمی کے زمانے میں کالج کی ادبی سرگرمیوں سے دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی ان کی شعری و شاعری تخلیق قیادت منظر عام پر آنے لگیں۔ اپنے اساتذہ کی ہر وقت مناسب حوصلہ افزائی نے ان کے قلم کی رفتار کو نیز نز کر دیلے پروفیسر انصاری نے ملک بھر کی بیشتر یونیورسٹیوں میں اپنے مقالے پیش کیے ہیں۔ نئی سیمینار، سمپوزیم میں حصہ لے چکے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کی جانب سے جامعات کی مختلف علمی کمیٹیوں سے وابستہ رہے ہیں۔ پروفیسر محمد علی انصاری کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ گولڈ میڈلسٹ ہیں اور جامعات سے تعلق رکھنے والے طلباء کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون کیا کرتے ہیں۔ ان کے کئی شاگرد معاشرہ کے مختلف مثبت شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے اور اپنے اساتذہ کی بہترین تعلیم و تربیت کی وجہ سے ارتقائی منازل طے کرتے جا رہے ہیں ڈاکٹر انصاری کو میں نے جن مشاعروں میں کلام سنا ہے وہ دیکھا ہے۔ سخت میں کلام سنا ہے۔ ان کے شاعرانہ لب و لہجہ میں شائستگی و شگفتگی نمایاں ہے۔ شاعرانہ اسلوب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہیں فن شاعری سے بھی کما حقہ واقفیت ہے اپنے اشعار میں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں اپنے دل کی بات نہایت عمدگی کے ساتھ



قلم و قسط اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور اپنی شاعری کے منت سنے رنگ  
 کے پھولوں کو گلزارِ شعر و ادب میں بکھیرتے رہتے ہیں۔ پروفیسر منشی نسیم  
 کی خاص مہربانیوں سے وہ ادارۂ ادبیاتِ اردو کے علمی و ادبی سرگرمیوں  
 میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو کے علمی و ادبی کاموں  
 میں علما حصہ لیتے ہیں اور تفویض کردہ ذمہ داریوں کو نہایت  
 سلیقے سے سرانجام دیتے ہیں۔ پروفیسر اشرف کا علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی  
 کام جاری ہے۔ ہامو عثمانیہ سے زیرِ نگرانی پروفیسر غلام عمر خان پٹا کی قیادت میں  
 یہ عنوان ”دکنی غزل کی نشوونما“ مقالہ نگار ۱۹۸۱ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری  
 حاصل کی۔ محمد علی اشرف شہر کی بعض علمی و ادبی انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں  
 ان انجمنوں کے جلسوں میں شریک رہا کرتے ہیں کم کم ہی سہی۔ انہیں  
 انجمنِ سادی کا قطعی شوق نہیں ہے۔ اپنے دوستوں اور شاگردوں کا  
 دل رکھنے کے لیے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ شعر و ادب کی محفلوں میں ہر  
 ادبی حلقے کے لیے قابلِ قبول ہیں۔ شہر کے تمام ادبی حلقے ڈاکٹر صاحب  
 کی بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں ان کی کافی عزت و توقیر  
 ہر ذمہ دار پابندِ وقت، اصول پسند ناسی ہیں۔ وقت پر جلسوں میں  
 شرکت کرنے میں اور چاہتے ہیں کہ تمام اردو حلقے وقت کی پابندی  
 کریں۔ ان کی ہیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ شہر کی اردو محفلوں میں تمام  
 حلقوں کے شاعر و ادیب ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ ان کے بعض  
 مخصوص شاگرد ہیں جن پر خاص دھیان دیتے ہیں پروفیسر محمد علی اشرف

سے جو نیر شاعر ہیں۔ میں ان کی نثری خدمات کی طرح ان کی شاعری کی بھی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔ نہایت شریف النفس، بااخلاق، ماسرورت، دیانت دار اور نفیس انسان ہیں۔ ان کے انداز گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تربیت نثر نگار ماحول میں ہوئی ہے ان کے گھرانے کا ماحول علمی و ادبی ہے ان کے اسلاف، شائستگی کا پیکر رہے ہیں ان کے پُرکھوں نے انسانی رشتوں کی پاسداری کی ہے۔ جو شخص فطری طور پر ایک اچھا انسان ہے وہ اپنے اسلاف کی قدر و منزلت کو ہمیشہ اپنے ذہن و فکر میں سموئے رکھتا ہے۔ محمد علی انٹر ایک ملنسار بہترین دوست اور باکردار انسان کی طرح اپنے حلقہٴ احباب میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اپنے سے بڑوں کا احترام، اپنے ہم عصر ساتھیوں سے بہترین دوستانہ روابط اور اپنے چھوٹوں پر نظرِ کرم ان کا ویز ہے۔ پروفیسر صاحب کے اہل خاندان فنانسنگ، شائستگی اور سلیف شکاری کے پیکر ہیں۔ زبورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہیں۔ ان کی شریک حیات راسطانہ نے حال ہی میں علیم صبا نویدی کی تعزینہ شاعری کے عنوان پر ڈاکٹر ٹیڈ کی ڈگری حاصل کی ہے ڈاکٹر جاشین کو کئی علوم و فنون سے کافی دلچسپی ہے۔ دکنی ادبیات کے تحقیقی کاموں کے لیے زیادہ وقت دیتے ہیں انھیں دکنی ادبیات پر کافی ہمارت حاصل ہے۔ ہندوستان کی ہمیں پاکستان اور بنگلہ دیش کے علمی و ادبی حلقوں اور جامعات کے اساتذہ اور طلباء و طالبات ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ ایک نامور

فرمودہ جاوے تا نہ نے اپنے علمی و ادبی کارناموں سے حیدر آباد کا نام روشن  
کیلیے۔ وہ لوگ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے جنہوں نے اپنے کارناموں  
سے اپنے جذب معاشرہ کو وہ سب کچھ دیا ہے جن پر موجودہ صاحبان  
فکر و خیال اور آنے والی نسلیں فخر محسوس کرتی رہیں گی۔ پروفیسر محمد علی  
آثر ایک خاموش طبع، منکسر المزاج انسان ہیں انہیں کبھی بھی غیر ضروری  
مسائل سے دخیل نہیں رہی۔ ان کی ہر تحریر اہل علم کے لیے سند کا درجہ  
رکھتی ہے۔ ان کی کتابوں میں جو کچھ پڑھنے کو ملے گا وہ مصدقہ معلوما  
کا حاصل رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے بالخصوص تحقیق کے معاملے میں کبھی  
قیاس آرائی سے کام نہیں لیا۔ اپنی مہربان دلائل کے ساتھ، سلیقے  
کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی شخصیت  
خدمت کی وجہ سے ہی نہیں ان کی ذاتی سترافت، ان کے خلوص اور اہل کے  
مزاج کی شائستگی اور ان کے شریفانہ سلجھے موئے لب و لہجے سے بھی متاثر  
ہوں۔ تمام علمی و ادبی حلقوں کی طرح میری بھی یہ خواہش رہے گی پروفیسر  
محمد علی آثر اپنے بہترین علمی و ادبی کارناموں سے وابستگانِ علم و تحقیق  
کو بہکاتے رہیں۔ نا حال ڈاکٹر محمد علی آثر کی ۲۶ کتابیں مشاع  
ہو چکی ہیں

# پروفیسر نور الدین

(شریف الطبع، محنتی انسان۔ معتبر استادِ اُردو)

ان دنوں جہاں ہمارے بعض دانش کدوں، درس گاہوں، مدرسوں اور جماعت کی وقعت گھٹانے، اُن کی قدر و منزلت کو کم کرنے والے اساتذہ موجود ہیں وہیں اُن کی عظمتوں، رفعتوں اور اُن کے وقار کو برقرار رکھنے والے اساتذہ کی بھی کمی نہیں ہے آئے دن اس طرح کا یہ منظرِ بھارت نوازوں اور بعیرت پسندوں کے لئے ایک اہم سوالیہ نشان بنتا جا رہا ہے۔ آج کے اس بے اعتنائی، کم نگاہی، کوتاہ ذہنی اور کم سوادوں کے یہ عیشِ سامانی سے مانوس و آلودہ دور میں اچھے اساتذہ کا شمار بہت مشکل ہو گیا ہے۔ دل و جان سے اس مقدس پیشے کی اہم داری، دیانت داری کے ساتھ خدمت کرنے والے علقا ہوتے جا رہے ہیں۔ آج جاری بعض برس گاہوں، تعلیمی و تہذیبی اداروں پر ضرب کاری لگائی

چاہی ہے۔ ذہنی ترقی کے لیے دالے فرض شناس جو صرف اساتذہ ہی سارا وقت  
 مصلحتوں اور آپسی پختہ و راتہ کشی کی نامناسب و نازیبا سرگرمیوں  
 میں ملوث ہیں۔ اساتذہ کی آپسی رنجشوں نے ہماری دالے گاہوں کو  
 کافی نقصان پہنچایا ہے۔ شکر ہے کہ اس لیے یقینی کے دور میں بھی کچھ  
 فرض شناس اساتذہ اپنے پیٹھ سے دیانت داری کے ساتھ وابستہ ہیں  
 جن میں سے ایک معتبر نام پروفیسر انور الدین کا بھی ہے۔ پروفیسر انور الدین  
 اپنے پیشہ سے ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ اپنا گہرا رشتہ رکھنے کے  
 سبب علمی و ادبی فیلوں میں بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ پروفیسر  
 انور الدین سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد میں یہ حیثیت پروفیسر اردو کو برسرِ  
 پا ہے۔ پروفیسر صاحب آئی یونیورسٹی کے اہل علم بھی رہے۔ یہ پروفیسر مفتی نسیم  
 کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ پروفیسر انور الدین نے انوارِ اسلام  
 ایوننگ کانسلٹی لے اور جاسو عثمانیہ ایم اے اور ایم فل کیا۔ پروفیسر مفتی نسیم  
 کی زیر نگرانی عالمی امن تحریک اور اردو ادب کے موضوع پر مقالہ لکھا  
 پی ایچ ڈی کی ڈگری سنٹرل یونیورسٹی سے حاصل کی۔ پروفیسر گیان چند جین کی  
 کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ پی ایچ ڈی میں ان کے مقالے کا عنوان  
 جہادِ باہر کے اردو تعلیمی و ادبی رسائل کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ تھا۔ ڈاکٹر  
 انور الدین کا اسی یونیورسٹی میں یہ حیثیت پروفیسر اردو تقرر ہوا۔ پھر ریٹائر ہوئے اور  
 آئی یونیورسٹی میں ہدر شیخ اردو بھی رہے۔ ڈاکٹر انور الدین کو ایک اعزاز یہ بھی  
 دیا گیا کہ وہ شعبہ اردو سنٹرل یونیورسٹی کے پہلے پی ایچ ڈی ہیں

ڈاکٹر الزالدین سے میری ملاقات اکثر علمی و ادبی مجلسوں میں ہو کر تھی۔ یہ نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ایک شریف النفس، شائستہ و شگفتہ مزاج انسان ہیں۔ ان کا اندازِ خطاب نہ صرف دلپذیر ہوتا ہے بلکہ پُر اثر بھی رہتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں میں اپنی شرافت و خلوص، محبت و مروت کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک ہی پیشہ سے تعلق رکھنے والوں میں آپسی اختلافات اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہ مستعدی مرض نہ صرف مدرسوں اور جامعات ہی میں پھیل چکا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس طرح کے حالات سے ہمیں گذرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر الزالدین نے اپنے تعلیمی تدریسی سفر میں خوش خرائی کے ساتھ ساتھ میانہ روی کو بھی ترجیح دیا نہ تو وہ سست گام رہے اور نہ ہی تیز گام رہے بلکہ انہوں نے اپنی اعتدال پسندی کے سبب مقبولیت و شہرت حاصل کی ہے۔ جس کسی بھی شخص کا دل و دماغ، شفاف آئینہ کی طرح پاک و صاف رہتا ہے وہ اپنی ادبی و تہذیبی سفر کو راستوں کے مختلف بیچ و خم کی پیروی کیے بغیر جاری رکھتا ہے۔

پروفیسر الزالدین میں یہ وصف اُن کے مزاج اور اُن کی طبیعت میں لہجہ بس گیا ہے۔ پروفیسر الزالدین اپنے ساتھ اساتذہ اور طلباء میں یکساں مقبول ہیں۔ نہایت شائستہ و سلیکھ ہوئے انسان ہیں۔ طلباء کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں۔ احساسِ ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اس بات کے لئے بھی کوشاں رہتے ہیں کہ ان کی خدمت و دس دند رسی سے اپنی یونیورسٹی کا نام روشن کر رہے ہیں حتیٰ الامکان اس بات کی بھی

رشتہ کر رہے ہیں کہ ان کی جامعہ کا علمی و ادبی ماحول ملک کی دیگر جامعات  
 کے مقابلے میں زیادہ خوشگوار رہے۔ طلباء کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے  
 مختلف اوقات میں شعبہ اردو کی جانب سے سیمپوزیم، سیمینار، سوجی لکچر اور  
 ادبی تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ملک کی مختلف جامعات کے اساتذہ  
 اور نامور دانشوروں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین کی ہیں  
 اس لیے بھی قدر کرتا ہوں کہ وہ نہایت منکسر المزاج، بااخلاق اور غیر خلوص  
 انسان ہی نہیں بلکہ ایک فعال شخصیت کے بھی مالک ہیں۔ انہوں نے جبکہ آہا  
 کے بہت سے شاعروں اور ادیبوں کی علمی و ادبی خدمات پر ریسرچ کروایا  
 اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ وہ اپنے طلباء کے تحقیقی مقالوں کے لیے کچھ ایسے  
 موضوعات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جن پر تحقیق کی کافی گنجائش رہتی ہے  
 ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہر اچھی بات  
 اور ہر اچھے مشورہ کو قبول کرتے ہیں چاہے وہ کسی بھی جانب سے اُن تک  
 پہنچے۔ انہیں اس بات کا بھی اندازہ رہتا ہے کہ اُن سے ملنے والا کس  
 حد تک غیر خلوص ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت سے طلباء و طالبات کی  
 رہنمائی کی اور اُن کا یہ سرپرستانہ انداز جاری ہے۔ عموماً ان میں طلباء کے  
 لیے ایم اے کے بعد ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ کا مرحلہ نہایت  
 اہم رہتا ہے۔ قابل طلباء یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایم۔ فل اور پی  
 ایچ۔ ڈی کے انٹرویو میں کامیاب ہو جائیں گے انہیں اس بات کی  
 فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں پچھلے دروازہ سے داخل ہونے

والا کوئی امیدوار ان کا حق نہ چھین لے۔ اس طرح کے بے اطمینانی و  
 بے یقینی کے لمحات سے ہر طالب علم گزرتا ہے جب وہ کسی انٹرویو کے  
 لیے جاتا ہے۔ اس طرح کا ایک واقعہ میں اس لیے بیان کرنا چاہتا  
 ہوں کہ بہت سے مواقع پر قابل طلباء و طالبات بھی فکر مند رہتے ہیں۔  
 ایک سال پہلے کی بات ہے کہ پروفیسر محمد علی اختر کے حوالے سے دو طالبات  
 اسرہی طیبہ اور عالیہ کنیسیم میرے گھر آئیں۔ انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ  
 میں ایم۔ فل کے لیے حیدرآباد کے ایسے مشہور و معروف شاعروں کی  
 نشاندہی کروں جن پر تحقیق کے لیے مواد آسانی سے اکٹھا کیا جاسکتا ہے  
 انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ شاید وہ انٹرویو میں کامیاب نہ ہو سکیں۔  
 وہ شہر کی ادبی سیاست سے واقف تھیں (انہیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ  
 ان کے دیئے ہوئے موضوع کو اربابِ مجاز قبول کریں گے۔ میں نے نماز  
 شہر اور رئیس اختر اور ڈاکٹر صادق نقوی پر مقالہ لکھنے کا مشورہ دیا تھا  
 اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ دو ایسے مستند شاعر ہیں جن کی شاعرانہ خدمات  
 پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور یقین دلایا تھا کہ ان شہر کے مقالے کے  
 سلسلے میں بھرپور تعاون کروں گا۔ یہ سڑکیاں بہت خوش ہوئیں۔  
 انہوں نے مجھ سے کہا کہ انٹرویو کل ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ میں  
 صلاحیت ہے تو آپ کو داخلہ مل جائے گا کیوں کہ وہاں میرٹ کی بنیاد  
 پر داخلے ہوتے ہیں چنانچہ دونوں کو داخلہ مل گیا وہ بے حد خوش ہوئیں  
 ڈاکٹر انور الدین سے جب کبھی فون پر گفتگو ہوتی ہے یا کہیں



ہوتی ہے نوجو خوش ہوتا ہے۔ اس طرح کے اساتذہ اگر تمام جامعات میں رہیں تو جامعات کا ماحول کبھی آلودہ نہیں ہو سکتا۔ اور طلباء کا تعلیمی سفر نہایت سکون کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ اگر اساتذہ کے آپس میں بہترین مراسم رہیں تو دانش گاہوں کا ماحول یکسر بدل جائے گا۔ ڈاکٹر انور الدین جب کبھی مجھ سے ملتے ہیں تو اپنی پوری شرافت، محبت و خلوص کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ علمی و ادبی مصروفیات میں ان کا زیادہ وقت گزرتا ہے۔ ملک کی مختلف جامعات کے تحت بیونس ولسیاریو سمیزیم اور ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ ریسرچ اسکالرس اور اساتذہ کے انتخاب کے سلسلے میں انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین کی تاحل دو کتابیں زیر عنوان "فکر و نظر" اور "جہاد آباد کن کے علمی و ادبی رسائل" شائع ہو چکی ہیں۔ "فکر و نظر" کو اردو اکیڈمی آف بھارت نے انعام سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین شعبہ اردو سنٹرل یونیورسٹی کے ترجمان تحقیقی مجلہ کے جوائنٹ ایڈیٹر اردو رہ چکے ہیں اور "مجلہ" کے مدیر بھی ہیں حکومت آف بھارت کی آئینوں، نوں اور دسویں جماعت کے نصاب کی کتابوں کے مرتب رہے۔ ان کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے آف بھارت آف اکیڈمی نے "بیسٹ ٹیچر" ایوارڈ دیا۔ ڈاکٹر انور الدین جیہدہ آف اکیڈمی علمی و ادبی تحفوں میں شرکت کرتے ہیں کبھی مغز کی حیثیت سے تو کبھی اپنے مضامین کے ذریعہ تشنگانِ علم و فن کی پیاس بجھاتے ہیں۔ ان کے مضامین اپنے

موضوعات کے مکمل ترجمان رہتے ہیں۔ ان کا اسلوب تحریر اور اندازِ مخاطب پسندیدگی کا اہم ترین دار ہوتا ہے۔ ان کا ایک اور کارنامہ جامعہ کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان، اردو ادب اور اردو تہذیب کی خدمت کرنا بھی ہے۔ ڈاکٹر انور الدین اداۃ سیاست کی جانب سے ہونے والے عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے اردو دانی زبان دانی اور اردو اناکار کے امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں بھی اہم بیوٹی ادا کرتے ہیں۔ ان کا پیر غلامی تعاون مثالی ہے۔ ان کے سینیئر رفیق کار مرزا اکبر علی بیگ کی رفاقت، امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں شمر آوری ثابت ہوتی ہے اور یہ کامیاب سلسلہ ۶ برس سے جاری ہے اردو امتحانات کے سربراہ جناب ظہیر الدین علی خان صاحب میننگ ایڈیٹر روزنامہ سیاست ہیں یہ تمام کام جناب زاہد علی خان صاحب مدیر سیاست کی راست نگرانی میں انجام پاتے ہیں جناب زاہد علی خان صاحب کی قیادت میں یہ تعاون جناب ظہیر الدین علی خان صاحب روزنامہ سیاست کی تعلیمی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان امتحانات کے انصرام کے سلسلے میں ڈاکٹر انور الدین اور پیر ذہیر اکبر علی بیگ بہترین معاون ثابت ہوئے ہیں ان امتحانات کے ذریعہ بلا تکلیف منہج و مکتب زبان ہزاروں بچے بڑے اردو زبان و ادب، تہذیب کے قربت اختیار کر رہے ہیں مجھے اپنے دوست اور اپنے استاد بھائی ڈاکٹر انور الدین کے بہت افریقہ خیالات اور ان کی لائق تحسین ادبی سرگرمیوں پر ایسے حدسرت ہوتی ہے نامور استاد جامعہ ڈاکٹر انور الدین اپنا ساندہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہ صرف بہترین استاد جامعہ کی حیثیت سے بلکہ ایک قابل قدر ادیب کی حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

# کبیر احمد

بے داغ شخصیت، باصلاحیت دانشور

بہت کم بلکہ انگلیوں پر گنی جانے والی کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہمارے معاشرہ کا حاصل ہوتی ہیں جو اپنی شرافت، محبت، انسان دوستی اور باہمی رشتہ خلوص کی ترجمان بنتی ہیں جن کا وجود سوسائٹی کے لئے ایک ایسا قیمتی نور ہو رہا ہے کہ جس کے اُجالے نزدیک و دور کے ہر روشنی پسند انسان کے لئے ایک نعمت ہے۔ پایاں اور ایک ایسی سوغات سمجھے جاتے ہیں جو بنانا لگے اس کے دامن کو بھر دیتے ہیں۔ اس طرح کے بے انتہا شریف، بامروت، سادگی، عزاج اور روشن طبیعت لوگوں میں نامور دانشور کبیر احمد، سابق ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو بھی شامل ہیں کبیر احمد ایک روشن خیال، روشن دماغ اور کشادہ دل انسان ہیں جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ شخص اعلیٰ منصب پر فائز اتنا بڑا عہدہ دار ہے۔ ایک بہترین انسان

مثالی دوست اور نہایت ذہین و باشعور شخص کا نام کبیر احمد ہے۔ کبیر احمد صاحب نے ملنے والا ہر شخص بھی سمجھتا ہوگا کہ وہ ایک ایسے دریا سے نور و تقیات ہیں جن کا فیض مسلسل جاری ہے۔ کبیر احمد صاحب دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونے والے، ہر حال میں دوسروں کو خوش رکھنے والے ایک ایسی شخصیت کے حامل ہیں جو اپنے حصے کی خوشیاں دوسروں کی تھوڑی سی ڈالنے کا فن جانتے ہیں۔ کبیر صاحب نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی کچھ نہیں کیا بلکہ ان کی زندگی کا سارا اہم مقصد اور سارا فلسفہ یہ ہے کہ کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ رہیں کسی کا پیڑہ مسطح نہ ہو، کسی کا دل اداس نہ ہو، کسی کی نظر چمکی چمکی سی نہ رہے۔ کبیر احمد ہندو معاشرہ کی پسندیدہ شخصیت ہیں جن سے مراکم سپرہوہ شخص خوشی محسوس کرتا ہے جو پاک و صاف معاشرہ سے واسطہ رکھتا ہو اور وہ شخص بھی خوش محسوس کرتا ہے جو لاپرواہی کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہا ہے اور وہ شخص بھی جو ان کے سائبان تلے اطمینان کی سانس لینا چاہتا ہے۔

کبیر احمد میرے اُن بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی قابل رشک ہے اور ان جیسے محترم لوگوں سے مراکم رکھتے ہوئے دلی مسرت محسوس ہوتی ہے۔ کبیر احمد سے میری دوستی کوئی ۳۵ برس پرانی ہے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات سکریٹریٹ میں ہوئی تھی کبیر صاحب نے ابتدائی ملازمت کا آغاز سکریٹریٹ میں کیا۔ سکریٹریٹ میں چند سال رہے

اُن سے بھی کبھی ملاقات ہوتی تھی اُن کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب رہتی  
 تھی وہ غلامی ہاتھ کبھی نہیں رہتے۔ افس آتے ہوئے اور افس سے ٹوٹتے  
 ہوئے ان کے ساتھ علم کی دولت رہتی تھی۔ سکریٹریٹ میں شاید  
 اُن کے دوست بہت کم تھے البتہ مسٹر رامیا جو میرے ڈپارٹمنٹ  
 سے تعلق رکھتے تھے اُن سے کبیر صاحب کی ملاقات تھی مسٹر رامیا میرے  
 بھی اچھے دوست ہیں وہ انگریزی زبان کے شاعر ہیں مگر وہ بھی انہوں  
 نے بہت سی نظمیں کہی ہیں کافی سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان ہیں انہوں  
 نے انگلش لٹریچر میں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا ہے ان دنوں مسمی کاغذ  
 میں پچھ رہیں کبیر صاحب نے سکریٹریٹ کی ملازمت کب ترک کی تھی کچھ  
 نہیں معلوم۔ البتہ مجھے مسٹر رامیا سے بعد میں پتہ چلا تھا کہ انہوں نے آل انڈیا  
 ریڈیو کی ملازمت اختیار کر لے ہے اور وہ پیر و گرام انگریز یونیورسٹی میں  
 کارجڈار ہیں کبیر صاحب جب آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں لے سے تو ان سے  
 ملاقات ہوتی رہی۔ مجھے مختلف ادبی و شعری پیر و گراموں کے سلسلے  
 میں آل انڈیا ریڈیو جانا پڑنا تھا کبیر صاحب شروع سے ہی کم آ میز  
 شخص رہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندگی کے خوش گوار لمحوں سے  
 اجتناب کر رہے ہیں افس میں بھی خاموش رہتے تھے ان کا تبادلہ پربھنی  
 اورنگ آباد اور دلی ریڈیو اسٹیشن پر ہوا اور نہ جانے کہاں کہاں گئے  
 جب انہیں ڈاکٹر کرکی حیثیت سے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن کشمیر جانے کے  
 آرڈر ملے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ کشمیر کے غیر یقینی حالات نے انہیں

کش کش میں مبتلا کر دیا تھا کہ جائیں یا نہ جائیں انہوں نے کئی  
اجاب سے مشورہ کیا آخر کار کشمیر چلے گئے۔ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ  
تقریباً دو برس تک کام کرتے رہے۔ کبیر صاحب کشمیر ریڈیو سے مختلف  
اردو پروگرام کا آغاز کیا۔ ان کے ہاں اردو کے لئے کافی بجٹ تھا وہ بجٹ  
کا صحیح استعمال کیے گئے۔ کشمیر کے پروگرام کے سلسلے میں حیدر آبادی فن کاروں  
بھی انہوں نے ربط رکھا۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے حیدر آباد اور اضلاع  
تنگنا، بلکہ گلبرگ، پیر یعنی اور جہاں جہاں بھی ملازم رہے وہاں  
کے شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کو ریڈیو پروگرام دینے رہے حیدر آباد  
اور اضلاع آندھرا پردیش کی حد تک شاعروں، ادیبوں کو پروگرام دینے  
سے پہلے مجھ سے بھی مشورہ کرتے تھے اکثر دفعہ علی الصبح ٹھہر فون کرتے اور  
مشورہ طلب کرتے کہ کن کن شاعروں، ادیبوں کو پروگرام دیا جانا  
چاہیے۔ یا بھی مشاورت سے انہوں نے بہت سے اہل فن حضرات  
اور خواتین کو پروگرام دیئے۔ انہوں نے کئی شاعروں، ادیبوں کے پروگرام  
حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن میں ریکارڈ کروا کر منگوایا۔ پروگرامس  
کو قطعیت دینے کے بعد کبیر صاحب فون پر مجھے اطلاع دیتے اور میرے  
نام پروگرام کی ایک کاپی روانہ کرتے۔ میں متعلقہ تلمکاروں کو اطلاع  
دینا اور خاص طور پر اضلاع کے کسی ایک اہم شاعر کو اطلاع دینا کہ  
کبیر احمد صاحب نے کہا کہ کشمیر ریڈیو کے لئے ایک ادبی پروگرام بھیوانا ہے  
آپ اپنے ضلع کے متعلقہ سینئر عہدہ دار سے ملاقات کر لیں

کبیر صاحب کشمیر ریڈیو کے لئے کئی نئے اور پرانے قلمکاروں، فن کاروں  
 کی زبردست خدمت کی ان کی اس کرم فرمائشوں کا سلسلہ کئی ماہ جاری رہا  
 لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کبھی اسے ہی ان فرائض کی شکایت پر یہ سلسلہ  
 رک گیا۔ شکایت میں کہا گیا کہ کبیر صاحب ریڈیو کشمیر کا سارا وسیع  
 حیدر آباد کے شاعروں اور ادیبوں پر خرچ کر رہے ہیں جبکہ ڈائریکٹر  
 آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد بن گئے تو حیدر آباد کے قلمکاروں کے لئے  
 فیض عام کا دروازہ کھلا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جتنے اردو پروگرام کبیر صاحب  
 کے دور میں حیدر آباد کے شاعروں، ادیبوں کو دیئے گئے۔ اتنے  
 پروگرام حیدر آباد ریڈیو کے کسی بھی دور میں نہیں ملے ہوں گے کبیر صاحب  
 نے اردو پروگرام کے دائرے کو بہت وسیع کیا تھا۔ شہر کی مختلف نامور  
 شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ ہر فن کار کو اس کے مزاج کے مطابق پروگرام  
 دینے رہے۔ کئی نئے ادبی و فنی سلسلے شروع کیے۔ مختصر یہ کہ ادب  
 کا کوئی ایسا گوشہ نہیں تھا جس پر کبیر صاحب نے روشنی نہ ڈالی ہو۔  
 آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد کی تاریخ میں کبیر صاحب پہلے مسلمان ڈائریکٹر  
 رہے۔ ان کی بہترین کارکردگی کے اعتراف میں حکومت نے ان کی  
 مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع کی۔ کبیر صاحب کا اجلاس  
 شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کے لئے منظر ہا کرتا تھا ہر چھوٹے  
 بیڑے قلمکار سے وہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ نرم لہجہ میں گفتگو  
 کرتے۔ شاید ہی کوئی فن کار عموماً گا جو کبیر صاحب کے ادبی دربار سے

خالی ہاتھ لوٹا ہو۔

کبیر صاحب نے انتہائی باصلاحیت قلم کے دھنی اور ذمہ دار آفیسر کی حیثیت سے نام کمایا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سارا اسٹاف ان کے ہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ کبیر صاحب نے اپنی ڈائریکٹری کے زمانے میں اپنے آفس کے ملازمین کے مختلف مسائل جو تصفیہ طلب تھے ان کی فراخ دلی کے ساتھ یکسوئی کی۔ ملتے اٹھتے کسی دن بھی اپنے روم میں تنہا نہیں پایا۔ کچھ لوگ کمرسیوں پر تو کچھ لوگ صوفوں پر بیٹھے رہتے۔ احباب سے گفتگو کرتے رہتے اور فائیلوں پر اپنے نوٹس لکھتے رہتے۔ فون بھی ریسو کرتے رہتے۔ اپنے خاص دوستوں کے لئے نسخ کے علاوہ چائے کا بھی انتظام ہو جاتا۔ نہایت یار باش آدمی ہیں۔ کبیر صاحب جتنی بہترین اردو جانتے ہیں اتنی ہی ان کی انگریزی قابل رشک ہے۔ انگریزی میں ان کی بعض تقریریں میں نے سنی ہیں سننے والوں کا یہ احساس ہے کہ ایک دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے ان کا ہر جملہ آبِ رواں کی طرح سامعین کے دل و دماغ کو تر و تازہ بخشتے ہوئے فیض پہنچاتا رہتا ہے اردو کے ادبی جلسوں میں زیادہ تر اردو میں ہی تقریر کرتے ہیں بہت ہی رواں دواں ان کا انداز خطاب ہوتا ہے کبیر صاحب کو میں نے مجھ سے متعلق انجمنوں کے کئی ادبی جلسوں میں کبھی صدر کی حیثیت سے کبھی وہاں خصوصی اور کبھی مقرر کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔ اگر اٹھیں جلسوں میں



شرکت کرنی ہو تو وقت پر آتے ہیں اور جلسہ کے اختتام تک بیٹھے رہتے ہیں  
 کبیر صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے مذہبیات کی نوافل  
 محفلوں میں بھی شریک رہا کرتے ہیں انھیں بزرگانِ دین سے بھی  
 غیر معمولی عقیدت ہے شہر کے علمائے کرام سے ان کے مراسم ہیں  
 ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرتے رہتے ہیں و طیفہ حسن خدمت  
 کے بھائی کبیر صاحب خاندانی نظام سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔  
 علمائے کرام اور مذہبی علوم و فنون سے زیادہ سے زیادہ فیض پانا چاہتے ہیں  
 نہایت پاک و صاف، معتبر اور نیک سیرت انسان ہیں۔ شہر کے  
 تمام قابل ذکر نامور شخصیتوں سے ان کی رسم و راہ ہے انکسار و  
 ان کے مزاج کا ایک اہم جزو ہے کبھی بھی انہوں نے اپنی عظمت و  
 قابلیت پر غور نہیں کیا۔ ادب کے ایک طالب علم کی طرح بڑی بڑی  
 محفلوں میں شرکت کرتے ہیں حیدرآباد میں کبیر صاحب کے دوستوں  
 کا ایک وسیع حلقہ ہے لیکن بہت کم ایسے دوست ہوں گے جو ان  
 سے بے تکلف ہوں گے۔ جب وہ ڈاکٹر کھٹنہ نو میری ہر جائز  
 سفارش پر بہت سے شاعروں، ادیبوں کو ریڈیو پر وگرام سے نوازتے  
 رہے انہوں نے یہاں تک کہ اردو پروگرام میں بعض ہندی شاعروں  
 کی بھی پذیرائی کی۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سے انٹرویو کے لئے مجھے اور  
 نہپال سنگھ ورما کے نظم کنراکٹ سفارش بھیجوائے ڈاکٹر نارائن ریڈی  
 کا وہ انٹرویو بہت اہم تھا۔

ڈاکٹر نارائن ریڈی نے دورانِ اسٹریڈیو یہ بھی کہا تھا کہ میں  
 فرزندِ جامو عثمانیہ ہوں اردو ذریعہ تعلیم سے میں نے گرا مجوبین کی  
 تکمیل کی ہے میں اردو زبان و ادب کا دلدادہ ہوں۔ اردو شعرد  
 ادب سے بھری دلبستگی ہے میں اردو میں بھی شعر کہتا ہوں۔  
 کبیر صاحب نے حیدر آباد میں تقریباً تمام اہم شخصیتوں پر  
 اسٹریڈیو نشر کر دیا ہے ان کی ڈائریکٹری کا دفتر — یقیناً ریڈیو  
 اسٹیشن حیدر آباد کی تاریخ میں اردو والوں کے لئے ایک سہترے  
 دور کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہے گا۔ وہ نہایت خوش مزاج  
 دوستی کے قابل انسان ہیں۔ جب بھی دوستوں سے ملتے ہیں تو ان  
 کے چہرہ پر خوشی و مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مسکراتے ہوئے  
 سنئے اجاب سے جو گفتگو رہتے ہیں۔ کبیر صاحب بھی میرے  
 دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی گفتگو اور جن کے طریقہ تکلم کی  
 میرے لب و لہجے کو توانائی بخشتی ہیں ۛ

# مسعود بن سالم

چشمہ آبِ رواں - تنویر دیدہ و دل

ہند ب سوسائٹی کی نمائندہ شخصیتوں میں ہیں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جن کا وجود معاشرہ کے لئے تنویرِ صبحِ نو کا پیغام بن کر اپنے ارد گرد کے سارے ماحول کو منور کر دیتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں وہاں اندھیروں کا گزر نہیں ہوتا، وہاں اُجالا ہی اُجالا رہتا ہے جب ایسے لوگوں کی نیکیاں چشمہ آبِ رواں بن جاتی ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے وجود میں آنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ جب تک ان کی سانس چلتی ہے گی وہ دوسروں کی بھلائیوں کے لئے ہی سونچتے رہیں گے اور اپنے حق سلوک سے ہر مستحق شخص کو اس کا حق دلانے لہیں گے اور ایسے لوگ جو تمام عمر روشنی کی سرحدوں سے گزرتے ہوئے اپنے نصب العین کی حدوں کو پار کرنا چاہتے ہیں ان کی راہوں میں کسی بھی قسم کی رکاوٹیں حائل نہیں ہو سکتیں اور وہ اپنا سفر جو صراطِ مستقیم کا سنگِ میل ہوتا ہے نہایت پرسکون انداز میں جاری رکھتے ہیں، اور وہ جس منصب پر بھی

فائنل دیتے ہیں نہایت دیانت داری، اعلیٰ ظرفی، اور ایمان داری  
 مجھے ساتھ اپنی ذمہ داریوں سے عمدہ برکات ہوتے ہیں۔ ایسے ہی خوش خصال  
 باکردار، روشن دل و دماغ رکھنے والے لوگوں میں ایک نام مسعود بن سالم  
 سابق ڈائریکٹر انگریزی آئندہ پرائمری اسکول کراچی کا بھی ہے مسعود بن سالم میرے بہنو  
 کوئی مخدیم دوست ہیں اور نہ ہی جدید دوست ہیں بلکہ میں انہیں جانتا بھی  
 نہیں تھا کہ وہ کس شعبہ جہانت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسعود بن سالم سے  
 میری پہلی ملاقات کا میر ہینسپو کالج آف ایجوکیشن واقع ماں صاحب میننگ  
 میں ہوئی تھی۔ میری ایک رشتہ کی بہن ڈاکٹر شفیقہ قادری اُن دنوں بی ایڈ  
 کا امتحان دے رہی تھی اسے ممتاز ماہر تعلیم نجمہ عبدالحق کی مرتب کردہ ایک  
 اردو کتاب کی ضرورت تھی جو بی ایڈ کورس سے متعلق تھی۔ جب میں نجمہ صاحبہ  
 سے اُس کتاب کے سلسلے میں اُن کے دولت خانے پر پہونچا تو انہوں نے  
 مجھ سے فرمایا تھا کہ وہ کتاب اس وقت ان کے پاس نہیں ہے البتہ  
 مسعود بن سالم پکچر کا میر ہینسپو کالج آف ایجوکیشن سے حاصل کی جاسکتی  
 ہے چنانچہ میں نے اُن کے حوالے مسعود بن سالم صاحب سے ملاقات کی۔  
 شفیقہ قادری میرے ساتھ تھیں پرتپاک انداز میں مجھ سے ملے۔ میں  
 نے اُن سے ملاقات کا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے چائے سے تواضع کی  
 اور کلنچ کی لائبریری سے وہ کتاب منگو کر میرے حوالے کی۔ دوران گفتگو  
 مسعود صاحب نے کہا کہ میں آپ سے غائبانہ اچھی طرح واقف ہوں۔  
 آپ کا کلام سیاست میں پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے ریڈیو سے بھی آپ کا

کلام سنا ہے۔ مسعود صاحب سے دو تین دفعہ کانٹ میں ملاقات رہی۔ پھر  
اُن سے میری آپس ملاقات نہیں ہوئی۔ حسن اتفاق سے انہوں نے ڈائریکٹر  
اُردو اکیڈمی کی ذمہ داری ۱۹۹۳-۱۹۹۱ بنگالی اُس زمانے میں جلیل پاشا  
صدر نشین اُردو اکیڈمی تھے جو میرے قریبی دوست ہیں انہوں نے اُردو  
اکیڈمی کے بہت سے معاملات میں مجھ سے تعاون حاصل کیا جلیل پاشا  
کا دورِ صدر نشینی کئی اعتبار سے قابلِ تقلید ہے انہوں نے میرے  
مشورہ سے بہت سے شاعروں اور ادیبوں کے مسائل کی یکسوئی کی اور  
میری ہر جائز سفارش کی پذیرائی کی۔ جلیل پاشا کی صدر نشینی کے زمانہ  
میں اُردو کے بہت سے پروگرامس ہوتے رہے۔ اُس زمانہ میں مسعود بن  
سالم صاحب سے اکثر دفعہ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اُن کا مخلصانہ اور  
بااخلاق سلوک مثالی تھا مسعود صاحب جب نظامتِ تعلیمات  
آفس سے وابستہ رہے تو وہاں اُردو کے مسائل پر اُردو والوں کی مدد  
کرتے رہے۔ اُردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے مسعود بن سالم صاحب  
نے بہت سی ایکمات کو بحسن و خوبی عمل میں لایا۔ شاعروں ادیبوں  
کی اُردو ڈائریکٹری کا کام انہیں کے زمانے میں شروع ہوا اور تقریباً تکمیل  
پایا تھا ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی نئی کتاب اُردو لغت کا کام بھی انہیں کے  
زمانے میں شروع ہوا۔ اکیڈمی کی جانب سے عزیز بھارتی کا مجموعہ  
لجے کا سفر انہیں کے زمانے میں شائع ہوا۔ مسعود صاحب کے دور میں کسی بھی  
شاعر و ادیب کی حق تلفی نہیں ہوئی۔ اکیڈمی کا کام صاف ستھرے انداز

یہ جاری رہا۔ مسعود صاحب سے میں نے کبھی اپنا ذاتی کام نہیں لیا البتہ  
ایسے شاعروں اور ادیبوں کے مسائل جن کا آفس کی بھول بھلیوں میں  
کھو جانے کا امکان رہتا تھا ایسے توجہ دلانے پر جلد از جلد تکمیل  
پلاتے رہے۔ زمرہ شاعری میں میں نے بہ حیثیت ”بچ“ شاعروں کے  
مسودات و مطبوعات کے سلسلے میں فراخ دلی کے ساتھ بھرپور تعاون  
کیا۔ مستحق شاعروں ادیبوں کی اعانت کی۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ اکیڈمی  
کو ایک بزرگ و محترم شاعر کے انعام کے سلسلے میں کچھ غیر متوقع  
حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن مسعود صاحب نے اپنی حکمت عملی سے  
ایک اچھے موڑے مسئلہ کو غیر محسوس طریقہ سے حل کیا۔ یہی نہیں سمجھی اور مسائل  
کو نہایت عمدگی کے ساتھ طے کیا۔ مسعود صاحب دوبارہ ۱۹۹۶ء میں ڈائریکٹر  
اردو اکیڈمی مقرر ہوئے۔ اور سپد شاہ نور الحق قادری کی صدر نشینی کے  
دور میں بھی ڈائریکٹر رہے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریوں کو  
نبھایا۔ مسعود صاحب ڈائریکٹر کے عہدہ سے اکتوبر ۱۹۹۹ء کو سبکدوش  
ہوئے۔ شاعروں، ادیبوں کے مسودات، مطبوعات کا سلسلہ ہو کہ  
کتابوں کی خریداری کا مسئلہ ہو مسائل کو امداد دینے کا مسئلہ بھرپور  
اعانت کرتے تھے۔ خاص خاص ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں بھی  
انہوں نے کئی افراد و اداروں کی مدد کی۔ مسعود صاحب ایک بہترین  
استاد کی حیثیت سے شہرت پا چکے ہیں محکمہ تعلیمات میں بھی اپنی صلاحیتوں  
کا لوہا منوایا۔ مسعود صاحب کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ ان کی عمدہ خدمات

سکے سلسلے میں حکومت نے ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع کی  
 مسعود صاحب کے بعد اکیڈمی کے حالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں  
 مسعود صاحب نہایت با اخلاق، دوست نواز، شخصیت کے  
 حامل ہیں مسعود صاحب میرے دوست ہیں بہ میرے لئے اعزاز ہے اکیڈمی  
 کے آفس میں اکثر ان سے خیر سگالی ملاقات ہوتی تھی انہوں نے ہمیشہ  
 چلے سے تواضع کی۔ ان سے میری ملاقات ۵۷ء منٹ سے زیادہ نہیں  
 رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کے آفس کے کاموں کو اپنی موجودگی  
 سے متاثر کروں۔ مسعود صاحب کی شخصیت ہی کچھ ایسی ہے کہ جب  
 ان سے کسی کی دوستی ہو جاتی ہے تو وہ ان کی طرف کھینچا جاتا ہے۔  
 میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ انتہائی معروضیات کے باوجود اگر کوئی خاص دوست  
 ان سے ملنے آئے تو وہ بیزارگی محسوس نہیں کرتے تھے اور وہ مسکراتے  
 ہوئے کھڑے ہو کر استقبال کرتے تھے مجھے مسعود صاحب کا انداز گفتگو  
 ہمیشہ متاثر کرتا رہا۔ بردباری، شرافت ان کا خاص وصف ہے نرم  
 گفتاری اور سنجیدگی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں ان کے خاص دوستوں  
 میں بہت سے لوگ ہوں گے لیکن اردو اکیڈمی کے سلسلے کے خاص دوستوں  
 میں ڈاکٹر مسطفی کمال، عاتق شاہ اور رفعت صدیقی کو میں نے ان کے  
 قریب محسوس کیا۔ مسعود بن سالم ایک کھرے پاک، صاف انسان ہیں  
 ان کی ملازمت کے آخری دنوں میں میں نے یزید عثمانیہ جدہ کے جہزیل  
 سکریٹری جناب عارف قریشی سے توارف کروایا تھا عارف قریشی حیدرآباد

کے کچھ اُردو میڈیم مدارس کی امداد کرنا چاہتے تھے جب انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے کہا کہ اس سلسلے میں مسعود صاحب سے بہتر کوئی ایسا شخص میری نظر میں نہیں جو اُردو میڈیم کے مستحق مدرسوں کی نشاندہی کر سکے۔ چنانچہ مسعود صاحب کی رہنمائی میں عارفی صاحب نے میری موجودگی میں شہر کے سب سے اہم اسکولوں کی رقی اعانت کی۔ مسعود صاحب کا مشورہ اور نواہن صد فی صد صحیح رہنما ہے نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو ان کی استنادی کے زلزلے سے لے کر ڈاکٹر کھارڈو اکیڈمی کے زمانہ تک فیض نہ پہنچے ہوں۔

حیدر آباد کے نامور شاعر عزیز بھارتی سخت بیمار تھے ان دنوں کوئی شاعر یا ادیب ان کی مالی اعانت کے لئے اُردو اکیڈمی سے رجوع نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر رام پرشاد کے نرسنگ ہوم میں زیر علاج تھے عزیز بھارتی نے مومن خان شوق صاحب کے ذریعہ مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ میں شوق صاحب کے ہمراہ فی العود ان سے ملنے کے لئے نونگ ہوم پہنچا ابھی میں ان کے روم میں داخل بھی نہیں ہوا تھا کہ میرے قدموں کی آہٹ سے انھیں اندازہ ہو گیا کہ میں آ رہا ہوں۔ عزیز بھارتی نے مجھے دیکھتے ہی کہا ”نیر بھائی“ اور انہوں نے اپنے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے انھیں لیٹے رہنے کے لئے کہا۔ انھیں دلاسا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ انھیں طبی اعانت کی سخت ضرورت ہے میں عزیز بھارتی کے میسرے بیٹے سے کہا کہ آپ کیسی است آفس آجائے وہ



میرے پاس آئے میں نے زامہ علی خان صاحب سے سب ادا کر دیا۔  
 ٹرسٹ سے مدتی امداد کا چیک دلویا۔ پھر میں نے کہا کہ آپ اردو اکیڈمی  
 جائے ڈائریکٹر صاحب سے مل لیجئے میں فون کروں گا۔ میں ڈیرہ  
 نیچے ان سے مل لوں گا۔ میں اکیڈمی کے آفس پہنچا۔ مسعود صاحب سے  
 عزیز بھارتی کی رقتی اعانت کے سلسلے میں گفتگو رہی۔ انہوں نے کہا کہ  
 ضرور امداد دی جائے گی۔ اکیڈمی سے طبی اعانت کے لئے ۲۰ ہزار روپے  
 امداد منظور ہوئی۔ یہ رقم مسعود صاحب نے بریفنگ ہوم پر پہنچ کر  
 عزیز بھارتی کے حوالے کی۔ میں ساتھ تھا اکیڈمی کے اکاؤنٹ آفیسر  
 جناب فی الدین شریفی صاحب بھی ہمراہ تھے۔ مسعود صاحب کے سلوک نے مجھے  
 بہت متاثر کیا ان کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ انہوں نے میری بات  
 کی لاج رکھ لی۔ اور ایک مستحق شاعر کی مدد کی۔ اکیڈمی میں شاعری کے  
 مسودات کی فہرست میں عزیز بھارتی کا بھی مسودہ تھا میں اوجھل نظر مجاز  
 مسودات کے سلسلے کے تحت مجھے ہم نے بلاتامل عزیز بھارتی کا مسودہ  
 منظور کیا۔ مسودہ منظور تو ہوا لیکن اس کی اشاعت کا مسئلہ درپیش  
 تھا اکیڈمی کی جرئی اعانت سے کتاب شائع نہیں ہو سکتی تھی۔ میں  
 نے مسعود صاحب سے خواہش کی کہ اگر آپ یہ کتاب اردو اکیڈمی  
 کی جانب سے شائع کریں تو لیاہ بہتر ہے انھیں میرا مشورہ پسند  
 آیا اور ان کی کتاب لچر کا سفر کے نام سے اکیڈمی نے شائع کی۔

مسعود صاحب کی خواہش پر میں نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا۔  
 مسعود صاحب کے اکیڈمی سے جانے کے بعد اکیڈمی کے حالات اپنے انداز  
 سے جاری رہے۔ اگر وہ مزید کچھ عرصہ تک رہتے تو ان کی رہبری سے  
 اردو اکیڈمی ذیلہ افتخار کرتی مسعود صاحب کا ایک اہم کارنامہ ڈاکٹر  
 علی احمد جلیلی کی کتاب اشاعت کی اکیڈمی کی جانب سے اشاعت  
 ہے۔ اگر کتاب کی اشاعت کے عمل میں میں نے ڈاکٹر علی احمد جلیلی  
 کو مشورہ دیا تھا کہ آپ ڈاکٹر مسعود بن سالم سے مل لیجئے وہ یہ کام  
 کر رہے ہیں مجھے میں نے مسعود صاحب سے تعاون کی خواہش کی تھی۔ مسعود صاحب  
 کی شخصی دلچسپی سے اکیڈمی کے بہن سے کام مہلت، انداز میں طے پائے  
 بلکہ ایسی کئی اور مثالیں پیش کرنے کے موقع میں ہوں۔ مجھے یہ  
 اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ مسعود صاحب کے اکیڈمی  
 کے لیے ایک ایسے سچے تجربہ کار بہت سوں کے لیے فیض رسان رہے۔  
 معلوم ہوا ہے کہ مسعود صاحب اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بناء پر  
 مولانا ابوالکلام آزاد اردو یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ مسعود صاحب  
 بہت ہی سچے ہوئے مقرر ہیں اور مسائل پر معلومات آفرین خیالات  
 سے مستفید کرتے ہیں۔ خدا انہیں اتنی عمر دے کہ وہ زبان و ادب کی  
 دیر تک خدمت کرتے رہیں۔

البتہ خدمت گذاروں کی آج اہل اردو کو سخت ضرورت ہے

# عصف علی خان

(نامور صحافی۔ ممتاز دانشور۔ لاجواب مقرر و نقیب انسان)

مزموم اور دروہا بظاہر خوشگوار ماحول میں کشادہ دلی اور روشن  
 ذہن و فکر کے ذریعہ سروان چڑھتے ہیں تو وہ حیات جاویداں اقدار  
 گزرتے ہیں۔ رشتہ شکنی و شکستگی پہر انسان کی فکر سلیم و روشن دل  
 و دماغ اور تابندگی و فکر و خیال کے لیے سرچشمہ مسرت و انبساط  
 محور علم و لیاقت اور مرکز حسن و لطافت سمی جاتی ہے جو شخص اپنی  
 زندگی کے مختلف گوشوں اور دلچسپ پر کیفیات سے ہم کنار رہتا ہے  
 وہ ہر قسم کے حالات سے آنکھ ملانے ہوئے بلا خوف و خطر اپنی  
 زندگی کا سفر طے کرتا ہے اور ایسا شخص جو اپنی زمین سے جڑا ہوا  
 رہتے ہوئے آسمانوں کی سیر کرتا ہے اُس کی زندگی کا ایک ایک پل  
 سرسبز و شاداب و ہلکے خوش حال اور مہلک زندگی کی آبیاری  
 کے لیے حوصلہ و ہمت کے علاوہ حالات سے برسرِ جنگ رہنے کی صلاحیت

مردی ہے۔ ہر طرح کے مسائل سے برسرِ پیکار رہنے والے لوگ بہت کم حالانکہ شکار ہوتے ہیں۔ زندگی کے مختلف النوع الجھنوں سے آنکھ ملانے والے ہمارے شہر کے دانشوروں میں ایک نامور دانشور غنفر علی خان بھی ہیں۔ جن کے فکر و خیال کے تمام گوشے شفاف آئینوں کی طرح روشن رہا کرتے ہیں جن کی گفتگو، دہسکی و وارفتگی کی آئینہ دار ہوتی ہے جن کا رکھ رکھاؤ ان کے برگزیدہ اصناف کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک ہندو، تربیت یافتہ اعلیٰ اقدار کے حامل شہری کی طرح وہ اپنی حیات کی ہر قسم کی ناز و برداریوں سے بیزار ہیں غنفر علی خان نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے صحافی ہیں بلکہ ایک نامور نقاد و منفرد ادیب اور باصلاحیت شہری بھی ہیں جن کی خوبیوں کا اندازہ خاموش گفتگو کے دوران بھی ہوتا ہے اور گرم گرم بحث کے دوران بھی۔ غنفر علی خان سے گفتگو کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ایسے شخص سے شرفِ تکلم حاصل ہوتا ہے جو نہ صرف دنیوی علوم سے ہی واقف رکھتا ہے بلکہ دینی علوم سے بھی کما حقہ واقف ہے چاہے وہ صحافتی گفتگو ہو کہ ادبی و سیاسی، تہذیبی و ثقافتی سلسلہ ہو کہ علمی و معاشرتی ان کا ہر جہد روشن، دل و دماغ کی ترجمانی کرتا ہے ان کے پیرزور خطابت کی روشنی مخاطب کے ذہن و فکر کو سنور کرتی چلی جاتی ہے اگر ہم دیانت داری اور بلا تحفظ و مہنی اپنے شہر کے دانشوروں کی صلاحیت کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ شمار ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے باصلاحیت ہونے

یہ ثبوت دیتے ہوئے دل و دماغ کو آجائوں کی سوغات سے پرورد  
کرنے جارہے ہیں۔

غضنفر علی خان کا تعلق اُس سرزمین سے ہے جہاں کی مہاسی و  
علمی تارنخ، تہذیب و ثقافت کے اوراق گزشتہ کا ایک اہم حصہ  
ہے۔ بیدر دکنیاں (لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم سے پہلے کہے گئے)  
دکن کا ایک اہم ضلع تھا۔ بیدر کے اعلیٰ تعلیم اور روشن خیال گھرانے  
سے ان کے اسلاف کا رشتہ ہے۔ ان کے پُرکھوں کی علمی و ادبی کارناموں  
سے بیدر کی سرزمین سرخرو درہی ہے۔ غضنفر علی خان ممتاز عثمانی ہیں  
انہوں نے ۳۰ سال قبل جامعہ عثمانیہ بیالوجی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی  
زندگی کے مختلف رنگوں سے اپنے سیرا ہن سادہ میں رنگ بھرتے ہوئے  
اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے ہیں۔ غضنفر علی خان سے میری پہلی ملاقات  
۲۵ برس پہلے میری منہ بولی بہن اہلیہ ڈاکٹر قمر الدین ممتاز شاعرہ اہم قمر  
سوز کی بیوی کے مکان پر ہوئی جبکہ غضنفر علی خان دہلی جامعہ عثمانیہ سے  
ایم اے کر رہے تھے۔ اہم قمر سوز کے بیوی زاد تعالیٰ مسعود ان کے  
ہم جماعت تھے غضنفر علی خان سے کچھ اور مقالات پر بھی ملاقاتیں ہوتی  
رہیں۔ ان دنوں محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام پہلی غزلوں کی رات (محفلِ  
موسیقی) کا اہتمام کیا جانے والا تھا۔ غزلوں کی رات کی کنوینیر اہم قمر سوز  
نبیہ محفلِ خواتین کا اڈوائزر ہونے کی وجہ سے پروگرامس کی صورت  
گہری اور دیگر انتظامی امور کے سلسلے میں میرا رابطہ اہم قمر سوز سے

فروری ۱۹۶۱ء غنفر علی خان روزنامہ سیاست میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے مامور رہے کچھ عرصہ بعد وہ ہنگلور چلے گئے اور روزنامہ سالار سے وابستہ ہو گئے مقصود علی خان سابق ایم پی روزنامہ سالار کے ایڈیٹر تھے جو غنفر علی خان کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے غنفر علی خان کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ غنفر علی خان روزنامہ سالار ہنگلور کی ملازمت کے بعد رہنمائے دکن سے وابستہ ہو گئے پھر کچھ عرصہ بعد جوائنٹ ڈائریکٹر اردو اکیڈمی مقرر ہوئے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک کام کرتے رہے۔ دو سال کی مدت کے لیے ان کا تقرر ہوا تھا۔ اکیڈمی کی ملازمت کے بعد انہوں نے خان لطیف خان صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار منصف میں بہ حیثیت سب ایڈیٹر ملازمت اختیار کر لی۔ ان دنوں رہنمائے دکن کے نیوز ایڈیٹر ہیں جہاں وہ وقار الدین صاحب ایڈیٹر رہنمائے دکن کے دست راست ہیں۔ غنفر علی خان اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں نہ صرف اردو بلکہ انگریزی میں بھی تحریر کرتے ہوئے ساری محفل کو نگرا دیتے ہیں غنفر علی خان کو ہر موضوع پر پورے اعتماد کے ساتھ اظہارِ خیال کا ملکہ حاصل ہے معلومات کا خزانہ ہیں۔ میں نے انھیں بعض علمی و ادبی جلسوں کی نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ غنفر علی خان ہماری مہذب سوسائٹی کی ایک نمائندہ شخصیت ہیں نہایت نرم و مہذب ہیں مثلاً ان کا طرزِ گفتگو کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔

ان کا طرز گفتگو اس قدر شیریں ہو رہا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی  
 سبزارگی محسوس نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی گفتگو کا سلسلہ جاری  
 رہے۔ نہایت شریف النفس، خاندانی آدمی ہیں۔ خاندانی وجاہت  
 شریفانہ طرز حیات، بہترین سلوک، رواداری اور حکمرانہ سنجیدگی ماحول  
 سے وابستگی ان کا اپنا ایک خاص وصف ہے۔ اگرچہ سنجیدگی و متانت  
 ان کے مزاج کا پیرا اثر ہے لیکن ان کے مزاج میں سزاج کا بھی دخل  
 ہے ان کا خاص مزاج بھی ان کی نفاست پسند طبیعت کے لیے  
 دیدہ بینا کی حیثیت رکھتا ہے۔ غضنفر علی خان شہر کی علمی و ادبی تہذیب و  
 ثقافتی سرگرمیوں کا حلقہ و اقیقت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں سے بھی  
 اچھی طرح واقف ہیں جو مختلف شعبہ حیات میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ  
 ایک تجربہ کار صفائی ہونے کی وجہ سے ملک اور عالمی سیاست کی علما و  
 باریوں اور نت نئے داؤ بیج سے واقفیت رکھتے ہیں غضنفر علی خان  
 کا حافظہ بہت تیز ہے ان سے گفتگو کیجئے تو بہت چلتا ہے کہ کئی برس  
 پہلے کے واقعات حوالہ کے زیر مطالعہ ہے انہیں اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کا  
 دینی معاشرہ بھی قابل رشک ہے بابت موم و صلوات علیہ۔ اللہ نے انہیں  
 توفیق عطا کی ہے کہ وہ ہر روز ملاقات کلام پاک سے اپنی دنیا و آخرت  
 کو سنوار رہے ہیں۔ شہر کے تقریباً تمام اہل قلم حضرات سنان کے مرام  
 ہیں شہر کے بعض اہم اہم ادبی، علمی و ثقافتی جلسوں میں اپنے مضامین  
 اور اپنے خطاب سے حاضرین محفل کے دل و دماغ کے تمام گوشوں کو منور

ردیتے ہیں۔ شرکائے عقل کی تسکین دل و جان کے لیے بہترین معلومات  
 اور پُر اثر تقریر سے نوازتے ہیں۔۔۔ غنفر علی خان پٹھان ہیں لیکن  
 ان کے نرم و ملائم لہجے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متوازن طرزِ حیات  
 کے پٹھان ہیں۔ غنفر علی خان حیدر آباد کے ایک علمی و ادبی ادارے  
 اقبال ایڈمی کے جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ شرکت کرتے ہیں  
 اور کبھی کبھی جلسوں کو مخاطب بھی کرتے ہیں۔ گھریلو معروضات ان کے  
 پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہیں پھر اخبار کی معروضات کی وجہ سے کئی علمی و  
 ادبی جلسوں میں شرکت نہیں کر پاتے۔ ایک ذہین و فطین صحافی کی  
 حیثیت سے نامور شخصیتوں سے ماہرانہ انٹرویو لیا کرتے ہیں اور اپنی  
 بہترین تحریر سے قارئین کے لیے معلومات آفریں مواد پیش کرتے ہیں  
 ایڈیٹر رہنے کے کن کے با اعتماد رفیق ہیں۔ اعتماد کی فضاء میں اپنے  
 صحافتی سفر کو خوشگوار انداز میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ نہایت  
 با اخلاق، تقاضا پسند پُر اثر شخصیت کے مالک ہیں ان کا شائستہ یا اثر  
 گھرانہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ مطلق زندگی گزار رہے۔ خاندانی آدمی  
 ہونے کی وجہ سے اپنے عزیز و رفقاء کے دکھ سکھ میں برابر شریک رہا  
 کرتے ہیں۔ ہندو مت کی نامندہ شخصیت کی طرح باعزت زندگی گزار رہے  
 ہیں مجھے غنفر علی خان صاحب سے شخصی ملاقات کا بہت کم موقع ملتا ہے  
 زیادہ تر فون پر گفتگو رہی ہے صبح کی اولین ساعتوں میں وہ تلاوت  
 کلام پاک میں معروف رہتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر رہنمائے دکن



کے اکثر ادا رہے اُن کے رشتہاتِ قلم کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ غنفر علی خان  
 سے جب ملاقات ہوئی ہے تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ سلسلہ  
 گفتگو جاری رکھتے ہیں ان سے مل کر میں نے ہمیشہ خوشی محسوس کی  
 ہے۔ غنفر علی خان اپنے آفس کے ساتھیوں کے ساتھ خوشگوار مراسم  
 کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ غنفر علی خان ہمارے شہر کی اُن شگفتہ  
 مزاج شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن سے مل کر جن سے گفتگو کر  
 کے ذہنی ممکن دور ہو جاتی ہے اور دل پُر مسرت لمحوں سے سرشار  
 رہتا ہے۔

# عابد صدیقی

باصلاحیت صحافی و مقرر، بہترین شخصیت بااخلاق انسان

مہذب معاشرہ میں جب ذہین، فطین، فعال و کارگرد،  
 باصلاحیت صاحبانِ فکر و نظر، وابستگانِ فہم و ادراک، باکمال دیدہ و  
 دانشورانِ علم و ادب اور تہذیبی و انسانی اقدار کی پوری توانائی کے ساتھ  
 پاسداری کرنے والے لوگ جلوہ گر ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ  
 خوشبو سے پیرا بہنِ گلِ تر سارے ماحول کو فہکار ہی ہے۔ باشعور  
 روشن خیال اور دل و دماغ کو منور رکھنے والے افراد اجالوں کے سفر  
 کے دوران جب زندگی کی ہر موڑ پر دکھائی دیتے ہیں تو ان کی اعلیٰ  
 صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ مہذب معاشرہ ہمیں جس  
 طرح کی سوغات سے سرفراز کرتا ہے جو کچھ بھی ہمیں دنیا ہے صمیم قلب  
 کے ساتھ ہمیں قبول کرنا چاہیے۔ جو لوگ دوسروں کی خوشیوں میں  
 اپنے حصہ کی خوشیوں کو شامل کرتے ہیں اور جو اپنی معاشرتی و تہذیبی  
 ذمہ داریوں کو دیانت داری کے ساتھ پوری کرتے ہیں تو وہ تاحیات

ہسٹریوں سے ہم کنار رہتے ہیں۔ عابد صدیقی صاحب بھی قدرت کی  
 عطا کردہ ان ہر باتوں سے پوری طرح فیض پارہے ہیں۔  
 عابد صدیقی ہمارے شہر کے پروفیسر، ہر دل عزیز  
 انسانیت کے قد شمس دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔  
 عابد صدیقی صاحب کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ  
 جاسم عثمانیہ سے ایم اے اردو میں امتیازی حیثیت سے درجہ اول  
 میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بہ حیثیت صحافی روزنامہ  
 رہنمائے دکن سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں انہوں نے  
 ۱۹۷۴ء میں ادب اور صحافت کے نام سے کتاب شائع کی تھی۔  
 رہنمائے دکن سے وابستگی کے دوران ہی ۱۹۷۶ء میں ترقی اردو  
 بورڈ دہلی میں اسٹنڈرڈ سیرج آفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں حیدرآباد  
 میں اسٹنڈرڈ انفارمیشن آفیسر کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ عابد صدیقی  
 صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ دو درشن حیدرآباد میں ۱۹۹۲ء  
 سے بیوز ایڈیٹر ہیں۔ جہاں اب بھی وہ اسی خدمت پر بہ حسن و خوبی اپنی  
 خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ورنگل آرٹس اینڈ  
 سائنس کالج اور سکندر آباد کالج میں اردو کے پکڑا رہے۔ بین سی ای  
 آر ٹی میں پرنسپل ایڈیٹر کی حیثیت سے انہوں نے کئی نصابی کتابوں  
 کی ترتیب و ترمیم میں اپنا گرانقدر حصہ ادا کیا۔ عابد صدیقی صاحب  
 ایک خوش مزاج، شگفتہ طبیعت اور رواں دواں شخصیت کے حامل

انسان میں ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے ہلکی ذہنی  
 تحفظات کے ملنے ہیں۔ کھلے دل و دماغ کے ساتھ اپنے دوستانہ مراسم  
 کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ عابد صاحب سے میرے مراسم اس وقت  
 زیادہ بڑھے جب ہم دونوں ایک ساتھ ۱۹۹۲ء میں اردو  
 اکیڈمی کے رکن بورڈ آف گورنرس تھے۔ اکیڈمی کی میٹنگس کو  
 اپنے بہترین مشوروں سے نوازتے تھے۔ بہت سی ایکامات کی صورت  
 گیری اور ان کی عملی آوری کے سلسلے میں سرگرم عمل رہے۔ جس زلزلے  
 میں (۱۹۹۰ء) جلیل شاہ اردو اکیڈمی کے صدر نشین تھے اُن  
 دنوں عابد صاحب نے جلیل شاہ کا بہت ساتھ دیا۔ اردو اکیڈمی  
 کے مقررہ بجٹ ۵۴ لاکھ روپے سے بڑھا کر ایک کروڑ دس لاکھ پر  
 مستقل اسکیمات کی پیش رفت کے لئے کلیدی رول ادا کیا۔ کل ہند اردو  
 اکیڈمی کے زیر انتہام منعقد ہونے والے بے شمار جلسوں کی نظامت  
 کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ جلیل شاہ کل ہند اردو تعلیمی  
 کمیٹی سے ریونیو وائٹنگ کے سبب آج بھی وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی  
 کے اہم اہم جلسوں کی نظامت کے فرائض انجام دیا کرتے ہیں وہ  
 آل انڈیا ریڈیو میں بنیور ریڈر کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔ دہلی  
 میں آل انڈیا ریڈیو کی ہمدونی سرورس کے لئے بے شمار موصوعات  
 پر ان کے تبصرے نشر کئے جاتے رہے۔ انہوں نے ذرائع ابلاغ پر  
 کئی بکھرے ادیبے اور اس موصوے پر کام کرتے رہے ہیں بنیور ریڈیو سے

جرنلزم میں پوسٹ گز جو پیش کی ڈگری کی۔ یہ دتیر بشیر الدین کے خاص  
شاگردوں میں سے ہے۔ عابد صدیقی اردو نیوز ایڈیٹر دور درشن کی  
جہنیت سے اپنی ذمہ داریوں کو ہنایت عملہ کے ساتھ نبھا رہے ہیں  
شہر کی نمائندہ علمی و ادبی انجمنوں اور اردو اداروں کی خبروں کو سلیقے  
کے ساتھ ٹیلی کاسٹ کر دیتے ہیں۔ عابد صدیقی شہر کی بہت سی علمی  
ادبی، دینی و تہذیبی انجمنوں اور اداروں سے وابستہ ہیں۔ خاص طور  
پر انجمن قادریہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں  
اردو راسٹرس اینڈ فرینڈس فورم کے صدر ہیں۔ عابد صاحب کے  
دوست و احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ مختلف شعبہ حیات  
سے تعلق رکھنے والے اصحاب ان کے مشا ساؤں اور دوستوں  
میں شامل ہیں۔ پُر خلوص نفیس انسان ہیں۔ بینک نامی کے ساتھ  
اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں حکومت کے سربراہوں اور  
مختلف محکموں کے ذمہ داروں سے بھی ان کے اچھے مراسم ہیں۔  
عابد صدیقی کو ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ وہ اپنی بات  
ہنایت سلیقے سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ باکردار، صاف گو، محبت  
کرنے والے انسان ہیں۔ چاہنے اور چلبے جانے والوں میں ان کا شمار  
ہوتا ہے۔ عابد صاحب اپنے دوستوں اور خاص طور پر اپنے بے تکلف دوستوں  
سے کھل کر ملاقات کرتے ہیں۔ اپنے دوستوں کی محفل میں سب سے زیادہ  
تہقہ لگانے والے عابد صدیقی ہی ہیں لیکن ان کے قہقہے بہت ہی دل آویز

ہوتے ہیں جو سارے احباب کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑا دیتے ہیں  
 ان کے لبوں پر شگفتگی کی جھلکی رہتی ہے ان کی ہنسی ہوتی شگفتگی کو مخاطب  
 کو مسحور کر دیتی ہے۔ مافی الضمیر ادا کرنے میں انہیں کمال حاصل ہے  
 بہت ہی عمدہ اور نئے تلے جملوں کے ساتھ آبِ رواں کی طرح اپنی  
 پیراشر تقریر ہماری رکھتے ہیں۔ شہر کے تمام بڑے اردو اخباروں کے  
 مدیران سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ صحافتی برادری کے علاوہ شہر کے  
 شاعروں، ادیبوں سے بھی کچھ اس طرح خلوص کا اظہار کرتے ہیں کہ  
 محسوس ہوتا ہے کہ مہذب معاشرہ کا ہر شخص ان کا دوست ہے۔  
 عابد صدیقی دوستی کرنے اور دوستی نبھانے میں امتیازی حیثیت کے  
 حامل ہیں نہایت گرم بوشی سے معاشرہ کرتے ہیں اور اس وقت  
 تک ملاقاتی کا ہاتھ تھامے ہوئے رکھتے ہیں تا وقتیکہ ملاقاتی کا  
 ہاتھ جدائی کا سبب نہ بنے۔ صاف دل، بے ریا، بے داغ آئینہ  
 صفت انسان ہیں جب کبھی فون پر گفتگو ہوتی ہے تو یوں محسوس  
 ہوتا ہے کہ ہم بالمشافہ گفتگو کر رہے ہیں۔ فاصلوں کا احساس ہی  
 نہیں ہوتا۔ اور جب شخصی ملاقات ہو جاتی ہے تو ان کی دوستی کے  
 جو ہر نمایاں ہو جاتے ہیں اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ عابد  
 صدیقی ہمارے معاشرہ کی ایک نمایاں شخصیت ہیں۔ جب کبھی  
 میں کسی کام کے سلسلے میں ان سے تعاون کی خواہش کرتا ہوں تو وہ  
 میری بات کو نہیں ٹالتے ان سے خیر لیانہ روابط کا سلسلہ آج بھی

جاری ہے۔ اُجالوں کے مسافر جہاں کہیں سے بھی گزرتے ہیں اُن کی  
 راہوں میں کہکشاں بکھری ہوئی رہتی ہے تمام راستے پر نور ہو جانے  
 ہیں عابد صدیقی جس محفل میں بھی شرکت کرتے ہیں وہاں کا ماحول  
 خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اچھی آواز خدا کی خاص نعمت ہوتی ہے۔  
 عابد صدیقی کو خدا نے سچے سچے آواز عطا کیا ہے جو اپنے میں نیر مہر  
 منقلاطیس اثر رکھتی ہے اُن کی آواز میں بلا کی کشش ہے جس کے  
 سبب ہر ایک مخاطب چاہتا ہے کہ ان کا سلسلہ گفتگو جاری رہے  
 زندگی کے اداس اور تھکا دینے والے لمحوں میں اگر عابد صدیقی اپنی  
 شگفتہ گفتگو سے پھول برساتے ہیں تو سارا ماحول معطر ہو جاتا ہے عابد  
 صدیقی کے احباب میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ مل  
 جاتے ہیں لیکن ہر شخص کی ذہنی سطح تک ہما وہ اپنے مراسم کو برقرار  
 رکھتے ہیں۔ اچھے اچھے الفاظ ہر کس و نا کس پر مناج نہیں کرتے۔ شہر کے  
 برگزیدہ لائق تعظیم علماء و مشائخین کے خانوارہ سے ان کا تعلق ہے  
 ان کے گھر کے تمام افراد زورِ تعلیم سے آراستہ ہیں۔ مہذب و شائستہ  
 ہیں۔ اپنے پیڑ گھوں کی اعلیٰ قدروں کی پارسا راری کرتے ہیں شائستگی و  
 شگفتگی کے پیکر ہیں۔ دین و دنیا کی نعمتوں سے فیض یاب ہوئے  
 جا رہے ہیں۔ دنیوی نوبہم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہو  
 رہے ہیں۔ میں ہمیشہ اُن دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے مسرت  
 محسوس کرتا ہوں جو انسانی رشتوں کے قدردان ہیں۔ اعلیٰ اقدار

کے نثرچان ہیں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں ان کے دوستوں  
 میں شامل ہوں مجھے اس بات کی بھی مسرت ہے کہ وہ میرے مخصوص  
 تہذیب دوستوں میں شامل ہیں۔ آثار و قرائن اس بات کے  
 حقائق ہیں کہ عابد صدیقی کی ساری زندگی نکہت و نغمہ کی فصاحت میں  
 گذرتی رہے گی۔ تازہ پھولوں کی خوشبو ان کے دل و دماغ کو  
 ہلاتی رہے گی اور وہ زبان، ادب اور میڈیا کے ذریعہ ملک و  
 قوم کی خدمت کو جاری رکھیں گے۔



# ظہیر الدین علی خان

(روشن خیال مجسم شرافت، پیکرِ خلوص، نامور ادا منسٹر، پیرِ مہذبہ صحافی)

بعض چہرے اس قدر خوش حال ہوتے ہیں کہ جن پر نظر پڑتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کو دیکھ رہے ہیں جو مجسم شرافت ہی نہیں شگفتگی و شائستگی کی پہلی اور آخری مثال بھی ہے۔ اس طرح کے لوگوں سے اگر شرفِ مکالمہ حاصل ہو تو یہ بھی محسوس ہو گا کہ ان کے لب و لہجے سے خوشبو چمک رہی ہے اور سارے ماحول پر خوشی و انبساط کی کھکشاں بکھری ہوئی ہے اس طرح کی شگفتہ و شائستہ اور باوقار شخصیتوں سے ملاقات کے بعد نہ صرف ذہنی تھکن ہی دور ہو جاتی ہے بلکہ دل و دماغ کو خوشگوار فرحت نصیب ہوتی ہے ان کا اندازِ مخاطب نہ صرف موثر ہوتا ہے بلکہ دل پذیر بھی۔ ہمارے معاشرہ میں اس طرح کے پاک طینت شرافت نواز اعلیٰ درجہ کے انسان بہت کم ملتے ہیں۔ اعلیٰ خصوصیات و

کیفیات اور عمدہ صفات کی حامل شخصیت ظہیر الدین علی خان صاحب مہیننگ  
 ایڈیٹر سیاست کی بھی ہے۔ اس صاحب نوجوان کو میں اُس وقت سے جانتا  
 ہوں جب وہ صبح کی پہلی کرن کی طرح جناب عابد علی خان صاحب کے سارے گھر  
 کو انجانوں کی نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز کرنا شروع کیا تھا۔ سیاست کی  
 معرفت جہاں کہیں بھی زاہد علی خان صاحب مدیر سیاست کا ذکر آ جاتا ہے وہیں  
 ظہیر الدین علی خان صاحب کا نام بھی خود بہ خود لبوں پر آ جاتا ہے۔ زاہد علی خان  
 صاحب کے برادرِ خور و ظہیر الدین علی خان صاحب اپنی بشارت، مروت، خلوص  
 رواداری اور اپنی طرح داری اور وضع داری کے سبب اُن لوگوں میں بھی مشہور  
 ہیں جو اُن سے قربت نہ رکھتے ہوئے بھی ان کی کم فرماہیوں سے مستفید ہوئے  
 ہیں۔ سیاست "کاہر کن" سیاست میں کام کرنے والا ہر شخص ظہیر الدین علی خان  
 صاحب کے نام کی مالا جیتتا رہتا ہے۔ دل و جان سے اُن کے حسن سلوک کو  
 شریح پیش کرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ ہر شخص سے غلطانہ و دس پرستانہ  
 سلوک روار کھتے ہیں۔ "سیاست" کے سارے انتظامیہ پر ان کی گہری نظر رہتی  
 ہے۔ سارا مہیننگ اُن کے زیرِ اثر ہے۔ زاہد علی خان صاحب اپنے بھائی کو  
 بہت چاہتے ہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ "سیاست" کی تمام  
 سرگرمیوں میں دونوں ہم خیال رہتے ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب، عابد  
 علی خان۔ بچو کیشنل ٹرسٹ کے روح رواں ہیں۔ اردو تعلیم اور اردو  
 تہذیب کے فروغ میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں۔ "سیاست" کی کئی فلاحی و تہذیبی  
 تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان اور

مجموع حسین جگر صاحب کے سائنات تلے ظہیر الدین علی خان صاحب کو اپنی  
صلاحتوں کو پروان چیر مٹھانے کا کافی موقع ملا۔ ان دو محترم شخصیتوں کی رحلت  
کے بعد وہ ”سیاست“ کی مصروفیات میں کافی تن رہی کے ساتھ اپنی بے  
مثال وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے اخبار کی مقبولیت و بہتری میں  
اضافہ کر رہے ہیں۔ یہ بات ساری اردو دنیا جانتی ہے کہ عابد علی  
خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام بلا تفریق مذہب و ملت ناخواندہ  
بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو اردو تعلیم سے آراستہ کیا جا رہا ہے  
سینکڑوں محبانِ اردو اردو تعلیم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کئی  
مراکز پر ابتدائی اردو تعلیم کے لیے سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ میں شخصی  
طور پر واقف ہوں کہ عابد علی خان صاحب کے گھر کا ہر فرد ظہیر الدین  
علی خان کو بے حد عزیز رکھتا ہے۔ ان کی نرم گفتاری، ان کی بیانیہ  
روی، ان کی شرافت، ان کی شانستہ مدارات کے سبب سب کے  
سب خوش بھی ہیں اور متاثر بھی۔ نہایت شگفتہ مزاج، سادہ  
طہیت اور سچی ہونٹ شخصیت کے مالک ہیں۔ جناب ظہیر الدین علی خان  
کا تعاون ”سیاست“ سے وابستہ ہر محفل کے لیے خوشگوار ماحول کی  
ضمانت دیتا ہے۔ ظہیر صاحب ادبی ٹرسٹ کے بھی ٹرسٹی ہیں۔ عابد علی خان  
صاحب کی زندگی ہی میں ادبی ٹرسٹ کے ابواب مجاز نے انھیں ٹرسٹی نامزد کیا  
تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے کل ہند نمائندوں کے سلسلے میں بھی زاہد علی خان صاحب  
کے دستِ راست بنے ہوئے رہتے ہیں۔ میرا ٹوٹ رشتہ سیاست اخبار

سے ۱۹۵۶ء سے ہے یعنی والدہ از ۴۲ برس سے۔ اُسی زمانے سے میں ظہیر الدین علی خان صاحب کچھ بہت قریب سے جانتا ہوں۔ نہایت باوقار انسان ہیں۔ میں عابدہ منزل (رائس گاہ جناب عابد علی خان صاحب) میں ہوتے والی تقریباً تمام ادبی تقریبات اور تہذیبی نشستوں میں موجود رہا ہوں۔ مخصوص منشائیوں میں بھی میں نے شرکت کی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ظہیر الدین علی خان صاحب بھی مہمانوں کے استقبال کے لیے پیش پیش رہا کرتے تھے۔ تمام مہمانوں کا سکرارتے ہوئے خیر مقدم کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین ہلگر صاحب بھی اپنے مخصوص سرپرستانہ انداز سے ظہیر الدین علی خان صاحب کو بہت عزت رکھتے تھے۔ ان تمام برسوں میں میں نے ظہیر صاحب میں ان کی شرافت کے گہرے رنگ پائے ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب نے اپنے سے بڑوں کی عزت و احترام میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ بطور خاص "سیاست" اخبار سے وابستہ قلم اسٹاف سے یہ حد احترام سے ملتے ہیں۔ ان کے مزاج کی نفاسیت و سردباری نے تمام اسٹاف کے دل میں اپنی ایک خاص جگہ بنالی ہے۔ "سیاست" کے انتظامیہ کے سلسلے میں جناب محبوب حسین جگر کے عکس جیل کی طرح سب کی نگاہوں میں چلتے ہیں۔ ظہیر صاحب جگہ سے بھی بڑے آداب و احترام کے ساتھ ملتے ہیں ادبی ٹرسٹ کے ایڈاکس میں نہایت سعادت مندی کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ شورہ طلب ہو تو یقیناً ہی عملگی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہماہیت مجدد اعلیٰ تربیت یافتہ

شخص محو تکلم ہے۔ ان کی ہر رائے مثبت اقدار کی آئینہ دار ہوتی ہے  
 ادبی شریک کے ارکان میں ظہیر الدین علی خان صاحب سب سے جو نہیں  
 شاید اس لیے بھی وہ گفتگو میں کم کم حصہ لیتے ہیں۔ سننے زیادہ ہیں  
 اور بولتے کم ہیں۔ ان کی تجاویز تمام ارکان شریک کے لیے قبولیت کا  
 درجہ رکھتی ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب کا ایک اہم وصف ان کی  
 انسان دوستی ہے نہ جانے کتنے بے سہارا لوگوں کی اینٹوں نے مدد کی ہوگی  
 نہایت ہمدرد انسان ہیں ضرورت مندوں کی غیر محسوس طریقے سے مدد کرتے  
 ہیں۔ ان کی داد و دہش کی خاموشی سرفراز یوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔  
 ان کے ہاں خالی ہاتھ آنے والا اپنا دامن بھر کر دے جاتا ہے۔ ان کے دائرہ  
 بھر و برکت میں جو بھی آتا ہے اس کی زندگی سنور جاتا ہے۔ ظہیر الدین علی  
 خان صاحب اپنی اچھی صیانت کی وجہ سے بہت سوں کے لیے سرمہ نظر  
 بنے ہوئے ہیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ ان کی شرافت و مروت، رواداری اور  
 انسان دوستی کے طور و طریق میں روز افزوں اضافہ ہو اور یہ سب معاشرہ کے  
 ہر شخص کا دامن ان کی قیمت و شرافت کے گلہائے رنگارنگ سے بھرنا ہے۔

# درویش غیاث الدین

(کامیاب تاجر۔ پیکرِ شرافت۔ پاک و مہمان انسان)

جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں منعقدہ  
 میں کلمائی اردو فیسٹول کی سرگرمیوں کا جب کبھی خیال آتا ہے تو اس  
 دور کے کئی زمین و فطین طلبہ و طالبات کے چہرے نگاہوں میں  
 ابھر کر آ جاتے ہیں۔ اُس دور کے بعض طلباء و طالبات زندگی کے  
 میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر جن کے پاس  
 میں غور کرتے بھروسے شدت سے اس بات کا احساس ہو جاتا ہے  
 کہ کیسے کیسے لوگ اپنی زندگی میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں  
 اُس فیسٹول سے وابستہ طلباء و زندگی کے مختلف شعبوں میں  
 اپنی نمایاں حیثیت و شخصیت کے ساتھ شہرت پانچکے ہیں  
 تاہم کچھ بہترین صلاحیتیں رکھنے والے بیرون ملک کے مختلف  
 اہمات پلہنی شانداز زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے میں مصروف

خود جید آباد میں بیشتر ایسے اعلیٰ ترقیت لوگ موجود ہیں جو  
 آج تجارت کی دنیا میں صف اول کے مقام پر فائز ہیں۔ چائے  
 کے کاروبار میں عالمی شہرت کے حامل شخصیت بھی ہیں جو شخص اپنے محنت و ترقی  
 سے ترقی کرتے ہیں اس کا رتبہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ درویش غیاث  
 الدین فراگداز، ہم برس سے لاسا اور لمسا چاکلیٹ چائے کے کاروبار  
 میں اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں۔ لاسا چائے اور لمسا چاکلیٹ  
 چائے کو کون نہیں جانتا۔ چونکہ درویش غیاث الدین ایک  
 شیک اور مہمدر انسان ہیں اور ہر لمحہ انسانی رشتوں کی عظمتوں  
 سے ہم کنار رہتے ہیں اسی لیے دن دوئی رات جو کئی ترقی کرتے چلے  
 ہیں۔ اپنے کاروبار میں ایمانداری، صاف گوئی، اصول پسندی اور  
 اپنے پاک و صاف طریقہ کار کی وجہ سے ترقی کی منزلیں طے کرتے  
 جا رہے ہیں۔ ایک صدر خاندان کی حیثیت سے اپنے بھائیوں انیس  
 احمد اور نثار احمد اور اپنے فرزندوں اور دیگر اہل خاندان کو ساتھ  
 رکھ کر اپنے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔ درویش غیاث الدین  
 بہت سے حاجت مندوں کی آٹے دن مدد کرتے رہتے ہیں اور  
 کچھ اس طرح مدد کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ کو جبر نہیں  
 ہوتی۔ ان کے شریفانہ و سرپرستانہ دربار سے کوئی ایک شخص  
 بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ ہر ایک کا دامن ان کی ملامت اور  
 ان کے لطف و کرم سے بھر جاتا ہے۔ نہایت سیدھے سادے پے حد

شریف النفس گھرے گھرے ایمان میں سنجیدگی، ثنانت، شرافت،  
 رواداری، انسانیت دوستی ان کا ایک خاص وصف ہے۔ نہایت  
 دین دار، ایمان دار، راستہ عقیدہ مسلمان ہیں دنیوی علوم کے ساتھ  
 ساتھ دینی علوم سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اُن کو فروغ  
 دینے کے لئے بے لوث خدمت انجام دیتے ہیں۔ شہر کے علمی و ادبی  
 تہذیبی و ثقافتی اداروں سے وابستہ لوگ جانتے ہیں کہ درویش  
 عیاض الدین کس کس انداز سے علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی  
 اداروں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ اُن سے گفتگو کیجئے تو محسوس ہوتا  
 ہے کہ ان کے لبوں سے پھول جھڑ رہے ہیں ان کی شخصیت ہمیشہ  
 آدابِ گفتگو اور سلیقہ اظہار کی ترجمانی کرتا رہتی ہے گفتگو چاہے  
 شخصی ہو کہ فون پر، اُن کا لب لہجے میں محاسن رہتی ہے کبھی  
 ظاہر ہی نہیں ہوتا کہ وہ کسی سے ناراض ہیں یا خفا میں ٹھنڈے دل و  
 دماغ کے انسان ہیں انہیں اپنے غیر مختم کا روبرو کاوجہ سے بہت کم موقع  
 ملتا ہے کہ وہ اپنے اِجاب کے ساتھ تھوڑا بہت وقت گزاریں لیکن اس  
 کے باوجود ذہنی تفکر دور کرنے اور اپنے لطیف جذبہ کی تسکین کے لئے  
 شعروِ نغمہ کی مفلوں میں کبھی کبھی دکھائی دیتے ہیں۔ تہذیبی پروگرامس  
 میں کبھی صدر محفل تو کبھی جہانِ خصوصی کی حیثیت سے زینت محفل بنے جاتے  
 ہیں بعض محفلوں میں صرف ایک عام آدمی کی طرح کسی ایک نشست  
 پر بیٹھ جاتے ہیں۔ غرور و تکبر نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے ان



کی ساری زندگی مشقت سرگرمیوں میں گذر رہی ہے کچھ دینی کتابوں کی  
 اشاعت کا بھی انتظام کرتے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ میں  
 نے سوچا کیا ہے کہ ان کے مصروف ترین اوقات میں کبھی کبھار غرض  
 ان سے ملنے کے لئے چلے آتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا ہو گا کہ  
 انہوں نے کسی سے ملاقات نہ کی ہو۔ یا ان کی آمد سے وہ بیزار  
 ہوئے ہوں۔ درویش غیاث الدین سے میرا برسوں کا یارِ راز ہے  
 ان سے تجدیدِ دوستی باختمِ حسن سعید کی مرہونِ منت ہے۔ بعض خاص  
 ادبی و تہذیبی تقاریب میں درویش غیاث الدین سے ملاقات ہوتی  
 رہتی ہے۔ ہمارے شہر کے صفِ اول کے شہرلوں میں وہ ایک دی۔  
 آئی۔ بی کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اگر سال بھر میں کبھی ملاقات  
 نہ بھی ہو تو ان سے راج بھون کی تہذیبی تقاریب میں لازماً ملاقات  
 ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ راج بھون کی جانب سے منعقدہ  
 افطار پارٹی میں ان سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔ میں نے راج بھون  
 کی تقاریب میں دیکھا ہے کہ درویش غیاث الدین صاحب سے  
 معاشرہ کے اہم اہم لوگ جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے  
 ہیں ملاقات کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور درویش غیاث  
 الدین کی پُرکشش شخصیت کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ درویش غیاث الدین  
 رئیسِ خزانہ کے بھی بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ باختمِ  
 حسن سعید علیا کے نہ صرف یوٹیوٹر کے ساتھی ہیں بلکہ اسکول کے بھی

ساتھی ہیں۔ ہاشم کہتے رہتے ہیں کہ غیاث اسکول کے تعلیمی دور میں  
 بھی نہایت ذہین و فطین طالب علم رہے ہیں اور اپنے تمام تعلیمی کیریئر  
 میں امتیازی مقام حاصل کرتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں  
 تحریری و تقریری اور ہیئت بازی کے مقابلوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔  
 مختلف کالجس کی تقاریب میں شریک رہتے تھے خاص طور پر مختلف  
 کالجس کی اللہ تقاریب میں شریک رہتے تھے۔ درویش غیاث الدین  
 جہاں بے شمار اہل عرض حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں وہیں وہ  
 تہذیبی پروگرامس کا تصور گہری کہلیے بھی اعانت کرتے ہیں اس کے علاوہ  
 شہر کے بہت سے ہفت روزہ جریڈوں کی اپنی کمپنی کے اشتہاروں کے  
 ذریعہ تعاون کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر شکوفہ اور مدیر  
 خوشبو کا سفر صلاح الدین شیران کے شخصی دوست ہیں یا پابند کا ان  
 رسائل میں ہر ماہ ان کی کمپنی کے اشتہار شائع ہوتے ہیں۔ یہ جانتے ہو  
 بھی کہ اخبارات اور ٹی وی کے اشتہار کے مقابلہ میں ادبی رسائل میں اشتہار  
 دینا ان کے لئے کچھ زیادہ تشریک باعث نہیں رہتا اس کے باوجود اردو دوستی  
 اور دوست نوازی کے شریفانہ عمل کی پاسداری کرتے ہیں۔

معاشرہ میں جو لوگ فراخ دلی کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتے  
 رہتے ہیں ان کی محبتوں کی ان کی مرہونوں اور ان کی انسانیت دوستی کی  
 خوشبو چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ درویش غیاث الدین صحن گلشن  
 میں رنگی برنگی پھولوں کے درمیاں اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ پاک و صاف

معاشرہ کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی شائستگی، ان کے رکھ رکھاؤ اور ان کے بہترین سلوک کی شہرت ان کے اپنے مخصوص حلقہٴ احباب اور کاروباری لوگوں کی حدود سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ ان کا شمار شہر کے صاحبِ ثروت لوگوں میں ہوتا ہے لیکن ان کے اندازِ گفتگو سے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ان کے آفس کا ماحول نہایت صاف ستھرا اور سلیقے کا مظہر ہے۔ ہر شخص اپنے کام میں نہایت ذمہ داری و فرض شناسی کے ساتھ سرگرم عمل رہتا ہے اہلِ خاندان تو ان کے لیے ہی ہیں اپنے ملازمین کے ساتھ بھی ان کا سلوک نہایت مخلصانہ، منصفانہ، ہمدردانہ اور خوشگوار رہتا ہے جو لوگ عملی زندگی میں دیانت داری کے ساتھ معروف رہا کرتے ہیں وہ کبھی بھی اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہتے کامیابی کی منزل اس طرح کے راہروں کا قراخ دلی کے ساتھ خیر مقدم کرتی ہے۔ درویش غیاث الدین جیسے لوگ جن کو ہر گز رنے میں اُن راہروں کے پھر بھی پھول بن جلتے ہیں۔ ہندو معاشرہ اس طرح کے لوگوں کا بے حسنی سے منتظر رہتا ہے اور ان کے استقبال کے لیے پیشینہ پیش رہتا ہے نیک نامی، بہترین شہرت، اللہ کے خاص بندوں کے حصہ میں آتی ہے غیاث الدین صاحبِ خوش نصیب ہیں کہ خدا ان پر پوری طرح نہر یاں ہے تب ہی تو ان کی زندگی کا سفر خوشبو کے سفر کی طرح جاری ہے۔ جی چاہتا ہے کہ غیاث الدین بھی نفیس لوگوں سے سلسلہٴ رابطہ باقی رہے لیکن شعور ادب اور کاروباری و تجارتی دنیا کے درمیان بہت بڑا فاصلہ رہتا ہے

میں بھی غیاث الدین جیسے باوقار، معجز اور پیراشر شخصیتوں کی محبت میں  
گرفتار رہتا ہوں۔ اگر رشتے خلوص اور محبت پر مبنی ہوں تو وہ ہمیشہ  
خوشبو سے پہاراں کی طرح پھکتے رہیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ درویش غیاث الدین کا جن جن سے بھی رشتہ  
خلوص و مروت باقی ہے وہ یقیناً اپنی کامیاب زندگی گزار رہے  
ہوں گے۔ انھیں زندگی ہر انسان کے لئے قدرت کا خاص عطیہ ہونی چاہیے  
خدا نے غیاث الدین صاحب کو زندگی کی تمام جائز خوشیوں سے سرفراز  
کیا ہے اور یہ سلسلہ خیر و برکت تاحیات جاری رہے گا اور وہ نیک نانی  
کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے رہیں گے جس طرح کہ اب لے رہے ہیں  
درویش غیاث الدین صاحب ۱۱ اگست ۱۹۳۸ کو جید آباد  
کے محلے کٹل ہنڈوی میں پیدا ہوئے ان کے والد درویش محمد عبدالحمید صاحب  
مرحوم اور تانا یا جناب درویش محمد عبدالرؤف صاحب مدراس کے ضلع  
شمالی ارکاٹ کے وانمباڑی سے ۱۹۳۳ء میں جید آباد آئے تھے اور یہاں  
پچھلے نیلگری ٹی ایمپوریم کے نام سے مخم جاہی مارکٹ پر چائے کی پتی کی  
دوکان کھولی جو بتدریج ترقی کرتی گئی۔ جناب درویش عبدالحمید صاحب  
کا ۱۹۴۸ء میں اور جناب درویش محمد عبدالرؤف صاحب کا ۱۹۵۰ء میں  
انتقال ہو جانے پر درویش غیاث الدین اور ان کے برادران کی پرورش  
اور نگرانی ان کے ماموں خطیب محمد عبدالوحید صاحب نے کی۔ جناب  
درویش غیاث الدین کی ابتدائی تعلیم مدرسہ گوشتہ محل ہنومان ٹیکری اور

ہائی اسکول کی تعلیم نامیہلی ہائی اسکول میں ہوئی۔ انہوں نے انٹر میڈیٹ  
 ماسٹر کالج سے اور بی ایس سی عثمانیہ یونیورسٹی سے کیا۔ ان کے اسکول اور  
 کالج کے ساتھیوں میں جناب کے سر بھاکر ریڈی سابق وزیر داخلہ  
 آئندہ رپرڈیش۔ جناب احمد علیس مرحوم۔ جناب ہاشم حسن سعید سابق  
 پرنسپل کالج آف انجینئرنگ، جناب یوسف الدین فاضل ڈاکٹر ام کبیر  
 جناب مسعود العرب انجینئر کبیر ہیں بیات الدین بہت ذہین طالب علم  
 رہے ہیں۔ تعلیم کے بعد انہوں نے ۱۹۵۹ء میں بزنس میں بی اے کیا اور  
 بفضل تعالیٰ ۱۳ سال سے بزنس میں ہیں۔ ان کے دو چھوٹے بھائی انیس سال  
 اور نندرا احمد بھی بزنس میں ان کے ساتھ ہیں۔ گذشتہ دس سال سے ان کے  
 دو لڑکے درویش حمید الدین شاہد۔ لطیف الدین خالد اور ان کے بھتیجے  
 رشید الدین حامد اور رئیس الدین ماجد بھی اب ان کے ساتھ ہیں۔ جناب  
 درویش بیات الدین گذشتہ ۲۵ سال سے آئندہ رپرڈیش میں مریض  
 اسکی ایشن کے صدر ہیں اور اجمالی حال میں ان کو آل انڈیا فیڈریشن  
 کا سیرنائب چیرمین منتخب کیا گیا ہے اور وہ آئندہ سال فیڈریشن  
 کے چیرمین کا عہدہ سنبھال لیں گے۔ ان کی چائے کے دو بیٹا لڑا چائے  
 اور لہسا چائے بفضل تعالیٰ ہندوستان اور بیرون ملک کافی مشہور ہیں  
 بفضل تعالیٰ ہول سیل بزنس میں بھی آج ان کا نمبر پہلا ہے ان کی کمپنی  
 کی طرف سے ہر سال رمضان المبارک کے موقع پر دینی کتب شائع کرا کر  
 --- مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں سلام

سرحد کاٹیناٹ کے پرچے بھی طبع کروا کر مفت تقسیم کرتے ہیں ان کی کبھی  
 کاجانب سے گزشتہ دس سال سے ہائی اسکول لڑکے لڑکیوں کے لئے مفت کتابی  
 کوٹیز مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں اور جیتنے والے لڑکے لڑکیوں میں  
 انعامات اور تحفے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جناب درویش غیاث الدین  
 کو کافی ایوارڈس حاصل کیے ہیں۔ احمد جمہور ٹیچر ڈاکٹر شکر دیال  
 شرما۔ گورنر آف ہراپر دیش۔ چیف منسٹر آف ہراپر دیش مسٹر چندر بابو  
 نامیدو اور کئی نامور سیاست دانوں کے ہاتھوں انھیں ایوارڈز ملے ہیں  
 جناب درویش غیاث الدین کے ایک فرزند درویش روف الدین صاحب  
 امریکہ میں ڈاکٹر ہیں۔ گزشتہ ۵ سال قبل جناب درویش غیاث الدین  
 کی ہائی پاس سرجری امریکہ میں ہو چکی ہے اور اب وہ بہت صحت مند اور  
 چاق و چوبند ہیں۔ جناب درویش غیاث الدین کے داماد سوری علی  
 ریاض میں ڈاکٹر ہیں۔ میری دعا ہے کہ سرور دگار عالم ان پر اور ان کے  
 اہل خانہ پر ہمیشہ مہربان رہے اور اسی طرح نورو نکہت سے ان کا دامن  
 بھرتا رہے۔

# اشر غوری

نئی فکر اور نئے لب و لہجے کے باشعور شاعر

پوری ہنرمندی کے ساتھ اپنی فکر و خیال کی تازگی کو محسوس کرنے والے اور نئے لفظوں کو اپنے اشعار میں سلیقے سے برتنے والے یوں تو بہت سے شاعر مل جائیں گے لیکن کم استعمال کئے جانے والے الفاظ کو شعری زبان دینے والے کم ہی ملیں گے۔ اس طرح کے شاعروں میں 'میں' نے حیدر آباد میں 'اشر غوری' کو بھی دیکھا ہے۔ اشر غوری اپنی طرز کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اشر غوری کی شاعری میں معاشرہ کے ایسے مسائل جو فی الفور بہت زیادہ توجہ چاہتے ہیں

نبہایت مددگی کے ساتھ اپنے شعری پسگردوں میں ڈھالتے ہیں۔ ان کی شاعری میں روزمرہ کے مسائل اپنا اصلی رنگ و روپ میں بلبس گئے ان کے اشعار میں بعض مقامات پر کچھ ایسے الفاظ بھی کھائی دیتے ہیں جو عام طور پر شعری زبان سے تعلق نہیں رکھتے اور جو سننے اور پڑھنے میں غیر شاعرانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے پاس بھرپور معنویت کے

ساتھ جلوہ گر رہتے ہیں۔ ان کی شاعرانہ فذ و قیمت کا سرچشمہ ان کا  
 کلاسیکی شعری ادب رہا ہے۔ ان کے استاد محترم علامہ نجم آفندی  
 خود ایک اعلیٰ درجہ کے کلاسیکی شاعر تھے۔ اشغوری، علامہ نجم آفندی  
 کا نام روشن کرنے والے شاگرد کی حیثیت سے اچھا خاصا نام کا چکے ہیں  
 ان کا کلام سننے کے لئے سامعین منتظر رہتے ہیں۔ اشغوری کا تاحال  
 صرف ایک ہی مجموعہ کلام "بوند بوند روشنی" (۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا ہے  
 اس مجموعہ کے بعد انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ اگر وہ مزید مجموعے شائع  
 کرنا چاہیں تو ۲، ۳ مجموعے بہ یک وقت شائع کر سکتے ہیں۔ اشغوری  
 آر۔ ٹی۔ سی میں کٹر و لور کی خدمت سے فائز تھے۔ ان کی ساری ملازمت  
 اضلاع میں رہی۔ جس کی وجہ سے وہ حیدر آباد کے بڑے بڑے شاعروں  
 سے بہت دور رہے۔ شہر کے مشاعروں میں کم کم ہی شریک ہوا کرتے  
 تھے۔ ادھر کچھ برسوں سے بعض اہم مخصوص محفلوں میں شرکت کرتے  
 ہوئے اپنے بہترین کلام کے جوہر دکھلا رہے ہیں خاص طور پر ادارہ میرا  
 شہر میرے لوگ، سوغات نظر، ایوان پرنس معظما جاہ شہید، خورشید  
 احمد جانی میموریل اکیڈمی اور بزم جوہر کے ادبی و شعری مخصوص محفلوں  
 میں لازمی طور پر شرکت کرتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں میں بھی  
 مدعور رہتے ہیں۔ چاہے وہ طرحی مشاعرے ہوں کہ غیر طرحی اپنے بہترین  
 کلام کا بھرپور ناشر چھوڑ جاتے ہیں۔ اشغوری شہر کے ایک کہنے مشق  
 اور سینئر شاعروں میں ایک منفرد و اہم مقام بنا چکے ہیں اکثر مشاعروں



میں کہیں حسد نہ ہو کہیں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جلوہ افروز رہتے ہیں  
 باطن کی طرح ان کا ظاہر بھی پاک و شفاف ہے ان کا لباس بھی شرکاء  
 محفل کو متاثر کرتا ہے شاندار سوٹ پہنتے ہیں، پیٹ شٹ  
 میں بھی دکھائی دیتے ہیں خاص خاص موقع پر شیروانی زیب تن  
 کئے ہوئے نظر آتے ہیں نفیس، با سلیقہ اور بہترین شخص کی  
 حیثیت سے اپنے دوستوں میں شہرت رکھتے ہیں شہر کے بہت سے  
 شاعروں سے ان کے روابط ہیں اس کے باوجود بہت کم شاعروں سے  
 بے تکلف رہتے ہیں۔ البتہ اپنے خاص خاص دوستوں سے کھل کر  
 ملتے ہیں۔ مزاج میں ظرافت ہمہ جہت لطائف کہتے ہیں، لطائف سن کر  
 بے ساختہ ہنستے ہیں اور بعض قصص میں طبعیوں میں کچھ لفظوں کو  
 اس طرح جوڑ دیتے ہیں کہ وہ لطیفہ دو آشت ہو جاتے ہیں۔ اثر  
 غوری کو پسند ہے کہی ما اس پیش دیکھا۔ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ کئی  
 برس پہلے جام و مینا کی رفاقت نے انہیں کافی بگاڑ دیا تھا۔ جس زمانے  
 میں ان کا رویہ دوستوں کے ساتھ اور معاشرہ کے بہترین لوگوں کے  
 ساتھ بھی قابل اعتراض رہا کرتا تھا۔ بلا کے مئے نوش تھے۔ خدا کا  
 کچھ ایسا کرم ہوا کہ انہوں نے ایک سخت مئے کٹی ترک کر دی۔ اثر غوری  
 سے میں زائد از ۲۰ برس سے واقف ہوں۔ پُرانا شہر کے مشاعروں  
 خاص طور پر علامہ نجم آفندی کی زیر نگرانی ہونے والے مشاعروں میں  
 کلام سنتے تھے۔ میں بھی ان مشاعروں میں کلام سناتا تھا۔ اثر غوری

کی ابتدا میں شاعری کا ایسی انداز کی شاعری تھی نہ تو ان کی شاعری میں عمری مسائل نمایاں نظر آ رہے تھے نہ لفظیات سنسنی خیز شاعروں کی طرح کلام کی طرز کی شاعری کیا کرتے تھے لیکن ادھر ۳۰، ۳۵ برس بعد ان کا شاعرانہ لب و لہجہ بالکل بدلی گیا ہے قدیم اسلوب بالکل ترک کر چکے ہیں۔ اشرف غوری کی شاعری کا انگریز غور کمطالو کیا جائے تو یہ انداز ہو گا کہ ان کا لہجہ شعر بھی بھرنی کا نہیں ہوتا۔ ہر شعر میں کچھ ایسی بات کہہ جاتے ہیں کہ تمام سامعین چونک پڑتے ہیں اور یہ محسوس کرنے سے کہ یہ اشعار تو ہمارے دلی کیا بیات کے ترجمان ہیں جن لفظوں کو شعر شاعر دل سے استعمال نہیں کیا ان لفظوں کو اشرف غوری نے سلیف کے اس طرح استعمال کیا ہے کہ غور معنی کی نوعیت میں بدل گئی۔ مجھے اشرف غوری کی شاعری اس لئے ہم پسند ہے کہ انہوں نے شاعری لفرجا نہیں کی۔ اشرف غوری کا کلام ملک کے ادبی رسائل کے علاوہ شہر کے اہم اخبار سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری کو ایک ساتھ شراج پیش کیا جائے۔ مجھے اشرف غوری کو بعض ایسے اشعار کے مشاعروں میں بھی سننے کا اتفاق ہوا جہاں وہ اپنی مدہوشی سے مشاعرہ کی خوشگوار فضا کو۔۔۔ بگاڑ دیتے تھے۔ مجھے اس سلسلے کا ۳۵ برس پہلے ضلع سنگا بیڈی میں۔۔۔ منعقدہ ایک مشاعرہ یاد آ رہا ہے۔ ممتاز صوفی الودادیب نے مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا مشاعرہ میں کلثوم ضلع کے علاوہ مختلف محکموں کے اعلیٰ عہدہ دار بھی

موجود تھے۔ اشعروری نے اُس مشاعرہ میں کچھ زیادہ ہی پی پی لی تھی۔ مجھے  
اُس وقت اشعروری کی حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوا تھا۔ میں  
دل ہی دل میں یہ سوچتا تھا کہ اتنا اچھا شاعر کیوں اپنے آپ کو  
تباہ کر رہا ہے۔ اُس وقت میں نے یہ بھی غور کیا کہ اگر یہ شاعر  
میں نے نوشی نرک کر دے اور آدابِ مشاعرہ کو پیشِ نظر رکھنے ہو  
دوسرے شاعروں کی طرح شاعروں میں شریک نہ رہے تو یہ  
شاعر بہت شہرت پا سکتا ہے۔ میں نے اشعروری کو اُس وقت اپنی  
محفلوں میں مدعو کرنا شروع کیا جب وہ جام و مینا سے اپنا رشتہ توڑ  
چکے تھے اب وہ ہمارے مشاعروں کے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ ان کے  
بغیر مشاعروں میں لطف بھی نہیں آتا۔ اشعروری ہمارے مشاعروں  
میں لازمی شاعر کی حیثیت سے مدعو کئے جاتے ہیں وہ ہر مشاعرہ میں اکثر  
دفعہ نئی غزل سناتے ہیں۔ لیکن ان کی پرانی غزلیں بھی رلف دے جاتی  
ہیں۔ غزلیں مجاری ہوتی ہیں دوبارہ سننے پر نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر  
کوئی صاحبِ مشاعرہ میں اُونگ بھی رہا ہو تو وہ اشعروری کی غزل سے مطلع  
پرسیں جو ننگ جانتے ہیں اور اُس کی نیند اڑ جاتی ہے پوری طرح متوجہ  
ہو جاتے ہیں۔ اشعروری کی غزلوں کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے وہ اپنی  
کئی ہوئی بات کو دہرانے نہیں ہر بات نئی کہتے ہیں اور سنیے سے کہتے ہیں  
عموماً ہمارے شعراء طرہی غزلیں کہنے سے گریز کرتے ہیں لیکن اشعروری اپنی  
طرہی غزلوں سے بھی شریکِ محفل کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اشعروری نے

جو شاعر سے اردو میں درجہ اول میں ایم اے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے تمام بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کی شریک حیات شعبہ درس و تدریس سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے گھر کا ماحول علمی، دینی اور ادبی ہے اضلاع کے مشاعروں میں اشغوری کا ساتھ رہا ہے ہم ۶۵ء ہم خیال شاعر ذریعہ کار اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اشغوری اضلاع کے مشاعروں میں کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ موٹر کار کا سفر خوشگوار رہتا ہے سینے بہانے سفر طے ہوتا ہے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے دوران سفر ایک دوسرے کو اپنا کلام سنایا ہو۔ البتہ شعر و ادب کے موضوع پر گفتگو ہوا کرتی ہے لیکن زیادہ وقت تقریبی ہوڈ میں گزر جاتا ہے۔ اشغوری کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے ہی نہیں، رخ دور درشن کے ذریعہ بھی ادب دوست خواتین و حضرات تک پہنچ جاتا ہے۔ شعر گفتی سناتے ہیں۔ سنانے کا انداز متاثر کن ہوتا ہے۔ محفل پر چھا جاتے ہیں شہر کے تمام اہم دانشوروں، شاعروں ادیبوں اور صحافیوں سے ان کے مراسم ہیں۔ شہر کے مہذب شہریوں میں ان کا شمار ہونکتہ شہر کے نامتو شاعرے پڑھنے میں۔ کمالپور ڈیرہ حاصل کر چکے ہیں۔ راج بھون میں گورنر صاحب کی دعوت پر مشاعرہ پڑھنے کے علاوہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما کو بھی اپنا کلام سنا چکے ہیں وہ ایوانِ اردو اور انجمن نرئی اردو کے تمام مشاعروں میں مدعو رہتے ہیں مشاعروں میں وقت پر آتے ہیں اور اختتام محفل

تک موجود رہتے ہیں۔ اپنا بہترین کلام سناتے ہیں دوسرے شاعروں کا  
 کلام توجہ سے سنتے ہیں چاہے حکم پختے میں مگر پان زیادہ کھانے  
 ہیں۔ عام طور پر پان میں زردہ زیادہ استعمال کرتے ہیں  
 ہم مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اس زہر سے اجتناب کریں —  
 اشتر غوری ایک پسندیدہ شاعر ہیں اور یقین ہے کہ وہ  
 تمام حیات اہم شاعر ہی رہیں گے۔ وہ ایک مقبول شاعر ہوتے  
 ہوئے بھی اپنے ابتدائی دور کے غیر شہرت یافتہ شاعروں سے  
 بھی ملتے رہتے ہیں۔ اشتر غوری کا یہ بھی ایک طرف ہے اور یہ ان  
 کے کردار کی بلند یہ ہے کہ وہ اپنے قدیم دوستوں سے کنارہ کش نہیں  
 ہیں لیکن وہ علامہ اقبال کے اس شعر سے بھی متفق ہیں  
 اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسیان عقل  
 لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

# حسن فرخ

(ذہین و فطین شاعر، طنز و ادیب و صحافی)

کشمکشِ حیات نے نہ جلنے کتنے لوگوں کو مختلف النوع حالات اور نت نئے امتحانات سے دوچار کیا ہوگا۔ ویسے ہی ہر شے یوں ہی حاصل نہیں ہوتی۔ کسی شے کو پانے کے لیے ہر انسان کو میدانِ عمل میں اپنی پوری صلاحیتوں کو سیدھے کارلاتے ہوئے مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے بہترین مستقبل کو ستوارنے کے لیے ہر انسان کو دھوپ چھاؤں، اُجھاؤں، اندھیروں، آسائشوں، پریشانیوں، راحتوں، تلخیوں، سہولتوں، دشواریوں، صبح و شام کی کئی الجھتوں اور پھاند کی نرم نرم چھاؤں اور سورج کی تہارت سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ اگر کوئی انسان مشکل سے مشکل حالات کا سامنا کرتے ہوئے زندگی کے نشیب و فراز کو اپنا ہم سفر بنالیتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس کی زندگی میں جتنی مشکلات

اور اپنی صلیب جیتوں سے انجانوں کا سفر طے کرنے والے بہت ہی کم بابے  
 عرصے کے بعد مہتمن زندگی گذارتے ہیں۔ ایسے حالات سے ہر دم زماں  
 کرنے والے لوگ اپنی زندگی کے سفر میں کسی سایہ وار درخت کی تلاش  
 میں رہتے ہوئے بھی حالات کی تپیش و بانوس و باخبر رہتے ہیں۔  
 اس طرح کے بعض شناسوں اور دیدہ وروں میں ایک نام حسن فرخ  
 کا لکھ ہے جو ایک بہترین شاعر و ادیب اور ایک نامور صحافی کی حیثیت  
 سے شہرت رکھتے ہیں اور عام لوگوں کے علاوہ اپنے حلقہ احباب میں  
 بھی اپنی میاں روی اور ضلع کل طریقہ زندگی کی وجہ سے پسند کیے جاتے  
 ہیں۔ حسن فرخ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بہت ہی نامور حالات میں کیا  
 اپنے سماجی حالات کی بہتری کے لیے انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ زندگی  
 کی کئی پڑتلیج راہوں سے ان کا گزر ہوا ہے۔ شاعری حیثیت سے ان کو اپنی  
 پہچان بنانے کے لیے شہر کے ایک حلقہ جدید نے جو بعد میں "حلف" کے نام سے  
 شہرت پائی، بڑا سہارا دیا۔ لیکن یہ سہارا صرف والہنگی کی حد تک ہی  
 رہا۔ اگر کسی قلم کار میں خداداد صلاحیت وجود میں تو صرف سہاروں پر اس  
 کی شہرت کا دار و مدار نہیں رہتا۔ حسن فرخ کو اردو روزنامہ "رہنمائے دکن"  
 سے ربط خاص کی وجہ سے صافح، شاعری و ادبی، علمی و ثقافتی میدان میں  
 قدم بڑھانے کے مواقع ملتے رہے۔ عافیت کی دنیا میں ایک بہترین صحافی  
 کی حیثیت سے اپنا مقام بنایا۔ کئی برس تک "رہنمائے دکن" سے وابستہ  
 رہے۔ جہاں تک شعر و ادب کی نگریہوں کا تعلق ہے حسن فرخ صاحب

اپنے ایک مخصوص حلقے سے رشتہ رکھنے کے باوجود شہر کے تقریباً تمام مکتب خیال کے شاعروں، ادیبوں سے اپنے مراسم کو استوار رکھا۔ شہر کی بعض ادبی انجمنوں اور اداروں کی سرگرمیوں میں جب کبھی ضرورت محسوس کی گئی حصہ لینے رہے۔ حسن فرخ صاحب جیسے شہر کے بعض نوجوان شاعروں کو نامور شاعر و صحافی جناب سلیمان اربیب کی سرپرستی سنہ ہی بڑا حوصلہ دیا۔ وہ انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ مخدوم محی الدین اور خورشید احمد جاتی کی شخصیت اور شاعری سے متاثر ہونے والے نوجوان شاعروں نے بھی شری ادب میں اپنا نام کما یا ہے۔ ایک ایسا شاعر و ادیب جو اپنے دور کے ادبی و تہذیبی تقاضوں کو پورا کرنا ہو اس کو میدان شعر و ادب میں اپنا مقام بنانے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ رہنمائے دکن کے مدیر علی جناب لطیف الدین قادر نے ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی میں کبھی کمی نہیں کی۔ وہ حسن فرخ کی صحافتی صلاحیتوں کے متوقف نہ تھے جبکہ حسن فرخ نے صحافتی میدان میں پہلا قدم رکھا تھا۔ چھٹی رباعی میں حیدر آباد میں نئے لکھنے والے نوجوانوں کا ایک حلقہ افصح شعر و ادب پر نمودار ہوا تھا۔ اسی زمانے میں مشہور افسانہ نگار اعظم لڑھی کا ماہنامہ ”پیکر“ شائع ہونا شروع ہوا تھا جس میں حیدر آباد کے نوجوان شاعر و ادیب کی تخلیقات خصوصیت کے ساتھ شائع ہوتی تھیں ”پیکر“ کا ابتدائی آفس جبریل لہریٹ آفس عاید کس سے منتقل عمارت کے ایک کمرے میں تھا اس کے بازوی احمد علی و آصف علی صاحب کا ایک بہت بڑا ایک مثال



تھا جہاں ملک بھر کے ادبی رسائل موجود رہتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک قدیم و جدید شاعروں، ادیبوں کا جھگڑا رہتا تھا۔ میں بھی اُس بک اسٹال پر اکثر سر شام جایا کرتا تھا وہاں قدیم و جدید قلم کاروں اور صحافیوں سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی وہاں حسن فرخ صاحب سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ”پیکر“ میں بھی میری غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ انہی دنوں جدید قلم کاروں کی جانب سے گاندھی جھون تھیٹر میں ایک یادگار ادبی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا اُس دور کے نوجوان شاعروں کے ساتھ میں نے بھی اپنا کلام سنایا تھا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ایک سونیئر بھی شائع ہوا تھا جس کے سرورق پر منتخب قلم کاروں کے دستخط ثبت تھے اس سرورق پر بھی میرا نام تھا۔ جناب حسن فرخ نے ۱۹۶۰ء میں ”سنگینے“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں میری غزل بھی شامل تھی۔ حسن فرخ اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔ جب جدید شاعروں نے حمید رہیاد لہری فورم (حلف) کے نام سے ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں لایا تو اس کے بانیوں میں حسن فرخ بھی شامل رہے مختلف اوقات میں حلف کے سکریٹری اور نائب صدر بھی رہے اب بھی حلف سے ان کی وابستگی برقرار ہے۔ حسن فرخ جب اردو اکیڈمی آنڈ نعر ابدرشیں سے وابستہ ہوئے تو شہر کے بہت سے شاعروں ادیبوں سے ان کے مراسم بڑھنے لگے۔ ڈائریکٹر اردو اکیڈمی جناب چنڈا سرپتو

کے زمانے میں پی آر اے کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اردو اکیڈمی کی قدیم و جدید سرگرمیوں سے وہ پوری طرح واقف ہیں۔ اکیڈمی کے خوشگوار و نفاذ شدہ حالات کے زمانے میں اپنی پوزیشن پر کسی قسم کا حرف اُس نے نہیں دیا۔ بلکہ اپنی حکمت عملی سے سربراہان اکیڈمی کے ساتھ تعاون کیا۔ خالص ادبی و سیاسی نوعیت کی خط و کتابت کے ذریعہ اُن کی مددبرانہ نحو پروں نے اکیڈمی کی بہترین خدمت کی۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ساری اہم مراسلت کی صورت گری میں حسن فرخ صاحب ہی نمایاں رول ادا کرتے ہیں۔ ذمہ دارانِ اردو اکیڈمی ان کے مسودات کو بہ جنسہ منظور کرتے ہیں یا جزوی ترمیم کے ساتھ۔ اردو اکیڈمی سے اپنی مستقل وابستگی کے باوجود بھی وہ رہنمائے دکن کے مدیر جناب وقار الدین کی وقتاً فوقتاً معاونت کرتے رہتے ہیں۔ آج بھی وقار الدین صاحب سے اُن کے دوستانہ مراسم ہیں۔ اردو اکیڈمی میں آصف والا ہر شاہ و ادیب حسن فرخ صاحب سے لازماً ملاقات کرتا ہے میں خود بھی جب کبھی اکیڈمی جاتا ہوں تو حسن فرخ صاحب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اکیڈمی سے میری وابستگی بہت دیرینہ ہے جب اکیڈمی کا قیام ۱۹۷۶ء عمل میں لایا گیا تو جناب عابد علی خان صاحب مدیر ”سیاست“ صدیق مجلسِ عالمہ، ویاستی و مدیر قانون جناب آصف پاشا صدر اکیڈمی اور جناب بھارت چند گھنہ ریٹائرڈ آئی اے ایس سکریٹری اکیڈمی تھے۔ ان دونوں اکیڈمی کا آفس سکریٹریٹ کے قریب اے جی آفس کے سامنے واضح

غارت میں تھکا عابد علی خان صاحب کی خواہش پر اکیڈمی میں اس وقت  
 کام کرنے والے اہل کاروں کی دفتری کام کے سلسلے میں نہیں مدد کرتا رہا  
 میں اکیڈمی کے آفس کو پینچ کے دوران جایا کرتا تھا۔ میں ۱۹۹۲ء میں  
 رکن بورڈ آف گورنر رہا ہوں۔ مسعود بن سالم کی ڈائریکٹری اور  
 جلیل پاشاہ صاحب کی صدر نشینی کے زمانے میں اکیڈمی میں میرا آنا  
 جانا کچھ زیادہ ہی رہتا تھا۔ جلیل پاشاہ ہر ادبی تقریب میں مجھے صحت  
 کے ساتھ مدعو کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں بہت سی ادبی تقاریب کے موقع  
 پر وہ مجھ سے مکمل تعاون حاصل کرتے تھے۔ حسن فرخ صاحب سے میری رسم و  
 راہ اُردو اکیڈمی سے اُن کی وابستگی سے بہت پہلے کی ہے ہم دونوں نے  
 شہر کے نئی مشاعرے ایک ساتھ پڑھے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حسن فرخ  
 صاحب مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔ اب بھی وہ مخصوص  
 اور اہم مشاعروں ہی میں اپنی شرکت پسند کرتے ہیں۔ حسن فرخ کے حلقہ  
 احباب میں شہر کے تقریباً تمام شعراء ادیب شامل ہیں وہ ہر شاعر  
 ادیب سے اُن کے مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے رد و ابط رکھتے ہیں۔ ملاقاتیں  
 اور دوستیوں کے درمیان فرق کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا  
 اعتراف ہے کہ اکیڈمی کے مختلف اجلاسوں میں میری شرکت کے لئے حسن فرخ  
 معاون رہے ہیں۔ شعراء کے مسودات اور مطبوعات کی کمپنیوں میں  
 میری شمولیت اور نچلی حیثیت سے میری خدمات کے لیے حسن فرخ صاحب دلچسپی  
 لیتے رہے ہیں۔ حسن فرخ صاحب سے میرے دیرینہ دوستانہ مراسم ہیں۔

میری شعری و ادبی سرگرمیوں کے علاوہ وہ میرے دوستانہ مراسم کو بھی اہمیت دیتے رہے ہیں۔ زندگی کے مختصر و طویل سفر میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو یاد بھی رہتے ہیں اور نہیں بھی۔ میں سکریٹریٹ میں اپنی ملازمت کے دوران اپنے بہت سے دوستوں اور کرم فراڈوں کی کارروائیوں کے سلسلے میں تعاون کرتا رہا ہوں۔

حسن فرخ صاحب ایک دن ایک قدیم اور اہم جی۔ او کی حصصوں کے لیے سکریٹریٹ آئے تھے۔ وہ جی۔ او جنرل اڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ حسن فرخ صاحب سے ان دنوں میری سرسری ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ویسے بھی میں کسی شخص کے ساتھ مراسم کی بنیاد پر تعاون نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی اجنبی شخص بھی مجھ سے سکریٹریٹ کے کسی نجی حکم سے متعلق کارروائی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش کرتا تو میں بلا تامل مدد کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ میرے توسط سے اگر کسی شخص کی مدد ہو جاتی تو مجھے خوشی ہوتی تھی۔ حسن فرخ صاحب سکریٹریٹ پہنچنے کے بعد میرے سکشن (پنچایت راج ڈیپارٹمنٹ) میں آئے اور مجھ سے اُس جی۔ او کی فراہمی کے لیے خواہش کی۔ اہتوں نے کہا کہ میرے کسی عزیز کو ان کی ملازمت کے سلسلے میں اُس جی۔ او کی سخت ضرورت نہ تھی۔ جی او کی کاپی حاصل کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ میں آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔ میں فوراً حسن فرخ صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر جی او پیہونچا۔ حسن اتفاق سے متعلقہ سکشن آفیسر جو علاقہ آندھرا سے تعلق رکھتا تھا میرا

دور سے تھا۔ اُس نے کافی تلاش کے بعد مطلوبہ جی او کی کاپی فراہم کی۔  
حسن فرخ صاحب نے اس جی او کی کاپی پا کر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔  
جب کبھی کسی ادبی حلقہ میں مجھ سے متعلق مثبت یا منفی نوعیت کی گفتگو  
ہوتی ہے تو حسن فرخ صاحب میرے اس تعاون کا ضرور تذکرہ کرتے  
ہیں یہ بات اکثر دفعہ اہنوں نے مجھ سے کہی۔ حسن فرخ صاحب ادبی  
حلقوں میں ایک متوازن طبیعت کے حامل قلم کار کی حیثیت سے مشہور  
ہیں۔ اکیڈمی میں اہل غرض لوگوں کی ممکنہ حد تک مدد کرتے ہیں۔ اپنے احباب  
کے ساتھ اُن کے خوشگوار مراسم ہیں۔ حسن فرخ کچھ عرصہ تک ای ٹی وی  
کے نیوز ایڈیٹر رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہاں کا موسم ان کے لیے سازگار  
نہیں رہا۔ اس لیے وہ اردو اکیڈمی لوٹ آئے اور اپنی قدیم کرسی  
(پی آر او) پر فائز ہیں۔ جہاں وہ حسبِ معمول، حسبِ سابق اکیڈمی  
کی سروسز سرگرمیوں کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ اکیڈمی کی  
بہتر کارکردگی کے سلسلے میں محمد علی الدین شریف چیف کاؤنسلر اور سینئر  
سوپر وائزر محمد عمر صاحب کا انہیں بھرپور تعاون حاصل ہے۔ میں نے  
یہ محسوس کیا ہے کہ اکیڈمی کے دیگر اسٹاف میں یہ دونوں شخصیتیں اپنی  
ذمہ داریوں کو ہتھایتی نگاہ اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ نبھا  
رہے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کی خدمات اردو اکیڈمی کے لیے  
شمارِ دو ثابت ہو رہی ہیں۔ سڈو میرا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ یہ دونوں  
شخصیتیں خاص طور پر شہزادوں اور بیوروں کی نصیب طلب کار روایتوں کی

جلد از جلد کیسوٹی کے لیے شخصی دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ شاعروں، ادیبوں سے ان کا انداز گفتگو انتہائی مہذبہ، مدبرانہ اور سلیقہ شعاری کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے یہ دونوں انتہائی بااخلاق ہیں۔ حسن فرخ صاحب کی شہر کے بہت ساری ممتاز شخصیتوں سے رسم و رواج ہے۔ کبھی کبھی اکیڈمی غیر یقینی حالات سے گزرتی رہی لیکن ایسے مواقع پر حسن فرخ صاحب کے تدبیرانہ طرزِ عمل اور شجارت کو انیت حاصل رہی ہے وہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے، آجالوں میں تبدیلی ہوتے رہیں جس شخص کی فکر آئینہ مثال رہتی ہے وہ سوسائٹی میں ہمیشہ پسند کیا جاتا رہے گا۔ حسن فرخ صاحب ایک صاف گو، حقیقت پسند شخص کی حیثیت سے ہمارے معاشرہ کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی کامیاب زندگی کا ایک اہم وصف ان کا متوازن نظریہ حیات ہے اعتدال پسندانہ رویہ انہیں سُرخ رُوئی کی مختلف کیفیات سے استفادہ کے مواقع فراہم کر رہا ہے حسن فرخ صاحب شاعروں میں عزیز ہیں ہی سناتے ہیں اگرچہ حسن فرخ صاحب جدید حلقہ شعراء میں وابستہ ہیں لیکن انکی عزیز ہیں کلاسیکی شعری ادب کی بھرپور رہنمائی کرتی ہیں انکے دو مجموعہ کلام ٹوٹا ہوا واسطہ اور عالمِ بے علم شائع ہو چکے ہیں۔ بہترین نظموں کے ساتھ ساتھ بہت ہی پُر اثر و اثر بھی لکھتے ہیں انکے ادبی مضامین انکے تلخ علمی کے آئینہ دار ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی شاعری کی طرح اپنی تحریروں کو بھی اپنی تشہیر کا ذریعہ بنانے سے گریز کرتے ہیں۔

# علی الدین نوید

(ذہین و باصلاحیت مفرد لہجے کا مقبول شاعر)

حیدرآباد میں میرے ہم عمر شاعروں کے بعد جن شاعروں نے شاعری ادب میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلایا ہے اُن میں ایک اہم نام علی الدین نوید کا بھی ہے۔ علی الدین نوید رشتہ میں میرے بھائی تھے۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہمنما آباد ضلع بیدریں چیداہوٹے سے ان کے والد محترم محمد یاض الدین تعلقہ ہمنما آباد ضلع بیدریں کے ایک معروف علی ادبی گھر سے تعلق رکھتے تھے۔ علی الدین نوید کے داراجنب محمد علیم الدین منتظم پوسٹ تھے جن کا محلہ نورخاں اکھاڑے میں بہت بڑا مکان تھا۔ اپنے بچپن میں اکثر میں اپنی بہن سے ملنے اُن کے گھر جایا کرتا تھا وہ مجھے بہت عزیز رکھتی تھیں۔ علی الدین نوید کے والد ماجد ایک کامیاب تاجر تھے۔ علی الدین نوید کے ننھیال میں زیادہ تر مونس میں اور ملازم صحرکار تھے ان کے نانا عبدالمجید (میرے حقیقی ماموں) کا پیشہ درس و تدریس ہے۔

تعلق تھا۔ وہ اپنے دور کے بہت اچھے استاد تھے علی الدین نوید کی والدہ ماجدہ عظمت النساء میری والدہ محترمہ کی بہت چہیتی بھتیجی تھیں میری بہن اپنی بھوپتی سے بہت قریب تھیں۔ وہ اپنے بھین میں میری والدہ کے پاس زیادہ رہتی تھیں۔ علی الدین نوید کے عین بھائی ہیں محمد قیام الدین، محمد مصلح الدین اور محمد وقار الدین (وقار ریاض) وقار ریاض بہت ہی اچھے شاعر ہیں جو گلبرگ میں آرٹ سی ڈپارٹمنٹ میں کنٹرولر ہیں۔ علی الدین نوید کی ابتدائی تعلیم ہمنہ آباد میں ہوئی ہمنہ آباد ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کیا۔ ہائی اسکول میں ان کے استاد سید شاہ علی الدین کینج نیشن نے ان کے ذوقِ ادب کو محسوس کرتے ہوئے رہنمائی کی۔ سٹی کالج حیدر آباد سے بی۔ یو سی (انٹرمیڈیٹ) کیا۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ ایس اور بی ایڈ کی ڈگری لی۔ کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ۱۹۷۴ء میں ایم اے کی ڈگری لی اور بہرہ حیثیت ٹیچر مصلح پریشد ہائی اسکول نمس آباد اور بونٹن پل میں سائنس اور انگلش پڑھاتے رہے۔ ان دنوں گورنمنٹ کالج جنوب نگر میں اردو پکھر کی خدمت پر فائز ہیں۔ پولیس ایکشن (ستمبر ۱۹۷۸ء) کے دوران فوج اور غیر ساقی عناصر پر لے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کے درپے ہوئے تو بہت سے مسلم خاندان سراپائی، خوف و دہشت کے ماحول میں اپنے اپنے گھروں، گاؤں، اضلاع کو چھوڑ کر جو بھی سواری اُس وقت مل سکتی تھی اُس کے ذریعہ حیدر آباد کی جانب روانہ ہوئے راستے میں بنگل کے قریب



ہر نئی ٹکاؤں میں جب یہ قافلہ مسکنے کے لیے رک گیا تو غیر سابی عناصر  
 نے ہلہ بول دیا ایک ہندو کے گھر میں ان کے افراد خاندان ٹھہرے۔ کچھ ان  
 بلوچیوں ان سے رویہ اور زیورات چھین لیا اور بڑی لے رچی کے ساتھ ان  
 کے والد اور ان کے دو چچاؤں اور دو اہل خاندان کو شہید کیا گیا۔  
 اس حادثہ نے کئی دنوں تک علی الدین نوید کے اہل خاندان کو سنبھلنے نہیں دیا۔ اس حادثہ  
 جانکاہ کے بعد بڑی مشکل سے علی الدین نوید کا خاندان مجید آباد پہنچا  
 جہاں وہ میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ المصطفیٰ صاحب کبیر آباد کے مکان  
 واقع دبیر پورہ میں مقیم رہے۔ پولیس ایکشن میں بچنے والے کچھ چچا احمد  
 عطاء الدین کی سرپرستی، شفقت حسین کی نوید کا زندگی پر گہرا اثر رہا۔ ان کے  
 بھائی قیام الدین نے تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں اپنے تمام افراد خاندان کا لوجہ  
 اپنے نازک گاندھوں پر اٹھالیا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کی تعلیم و  
 تربیت میں بے مثال رول انجام دیا۔ دیگر اہل خاندان بھی  
 غیر معمولی خدمت کی۔ والدہ ماجدہ ایک نہایت متقی پرہیزگار  
 خاتون تھیں۔ علی الدین نوید تقریباً ۱۵ سال سائنس اور انجینئرنگ  
 کی تدریس کے ٹرائسٹوں انجام دینے کے باوجود بھی اردو ادب اور فکر و  
 فن سے ان کی وابستگی برقرار رہی۔ بی۔ بی۔ سی کے دوران عثمانیہ  
 یونیورسٹی کے سائنس کالج میگزین "سائنٹیفک" SCIENTIA کے  
 مدیر بھی رہے۔ دو جواں سال شادی شدہ بھینوں کی اچانک رحلت  
 والدہ ماجدہ کا انتقال اور اپنے ۱۲ سالہ بیوہ اور فرزند تنویر نوید کی

حادثاتی موت نوید کی زندگی کے وہ ناقابل فراموش سانحے ہیں جو نازہ  
 زخموں کی صورت آج بھی اُن کے دل میں چمکتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کے بعد  
 جدید لب و لہجے کے جن شعرا نے اپنی ایک الگ پہچان بنائی اُن  
 میں علی الدین نوید ایک منفرد اور نمایاں مقام کے حامل ہیں اُن کی  
 شاعری میں عمری آگئی اور نئی حیثیت کے نام پر کہیں لفظوں کی  
 شعبہ بازی نظر نہیں آتی۔ علی الدین نوید کی شاعری میں جدید طرز  
 اظہار اور کلاسیکی رچاؤ کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ  
 اُن کا کلام خاص و عوام میں مقبول ہے اُن کا ابتدائی کلام صبا، شاعر،  
 تحریک، پیکر میں مستقل طور پر شائع ہوتا تھا۔ ہندوپاک کے نو خراج  
 شب خون، شہر و حکمت، ناظر، دوشیزا، شیرازہ، قومی زبان، سبکس  
 کے علاوہ نیویارک ٹائمز، ٹائمز، گو میں بھی تخلیق شائع ہوتی رہی ہیں اخبار  
 سیاست میں اُن کا کلام انوار کے ایڈیشن میں شائع ہوتا تھا اور  
 ابھی کچھ کچھ شائع ہوتا رہتا ہے۔ "مذہم، فیض، قراق، ارباب"  
 شاہد ہدی، "خار بارہ بنکوی و جد"، "جاں نثار اختر"، "نثر ایمان"  
 ساحر لدھیانوی، "مجرورج سلطانپوری"، "احمد فراز"، "قیس شفائی کے ساتھ"  
 کل ہند مشاعرے پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ سائبر ایڈیٹیو ڈی کی  
 جانب سے کل ہند سطح پر منعقدہ "ہندوستانی مشاعرے" (۱۹۸۹ء) میں  
 انہوں نے جنوبی ہند کی نمائندگی کی ہے قومی سطح پر نظمیں کے موضوعات پر نظموں کے  
 وہ فلم اور ٹیلی ویژن کے لیے بھی گیت لکھے ہیں ایک نظم "مور" آندھرا پردیش

کے نصاب میں شامل ہے۔ علی الدین نوید کی مغز لیں یقیناً اردو شاعری میں ایک خوبصورت اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علی الدین نوید ایک فطری شاعر ہیں انہوں نے اپنی پوری شناخت کے ساتھ اپنی شاعرانہ حیثیت کو منوایا۔ اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں وہ مجھ سے مشورہ سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے نوجوان شاعروں میں علی الدین نوید پہلے شاعر ہیں جو ادبی ٹرسٹ اور شنکڑی میموریل سوسائٹی کے ہر مشاعرہ میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔

جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کو علی الدین نوید کی شاعری بہت پسند تھی۔ جب ادبی ٹرسٹ اور شنکڑی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں کی قبرست پر تنب ہوئی تو اس نہرست میں علی الدین نوید کا نام لازماً شامل رہتا تھا شہر کے معیاری مشاعروں کے علاوہ اضلاع کے مشاعروں میں بھی خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔

علی الدین نوید کے دو شعری مجموعے ”صدف صدف ریت“ (۱۹۷۹ء) اور ”دھواں دھواں چیراغ“ (۱۹۹۳ء) میں شائع ہو کر ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کتابوں پر اردو اکیڈمی انڈیا پریش نے انعام اول سے نوازا ہے شہر کے نمائندہ و مقبول شعور میں ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ علی الدین نوید ہر مکتب خیال کے شاعروں میں مقبول ہیں ان کا رکھ رکھاؤ، ان کی نشست و برخاست سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ اپنے شعری و ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں

علی الدین نوید حیدر آباد کی ادبی انجمن "حلف" (حیدر آباد لٹریچر فورم) کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ مختلف اوقات میں حلف کے مہندہ داروں میں بھی شامل رہے ہیں۔ بہترین شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مبصر و نقاد بھی ہیں۔ شعر و ادب کے ہر موضوع پر انہیں اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ اپنی بات کو نہایت پُر وقار انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ متغزل دلچسپ و سماع دو نواں کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے۔ شگفتہ و مستمتہ رنگ، نثری مسحور کر دیتا ہے۔

انہوں نے ۵۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریر میں منعقدہ جود کے سلسلے میں منعقدہ مشاعرہ (۱۹۹۵ء) میں شرکت کی تھی اس مشاعرہ میں، میں نے بھی شرکت کی تھی۔ جود کے مشاعرہ میں انہوں نے بہت عمدہ اور معیاری کلام شاعرانہ بردست داد و تحسین حاصل کی تھی۔ ان تقاریر میں جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ علی الدین نوید تخت میں کلام سناتے ہیں اور غم کو مٹاتے ہیں علی الدین نوید کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ شہر کی ہر ادبی انجمن کے اربابِ محبت کی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ ان کی محفل میں شرکت کریں۔ علی الدین نوید کا کلام ملک کے ادبی رسائل میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے کفریہ سال سے ان کا کلام نشر ہو رہا ہے۔ دور درشن سے بھی ان کے کلام کی جاہلی پوزیٹیو بیرونی ہے۔ علی الدین نوید ملک کے بعض کل ہند شاعروں میں شرکت کر

اپنے بہترین کلام پر داد و تحسین حاصل کی۔ علی الدین نوید سینئر شاعروں  
 کلبہء احرام اور تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ آداب محفل کا خیال رکھتے  
 ہیں عزتوں۔۔۔ کے علاوہ علی الدین نوید نے بہت عمدہ نظمیں کہیں  
 ہیں وہ دن بہت قریب ہے کہ علی الدین نوید کی شاعری و شخصیت پر  
 منک کی کسی نہ کسی جامو سے ریسرچ کیا جائے گا اور ان کے شایان شان  
 مقالہ تحریر کیا جائے گا۔ علی الدین نوید کا سلاطین عیسیٰ ہے۔ تجربات و  
 مشاہدات کی ترجمانی کرنے والی ان کی شاعری ہزاروں شائقین شعر و  
 ادب کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔ علی الدین نوید کو یہ بھی اعزاز حاصل  
 ہے کہ انہوں نے راج بھون کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا اور راشٹری  
 نیلام میں منعقدہ مشاعرہ (۱۹۹۵ء) میں بھی کلام سنایا۔ جو صدر جمہوریہ  
 ڈاکٹر شکر دیال شرما کی صدارت میں ہوا تھا۔ شہر کے بعض منتخب گلوکار  
 مختلف تہذیبی تقاریب میں ان کا کلام ساز پر پیش کرتے ہیں۔  
 علی الدین نوید حیدر آباد کے نامور شعرا کی اولین فہرست میں  
 شامل ہیں۔ میری یہ دلی تمنا ہے کہ ان کی نذر و منزلت میں اور اضافہ  
 ہو اور خاص طور پر حیدر آباد کے ادبی تعلقے اس باکمال شاعر پر فخر  
 محسوس کریں۔

# نواب نور الدین خاں

(پیرانے شہر کی مہذب شخصیت بہترین دوست، معتبر محقق)

حلم الطبع، وضع دار، پروقا، نرم گفتار، سبک رو، با کردار  
 ردار اور شریف النفس انسانوں کا جن محفلوں میں بھی تذکرہ ہو گا  
 اُن محفلوں میں یقیناً نواب نور الدین خاں جیسے مہذب شخص کا بھی ذکر ہو گا اگرچہ  
 اس طرح کے مہذب لوگ اُن محفلوں میں موجود نہیں رہتے لیکن اُن کی  
 خوبیاں اہم نمایاں اور نیکیاں موضوع گفتگو رہتی ہیں۔ نواب نور الدین خاں  
 یقیناً اس قابل ہیں کہ جن سے یہ تمام باتیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ادبی  
 حلقوں میں ایک معتبر محقق، صاحب ذوق اور محرز شخصیت کی حیثیت سے  
 وہ اپنا یہ بیان بنا چکے ہیں۔ نواب نور الدین خاں کے اسلاف حیدر آباد  
 کے با مشہور صاحبان علم و فضل میں شمار ہوتے ہیں۔ نواب نور الدین  
 خاں اپنے بزرگوں کی روایات کے بہترین نسل کے طور پر اپنی تہذیبی  
 اقدار کے حامل ہیں اور خاموشی کے ساتھ علم و ادب کے کاموں میں مصروف ہیں

میں نواب نور الدین کا ہم محلہ رہا ہوں۔ میں اپنی نئی رہائش گاہ  
 طے پائی میں منتقل ہونے سے قبل محلہ سید علی چوہدرہ درویش لال  
 بازار میں سکونت پذیر تھا۔ نواب نور الدین خان سے کچھ کبھی ملاقات  
 نہوا کرتی تھی اُن سے میری پہلی ملاقات اُس محلہ کی مسجد گم الدین کے دروازہ  
 سر راہ ہوئی تھی۔ یہ کوئی ۳۳ سال پہلے کی بات ہے۔ حکمہ مال میں  
 میرے بہنوئی غوث علی الدین صاحب کے ساتھیوں میں سے ایک  
 ہیں، یہ بات انہوں نے دوران گفتگو بتائی۔ اُن دنوں میرا دوسرا  
 مجموعہ کلام زخموں کے گلاب (۱۹۷۲ء) شائع ہوا تھا۔ اُس کتاب کے  
 سلسلے میں ذوالدین صاحب سے میری گفتگو رہی۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ  
 کا کلام روزنامہ سیاست میں پڑھتا رہتا ہوں۔ اس پہلی ملاقات کے  
 بعد کچھ دنوں تک بر سر راہ سلام علیک کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر کچھ تعلق  
 خاطر بڑھا۔ وہ میرے عزیز قائم تشریف لایا کرتے تھے کچھ علمی و ادبی  
 باتیں ہوتیں کراچی میں مقیم سید آباد کے نامور ادیب استاد خواجہ حمید الدین  
 شاہد کا تذکرہ کرتے ان کے خطوط کے حوالے سے گفتگو رہتی اور ان کی  
 شہرِ اداوت شائع ہونے والے ادبی رسالہ لب رس کا ذکر کرتے۔ زخموں  
 کے گلاب کے بعد میری جتنی کتابیں شائع ہوئیں ان میں آخری خدمت میں روانہ  
 کردہ ہوئے نور الدین خاں صاحب کی بھی تمام کتابیں سیاسی ہو جو ہیں۔ نواب  
 نور الدین خان کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ ہے۔ ایک محقق کی حیثیت سے  
 شہر کے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے ہیں "سیاست" اخبار میں اکثر ان کی

تحریر میں شائع ہوتی رہتی ہیں جو زیادہ تر نیم ادب اور حیدر آبادی لٹریچر پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب نور الدین کے پاس ان کے اسلاف کا بہت بڑا علمی سرمایہ موجود ہے۔ ویسے ان کا مطالعہ بھی قابل رشک ہے۔ نواب نور الدین خان شہر میں ہونے والے اپنی پسند کے ادبی جلسوں میں۔۔۔ سامع کی حیثیت سے شریک رہا کرتے ہیں کبھی کبھی بعض ادبی انجمنوں کے جلسوں کو مخاطب کیا کرتے ہیں۔ خوشبو کا سفر بڑے شوق سے پڑھتے ہیں ہر ایک شخص سے نہایت خلوص سے ملتے ہیں اپنے دوستوں اور جاننے والوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب نواب نور الدین خان سے مل کر ادراس کی تحریریں پڑھ کر خوش ہوتے تھے۔ نواب صاحب بھی سیاست تشریف لانے اور اگر میں آفس میں موجود رہتا تو مجھ سے ضرور مل لیا کرتے۔ ویسے بھی وہ بہت کم آتے ہیں کوئی محفل یا تحریر اشاعت کے لئے دینا ہوتا تو آتے ہیں یا سیاست کے زیر اہتمام منعقدہ کسی تقریب میں شرکت کرتے ہیں۔ شہر کے بعض شعاعروں ادیبوں سے ان کے اچھے مراسم ہیں لیکن مراسم میں قابل کے ہی قابل ہیں ملاقات ٹوہمت سے لوگوں سے ہوتی ہے لیکن اپنے مخصوص اجلاس ہی میں وہ کھلتے ہیں۔ خواجہ حمید الدین صاحب سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔ ایک دوسرے کی صلاحیتوں کے معترف ہیں علمی و ادبی معاملات میں نواب صاحب کی تحریریں احوالوں کے منہ پر کام لیا کرتی ہیں۔ نور الدین خان صاحب سے اگرچہ کہ میری ملاقات بہت کم ہوتی ہے لیکن



محسوس ہوتا ہے کہ ہم اکثر ملنے رہتے ہیں مجھے نواب صاحب کا مسکراتے ہوئے  
 سجدہ کی سے گفہ شکو کرنا بہت اچھا لگتا ہے اُن کی خوش بھائی اور خوش مذاج  
 کا میں معترف ہوں۔ ادبی محفلوں میں قدیم حیدرآباد کے مخصوص لباس شہزادانی  
 میں لباس رہتے ہیں۔ نواب صاحب اپنی گھر بلو مسرور فیات سے بے نیاز  
 ہیں صلح اولاد لے انہیں نہایت آرام سے رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ نواب  
 صاحب ذہنی سکون اور الجمعی کے ساتھ اپنا علمی و ادبی کام کر رہے ہیں شہر  
 کے بعض خفقن فدا اس طور پر ڈاکٹر داؤد اشرف جیسے اہل قلم سے ان کے خاص  
 مراسم ہیں۔ نواب نور الدین جیسے باصلاحیت اچھے انسانوں کی ہمارے  
 شہر میں کمی نہیں ہے لیکن ایسے معتبر لوگوں کی تلاش ضرور ہے ایسے لوگوں  
 سے مل کر ان لوگوں کو بھی زیادہ خوشی ہوئی ہے جو دیانت داری، سادگی  
 اور ایماندار کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے ہیں۔ نواب نور الدین صاحب  
 بھی ہمارے شہر کے نامور محققین میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں جن کے علمی و  
 ادبی خدمات کا اعتراف فراخ دل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

# مستود متین

(اُردو فیسٹول کے مرکز نگاہ منو بھٹو ریادوں کے امین، بہترین دوست)

میرے پہلے محوِ کلام گل تازہ میں میری غزل کا ایک شعر ہے  
اگر یادیں بھی ہم سے چھین لو گے یہ ہماری زندگی میں کیا رہے گا  
ایک شعر یہ بھی ہے۔

دیارِ دل میں آپ آئیں نہ آئیں : حیرانِ آرزو جلتا رہے گا  
چمکرتوں کا قافلہ چلتا رہے گا "و غیرہ و غیرہ۔  
میرے بعض ایسے بھی دوست ہیں جو میری زندگی کے خوشگوار دنوں  
کا حاصل ہیں۔ اُن کی دوستی ایک خاص ماحول میں ایک خاص تعلق خاطر  
کے پس منظر میں پروان چڑھتی رہی۔ ۱۹۵۹/۶۰ کے بین کلیان کی اُردو  
نبروں نے تو میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ کئی ایسے دوست اُس  
بٹول کی یادگار ہیں جنہیں میں کبھی نہیں جھٹا سکتا اور جو زندگی کی آخری  
سانسوں تک رگِ جاں کی طرز پر میرے ساتھ رہیں گے ایک ایک پل

کے گذرتے رہنے سے عمر کا ایک ایک پل ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح  
گھٹتا چلا جاتا ہے لیکن یادیں زندگی کی ایک انمول سوغات ہیں  
لا قیمت، جذبات محبت کا اثاثہ بھی ہوتی ہیں۔ اردو فیلڈ سے میری  
ادبی زندگی میں بھی ایک نیا موڑ آیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب میں محفل شعر  
کے کالم کی وساطت سے سیاست اخبار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اور نیشنل  
اردو کالج کی طالب علمی اور اُس دور کی شعری و ادبی سرگرمیوں کی گہما گہمی،  
نئے نئے دوستوں سے ملاقاتیں، ملنے اور کچھڑنے کی وارداتیں اور نہ جانے کس  
کس طرح کے حادثات سے سابقہ پڑا اور پہنچنے بولنے دلوں کی طرح سب کچھ  
گزرنا چلا گیا۔ اُس دور کے کچھ لوگ آج بھی گرم گرم خون رواں کی  
طرح دل کی دھڑکنوں کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔ کیسے کیسے لوگ  
تھے کیسے کیسے دوست تھے۔ کچھ لوگ نہ جانے کہاں کہاں تھوڑے  
اُس دور کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہو بھی جاتی ہے اور کچھ لوگوں سے  
نہیں بھی۔ زندگی کی دھوپ چھاؤں کے منظر کا ایک ایک لمحہ میری  
سانسوں کی ڈور سے بندھا ہوا ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ترک وطن  
کر چکے ہیں اور ہزاروں میل دور ایک نئی دنیا میں بس گئے ہیں۔ ایسے  
لوگ زیادہ یا آتے ہیں تو ہزاروں میل دور، کونہی دلی کے قریب  
ہیں اور خن کی یادیں نشتر کی طرح پیوستہ لگا جاتی ہوتی ہیں  
مسعود میتن، ہاشم حسن سعید کی طرح میری زندگی کے یادگار لمحوں کے سلسلے  
کے ایک بہترین دوست ہیں۔ اُس زمانے میں مسعود میتن، مردانہ حسن کا

ایک شاہکار تھے۔ نہایت جاڈ نظر شخصیت تھے۔ اُن کا پُرکشش اپنی طرف متوجہ کرنے والا چہرہ سب سے الگ تھا نہ جانے اُن کی آنکھوں کی موہنی نے کتنوں کو مسحور کیا ہوگا۔ اُس دور کی دو شخصیتیں اس قدر پُرکشش تھیں کہ ہر شخص اُن سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو مسعود میتن تھے دوسرے ڈاکٹر صادق نقوی جو نظامِ کلج کے ایک ذہین طالب علم اور کلج کے نوجوان "طلوع" کے مدیر تھے۔ یاشم حسن سعید کی مقبولیت بھی کچھ کم نہیں تھی پامسٹ کی حیثیت سے انہوں نے کئی ہتھیالوں کی تقدیر جگادی۔ چاندنی سونے کی رنگت والی ہتھیلیاں

کمی دست سوال کی طرح ہاشم کے سامنے پھیلی ہوئی رہتی تھیں۔ ہم برس سے زائد عرصہ ہو گیا ہے لیکن اس دور کی بعض یادیں آج بھی گلستانِ آرزو میں گل تازہ کی طرح نہک رہی ہیں۔ گل تازہ کی خوشبو میری ہانکوں میں کچھ اُس طرح بسی ہوئی ہے کہ کبھی کبھی میری زندگی پیراہنِ گل کی طرح ہلکنے لگتی ہے۔ اُردو فیٹول نے نہ جانے کتنے طلباء و طالبات کو نزدیک سے نزدیک اور دور سے دور کر دیا ہوگا۔ اُس گلستانِ اُردو فیٹول میں کئی رنگ کے پھول تھے لیکن ہر پھول بنی انفرادیت کے ساتھ اپنے وجود کا احاس دلاتا رہا۔ مسعود میتن فیٹول کے میر کاروان تھے۔ میر مجلس تھے، سربراہِ سلطنتِ عشق تھے۔ مرکزِ حسنِ بٹال اور محورِ عشقِ طرحداراں تھے۔ صدر نشین اُردو فیٹول تھے دوسرے زیادہ متحرک اور رواں دواں

تھے۔ نہ تو میں زندگی بھر مسعود متین کو بھول سکتا ہوں نہ اُس  
دور کے بعض خاص دوستوں کو خاص طور پر ہاشم حسن سہید اور دیگر  
وغیرہ کو۔ میں اُن دنوں اور نیپل اُردو کالج میں بی اے کا  
طالب علم تھا یزم اُردو ادب کا صدر نشین بھی تھا۔ اُس وقت میں  
کلیاتی اُردو فیصلوں کے صدر و معتمد کے انتخاب کا مسئلہ درپیش تھا  
ایک شام اُردو فیصلوں کے صدارتی عہدہ کے امیدوار کی حیثیت سے  
مسعود متین اور ہونے والے جنرل سکریٹری الطاف حسین بیگ کالج  
آئے۔ مجھ سے خواہش کی کہ میں اُن دونوں کے انتخاب کے لئے نہ  
صرف خود ووٹ دوں بلکہ دیگر کالجس کے صدور و معتمدین کو بھی  
آمادہ کروں۔ میں نے ان دونوں کو اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا۔  
الیکشن میں یہ دونوں منتخب ہوئے۔ پھر کیا تھا آئیں کالج جامعہ عثمانیہ  
میں ایک جشن کا منظر تھا۔ اُس الیکشن میں ویمینس کالج (کلیہ انارٹا)  
کی بعض طالبات نے بھی بہت سائقہ دیا تھا۔ پروفیسر عبدالقادر سرداری  
صدر شعبہ اُردو فیصلوں کے مشیر اعلیٰ تھے سارے پردہ گرام بالراست اُن  
کی نگرانی و سرپرستی میں طے پاتے تھے۔ اُس زمانے میں پروفیسر محمد  
عبدالقادر آرش کالج کے پرنسپل تھے جن کا تعاون بھی اُردو فیصلوں کو  
حاصل تھا ڈاکٹر حفیظ قیصل مایہ کے امور کے انچارج تھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی  
اور ملحقہ کالجس کے شعبہ اُردو کے تمام صدور و معتمدین کے وقت فوقتاً  
اجلاس ہوتے تھے تیاری کمیٹیاں سرگرم عمل ہو گئیں۔ ہر شعبہ کی ذیلی

کھینچیاں بتائی گئیں۔ سر روزہ فیثول کا آخری دن کل ہند مشاعرہ کا تھا۔  
 حسن اتفاق سے میں بلا مقابلہ مشاعرہ کا کونوئر منتخب کیا گیا۔ کونوئر س گے  
 انتخاب کا اجلاس پیر و فیروز عبدالقادر سرور کی کے دولت خانہ واقع حمایت  
 نگر پر ہوا تھا۔ جہاں فیثول کا آفس تھا فیثول کی سر روزہ تقاریب  
 اہم بیوتی تھیں پہلے دن شام تمثیل (ڈرامہ) دوسرے دن شبِ نغمہ  
 اور تیسرے دن کل ہند مشاعرہ۔ ڈاکٹر محمد شطاری شام تمثیل کے مشیر  
 تھے۔ پیر و فیروز معنی تبسم شمس نے اور منظور احمد منظور مشاعرہ کے۔  
 ان دنوں پیر و فیروز معنی تبسم اور منظور احمد اردو کانج کے طلباء کو بھی پڑھاتے تھے  
 اردو فیثول کی تمام تقاریب نظام کانج گراؤنڈ پر ہوتی تھیں۔ اس  
 اردو فیثول کا افتتاح بی گویاں ریڈیو گزری وزیر قبائلس نے کیا تھا۔ کل ہند  
 مشاعرہ میں فراق گورکھپوری، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، اختر  
 الیاس اور دیگر شاعروں نے شرکت کی تھی۔ میں ان دنوں شہر کے تمام  
 کالجس کے مشاعروں میں شریک رہتا تھا۔ ہر کالج میں معیاری  
 مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ شہر کے نامور شعراء کے علاوہ مختلف کالجس  
 کے طلباء بھی اپنا کلام سناتے تھے۔ بعض کالجس کے طلباء مشاعروں کے  
 جلسے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کرتے تھے مسعود متین نے دوران فیثول  
 سے کئی تعاون کیا۔ مشاعرہ کے جلسے میں کبھی داخلت نہیں کی مجھے آواز کا  
 ساتھ مشاعرہ کے اہتمام و انتظام کا موقع دیا۔ اردو فیثول کے زمانے  
 ڈاکٹر مصطفیٰ کمال سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ نیز عابدینس کلج

نادائیں گودہ میں پڑھنے تھے۔ مشاعرہ کی صداوت شاید مددِ باقی صاحب نے  
 کی تھی۔ مسعود مین کو شعر و ادب سے بے حد لگاؤ ہے لیکن انہوں نے کبھی  
 بھی ان دونوں شعبوں میں عملاً حصہ نہیں لیا۔ انتظامی امور میں  
 ماہر تھے اور ڈسٹرکٹ کی تمام سرگرمیوں سے نہایت مددگی کے ساتھ  
 عہدہ بڑا کر رکھتے۔ ہر قسم کی ہنگامہ آرا بیوں پر قابو پانے کی قدرت رکھتے  
 تھے۔ اچھے بیوے طلباء کو مطمئن کر دیتا اور سمجھے بیوے طلباء کو ایسے بہتر  
 خلوں سے متاثر کرنا روز کا مسئلہ تھا۔ بہت کچھ منافع اور غیر متوقع  
 دشواریوں کے باوجود مسعود مین صبر آزا امتحان سے مسکراتے بیوے  
 گزرتے رہے۔ مسعود مین نے ہر مرحلہ پر جرات، حوصلہ و محنت سے  
 کام لیا۔ طلباء و طالبات کی دوستیوں میں کبھی حائل نہیں ہوئے۔ فینڈل کے  
 دوران خاص طور پر طلباء و طالبات کی آپسی رنجشیں دور کی جی دوستیاں  
 مسائل پر لکرتی ہیں لیکن مسعود مین نے کسی بھی ناخوشگوار واقعات  
 کی صورت گری کا موقع نہیں دیا۔ اسی فینڈل کے دوران کئی راستانوں  
 نے جنم لیا اور کئی داستانوں کے گمزاروں نے ہمدردی و ایات کی پاسداری  
 کی۔ اُس دور کے کچھ طلباء و طالبات کو میں بہت قریب سے جانتا ہوں جنہوں  
 نے وہیں سے اپنی نئی زندگی کے سفر کا آغاز کیا۔ فینڈل کے وسیلے سے ہی ان  
 کی آرزوں اور امتگوں کی دنیا سوز گئی۔ اُس دور کے اہم کردار آج ماری دنیا  
 میں پیسے ہوتے ہیں۔ ۴۰ برس انوکھا کہ زندگی میں بہت مہینے ہیں۔  
 ۴۰ برس کی یادیں زندگی کی بہت بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان میں اگرچہ کچھ لوگ

آج باقی نہیں ہیں لیکن ان کی یادوں کے چراغ آج بھی روشن ہیں۔ اور جو  
 باقی ہیں وہ اپنی یادوں کو اپنے جسم و جاں کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ  
 بنائے بیٹھے اپنے سینے سے لگاائے پھر رہے ہیں۔ ان ۲۴ برسوں میں  
 بعض اچھے اچھے دور تھے جو اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں ان میں سے  
 ایک دوست آرڈر فیسٹول کے بے مثال جرنل سکویئر الیٹا حسین  
 بھی ہیں۔ ان کے والد محمد حسین صاحب برگ آئینہ س کے بہت بڑے تاجر  
 تھے الیٹا حسین کی موت کا کچھ اب تک بھی صدمہ ہے وہ انتہائی  
 بالغ و پیرا شخصیت کے مالک تھے جب کبھی سر راہ ملاقات ہوتی تو وہ اپنی  
 میز پر روک کر مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ خوش گواری لب و لہجے میں  
 گفتگو کرتے تھے۔ اکثر دفعہ جب میں اور ہاشم حسن سعید بعض گزشتے  
 ہوئے دنوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مسعود مینن کی شکل ایک کامیاب  
 ہیرو کی طرح بردہ ذہن پر ابھر کر آ جاتی ہے۔ بڑے ہی اچھے انداز میں  
 مسعود مینن کا ذکر چنار ہوتا ہے۔ میرا ایسا خیال ہے کہ آرڈر فیسٹول کے  
 دور کے ساتھیوں میں مسعود مینن اور ہاشم حسن سعید آپس میں بہت  
 گہرے دوست ہیں۔ دونوں کی دوستی مثالی ہے۔ ہاشم حسن سعید اس دور  
 میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر اعلیٰ تھے اور جامعہ عثمانیہ عین مرتب کر کے پہلی بار  
 مسعود مینن کو بچا کر نے کا کوشش کی۔ ہاشم حسن سعید نے اپنے  
 نرین افسانہ پر متبادل افسانہ نگاری میں حصہ لے کر پریم چند ایوارڈ  
 حاصل کیا تھا۔ بیت بازی اور دیگر علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی مصروف



رہتے تھے۔ صدر بزمِ اردو جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے مسعود مین کا وقار انداز میں  
 تھا۔ کالج کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں مکمل تعاون کرتے تھے۔  
 بزمِ اردو جامعہ عثمانیہ کی سرگرمیوں کو بہت آگے بڑھایا تھا۔ مسعود مین  
 ایک ذہین طالب علم اور ایک باشعور اڈمنسٹریٹر کی طرح جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ  
 تمام کالجس کے اردو ماحول کو زندہ رکھنے میں دیکھی جلتے تھے۔ اُس زمانے میں  
 ہر کالج میں مختلف نوعیت کی ادبی سرگرمیوں جاری تھیں۔ جیسے بیت بازی  
 تحریری، تقریری مقابلے، مقابلہ شعرو سخن، مقابلہ افسانہ نگاری وغیرہ۔  
 اُس دور میں مختلف کالجوں کے مشاعروں کے انفرادی سلسلے میں متعلقہ  
 صدور و معتمدین مجھ سے تعاون حاصل کرتے تھے اُس دور کے طلباء شاعروں  
 میں ڈاکٹر صادق نفوی، ڈاکٹر اشرف رفیع، سیدہ مجیدہ، طالب خوند میر  
 اور سید علی خیال نمایاں تھے۔ اکثر شعری مقابلوں میں ہمارا سامنا ہوتا تھا  
 نظام کالج میں بین کلباتی مقابلہ شعرو سخن میں، میں نے بھی حصہ لیا تھا۔  
 اُس مقابلہ شعرو سخن میں مجھے انعام اول ملا تھا۔ شبیلہ میرے حصہ میں آئی۔  
 اردو کالج کے لیے یہ پہلی شبیلہ تھی جو سجاد میموریل شبیلہ کے نام سے موسوم  
 تھی۔ ہاشم حسن سعید نے ایسے کرنے کے بعد کالج آف لنگویجس سے اپنا رشتہ  
 جوڑ لیا اور پرنسپل کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے  
 ان دنوں وہ انڈین کونسل آف سوشل و ایفیر ٹرننگ سنٹر کے ڈائریکٹر  
 ہیں۔ مسعود مین نے سرکاری ملازم کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا ۱۹۶۷ء  
 میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ٹیکس آفیسر مقرر ہوئے اور ڈپٹی



کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا اور اپنی حکمت علی سے اُلجھے ہوئے  
 مساعی کو سلجھایا۔ اتنے بڑے فیڈول کی کامیابی کی ذمہ داری قبول کی اور  
 نہایت کامیاب صدر فیڈول ثابت ہوئے۔ اُس دور سے ہی کامیابی  
 کے ساتھ میرے شعری و ادبی سفر کا آغاز ہوا۔ میں یا قاعدہ شہزی و ادبی  
 محفلوں کا ایک حصہ بن گیا۔ میں آج بھی مسلسل سفر میں ہوں۔ میری  
 زندگی کا سفر آج بھی خوشیو کے سفر کی طرح جاری ہے۔ ہمارے دور کا اردو  
 فیڈول جس کے صدر نشین مسعود دین تھے اردو کا واحد انٹرا جشن تھا گزشتہ  
 کی نظیر عاموشمانیہ کا شعبہ اردو آج تک نہیں پیش کر سکا۔ اس طرح اردو  
 فیڈول کی رعنائیاں ہمارے دور تک رہیں اور ہمارے ساتھ ختم ہو گئیں  
 فیڈول کے حوالے سے جب میں اپنے ماضی کے اوراق الٹا ہوں تو اکثر  
 صفحات پر مسعود دین بھی نظر آتے ہیں ہاشم حسن سعید کی طرح اور کچھ  
 مانوس و نامانوس چہرے بھی نظر آتے ہیں دوستوں اور محسنوں کی طرح  
 سچ ہی تو کہا کسی نے کہ یادیں زندگی کا عظیم سرمایہ ہوتی ہیں  
 اور میں پوری دیانت داری اور ایمانداری کے ساتھ یادوں کے اس  
 عظیم سرمایہ کی دل و جان سے حفاظت کر رہا ہوں۔

# پروفیسر قادری سلیم

قابل مقرر روشنی داغ خانوں، لائق ماہر تعلیم

پروہر دور کا عالم ہر انسان کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق اپنی غایتوں اور اپنے رحم و کرم کی فضیلتوں سے سمجھ اس طرح نوازتا ہے کہ وہ اپنی قابلیت سے جس شعبہ حیات سے بھی وہ تعلق کیوں نہ رکھتا ہو استفادہ کرتے ہوئے کچھ اس انداز سے اپنی سرگرمیوں کا اظہار کرتا ہے کہ معاشرہ میں رنگ و نور کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وہ لوگ واقعتاً مہذب معاشرہ کے لئے اہم ہوتے ہیں جو اپنے فکر و خیال کی روشنی سے معاشرہ کے تمام گوشوں کو منور کرتے رہتے ہیں۔ صلاحیتوں کا اظہار ہر انسان کے عمل سے ہوتا ہے ظاہری صلاحیتیں اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہیں لیکن نامعلوم صلاحیتیں زیادہ عرصہ تک منجمد نہیں رہیں غیر مری صلاحیتوں کا استعمال بھی ایک باخبر دانشور و صاحب کمال شخصیت کا مرہون منت رہتا ہے۔ آٹھ دن کچھ ایسے لوگ بھی مرکز نظر رہتے ہیں جو اپنے

وجود کا احساس دلانے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔ پھر بھی ایک بات تو واضح ہے کہ اگر وہ اسٹائل مہربان رہیں تو ایک باشعور و باجبر انسان سو سائنس کی نظروں میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے۔ جو شخص اپنی بہترین صلاحیتوں کے باوجود بھی کسٹمری سے کام لیتے ہوئے اپنی چار دیواری کا حصہ بننا چاہتا ہے وہ نہ صرف خود اندھیروں کے حوالے ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے وجود کے ساتھ بھی کھلی نا انصافی کرتا ہے۔ بہترین صلاحیتوں کو رو بہ غلّی لانے سے سارے ماحول میں خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایک نہایت ہی خوشگوار شکل میں زندگی اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔

اس نمبر پر پس منظر کے زیرِ سامان پروفیسر قادری بیگم جی شخصیت بھی اپنے حیرانِ علم و آگاہی کے دل و دماغ کو روشن کرتی رہتی ہے۔ پروفیسر قادری بیگم دخترِ جامعہ عثمانیہ ہیں۔ لپٹنے تعلیمی سفر کے دوران اپنی عمدہ صلاحیتوں کی وجہ سے تعلیمی میدان میں امتیازی مقام کی حامل رہیں اپنی تعلیمی و علمی سفر کے دوران شعبہ درس و تدریس کے مقدس پیغمبر سے وابستہ رہ کر بحقیقت پرنسپل و مینس کلج جامعہ عثمانیہ ۱۹۸۵ء میں سبکدوش ہوئیں۔ وہ ۱۹۸۲ء میں پرنسپل مقرر ہوئی جنھیں پرنسپل صاحبہ جامعہ عثمانیہ میں سینٹ کی رکن بھی رہیں۔ اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں سے و مینس کلج کے ادراستی شائق تہذیبی اور علمی ماحول کو گنگا جمنی تہذیب کے روپ میں ڈھلنے ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس پروفیسر قادری بیگم کو شعری و ادبی محفلوں کی وساطت سے

جانتا ہوں۔ میرا پہلا تعارف ممتاز شاعرہ نایاب سلطانہ کی محفلت ہوا۔ محفل خوانین کی چائیں سے آج سے ۵ سال پہلے غزلوں کی رات لگئی سالانہ تقریب کا اہتمام پیش نظر تھا۔ صدر محفل خوانین محترمہ عظمت عبدالقیوم کی یہ خواہش تھی کہ اس سال محفل خوانین کی سالانہ تقریب ویکس کالج کوٹھی میں منعقد کی جائے۔ اجازت کا مسئلہ درپیش تھا اس سلسلے میں نایاب سلطانہ نے مکمل تعاون کیا اور اپنی ہم جماعت و بہترین دوست پردیس قادری بیگم سے اجازت حاصل کر لی۔ محفل خوانین کی وہ سالانہ تقریب اعلیٰ پایا نہ پیر منعقد ہوئی۔ پردیس قادری بیگم کو ادبی اجلاس کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ میں نے پہلی بار ان کی تقریر سنی بے حد متاثر ہوا۔ پردیس قادری بیگم ادب کے ہر موضوع پر اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ محفل خوانین کی اس تقریب میں انہوں نے محفل خوانین کی سرگرمیوں پر پُر اثر انداز میں اظہار خیال کیا تھا۔ اس تقریب کے بعد پردیس قادری بیگم محفل خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ انہوں نے اکثر ادبی تقاریر کی صدارت کی۔ صلاح کی حیثیت سے بھی محفل خوانین کے ادبی جلسوں میں شریک رہا کرتی ہیں۔ پردیس قادری بیگم کالج اور خوانین کی محفلوں میں اپنی تقریر کا جادو جگاتی رہیں۔ جب وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کے سالانہ جلسوں میں اپنے خطاب سے نوازے لگیں تو شہر کی بعض ادبی انجمنوں کو یہ احساس ہوا کہ ایک قابل ترین قانون کار ادبی تحفوں میں اضافہ ہونے والا ہے تو میں نے اپنے ناشر محمد علی جامہ

یہاں پہنانے کے لیے پرو فیر قادری بیگم کو اپنے سے ذرا زیادتی کیوں  
 میں مدعو کرنا شروع کیا۔ چنانچہ پرو فیر صاحبہ نے ادارہ میرا کی ریسیٹ لوگ  
 کے بیشتر ادبی جلسوں میں شرکت کی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ پرو فیر قادری  
 بیگم اعلیٰ درجہ کی مقرر ہیں۔ بہترین اذیب بھی ہیں۔ ان کے کچھ مضامین خوش  
 کام سفر میں شائع ہو چکے ہیں۔ علم و ادب سے ان کی گہری دلچسپی کو  
 نقویت پہونچانے میں ان کے گھر کا علمی و ادبی ماحول معاون رہا۔ شہر کی  
 گھر لانے کے بہترین ماحول نے انہیں شائستگی کا پیگیر بنادیا۔ شہر کی  
 برگزیدہ خواتین میں اعلیٰ قدر و منزلت باعلا حیثیت خاتون دانشور کی حیثیت  
 سے شہرت رکھتی ہیں۔ علمی، تعلیمی، ادبی و تہذیبی ہر موضوع پر کھل کر  
 عالمانہ انداز میں مخاطب کرتی ہیں۔ ان کا لب و لہجہ پیر اثر کیفیات کی مکمل  
 تر جانی کرتا ہے اپنے مشاہدات اور تجربات کو کبھی مقرر کی حیثیت سے  
 تو کبھی اذیب کی حیثیت سے منظر عام پر لاتی ہیں۔ پرو فیر قادری بیگم  
 سہا بیت پرو قار لائق و فائق خاتون ہیں۔ ان کا کردار لب و لہجہ سامعین  
 کو متوجہ کرنے میں کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ جلسوں میں ہمیشہ وقت کی  
 پابندی کرتی ہیں۔ با اصول زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ وعدہ کی پابند رہتی  
 ہیں اور چاہتی ہیں کہ سوسائٹی کا ہر فرد وعدہ کا پابند رہے اور خدا کی  
 عطا کردہ صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرے۔ پرو فیر قادری بیگم  
 مجلس خاتون ہیں جب وہ کسی موضوع پر لب کشائی کرتی ہیں تو محسوس  
 ہوتا ہے کہ وہ ایک یقینی ہوئی نئی ہیں۔ کبھی سی جلی جاتی ہیں تاہن تشکیک متعلقہ

ہر مہینہ سے انصاف نہ کریں۔ اس سلسلہ تقریر جاری رکھتی ہیں۔ قادری بیگم  
 عا حہ کو دینی علوم و فنون سے بھی گہری دلچسپی ہے چنانچہ وہ مذہبی  
 اور دینی محفلوں میں بھی اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھاتی ہیں۔ اپنے  
 معلومات آفریں خیالات سے سامعین کو پوری طرح مطمئن کر دیتی ہیں  
 صدر کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی جناب جلیل پاشا شاہ نقیسی کھٹی کے ہر سالانہ جلسے  
 میں قادری بیگم کی خدمات کے ذریعہ بھرپور تعاون حاصل کرنے ہیں تعلیمی کمیٹی  
 کے سالانہ جلسوں میں شجرہ خواتین کی ذریعہ انجارج و سربراہ رہتی ہیں  
 انہوں نے اپنی نگرانی و سرپرستی میں کل ہند تعلیمی کمیٹی کے سالانہ جلسوں  
 میں کئی کامیاب محفلوں کا اہتمام کیا۔ وہ ہمیشہ کالج کی پرنسپل کی حیثیت  
 سے ان کا انتظامیہ مثالی رہا ہے ان کی زندگی میں باقاعدگی اور ڈسپلن  
 کا بڑا دخل ہے۔ انتہائی بااخلاق، مہذب عاتون ہیں جسے ہی محفل  
 میں داخل ہوتی ہیں اگر جدار آواز میں اسلام علیکم کہتی ہیں نصاری  
 محفل متنوع ہو جاتی ہے اور عزت و احترام کے ساتھ انہیں مخصوص  
 نشست تک لے جایا جاتا ہے۔ پروفیسر حبیب ضیاء کی طرح پروفیسر  
 قادری بیگم بھی خاص طور پر ادارہ میاں شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں  
 کے لیے ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ حاضرین محفل پروفیسر  
 قادری بیگم کی دل و جان سے قدر کرتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں  
 ہیں اور ان کے خطاب کو پوری توجہ سے سماعت کرتے ہیں پروفیسر قادری  
 بیگم جس محفل میں بھی رونق افروز ہوتی ہیں اس محفل میں ایک خوشگوار



لہر دھڑکتا ہے یہ بات درست ہے کہ ہر معاشرہ میں کچھ ہی مشہور  
 شخصیتیں ہوتی ہیں جنہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ جن کی  
 مشنویت کا اچھا اثر معاشرہ کے مختلف گوشوں پر پڑتا ہے۔ ادبی  
 حلقوں میں ان کی پذیرائی کے لیے بے شمار محفل چشم بہراہ رہتے ہیں۔  
 علمی و ادبی حلقوں میں بھی ان کا چراغ روشن رہتا ہے پروفیسر قادری  
 بیگم نہایت ملنسار، خوش اخلاق، معتد و پیر و خاتون ہیں جبکہ آباد  
 کو ہمیشہ اس بات کا فخر رہا ہے کہ ہر دور میں صاحب کمال مرتبہ  
 دانشوروں کے ساتھ ساتھ قابل خاتون دانشوروں کی قدر افزائی  
 بھی ہوتی رہی ہے پروفیسر قادری بیگم اپنی لیاقت، ذاتی صلاحیتوں  
 اور خدا کی ہدایتوں سے علمی و ادبی معاشرہ میں نمایاں حیثیت کی  
 حامل ہیں۔ ہم جان دول سے اس معتد دانشور خاتون کی قدر کرتے  
 ہیں اور ہمیشہ ان کے معلومات آفریں خطاب کے منتظر رہتے ہیں  
 ہم دعا گو ہیں کہ خدا پروفیسر قادری بیگم کی عمر دراز کرے تاکہ ہم ان  
 کے علم کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے رہیں۔

## پروفیسر حبیب ضیاء

دیدہ پُر نعم و لب خنداں کی ادیبہ زرفشاں محترمہ خاتون

ممتاز طنز و مزاح نگار، نامور صاحب طرز ادیبہ، جدید آباد فرخندہ بنیاد  
کی وضع دار، باوقار و پُر اثر شخصیت پروفیسر حبیب ضیاء کا میں شاکر و  
بابا ہوں۔ پروفیسر صاحبہ اور نیشنل اردو کانج میں ایم۔ او۔ ال (جو ایم)  
اردو کے محافل ہے) کے طلباء و طالبات کو تنقیدی و تفصیلی ادب پڑھانی  
تھیں۔ کانج کے پرنسپل ڈاکٹر حسینی شاہد کی ہدایت تھی کہ طلباء پرانے محکمے کے ساتھ اپنی  
جامعات میں حاضر رہیں۔ اُس زمانہ میں اردو کانج کا تعلیمی معیار بہت بلند  
تھا۔ کانج کو قابل اساتذہ کی خدمات حاصل تھیں۔

میں پروفیسر حبیب ضیاء کو آج بھی نہایت احترام کے ساتھ اُن کے  
پُر سے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مخاطب کرتا ہوں۔

پروفیسر صاحبہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ عثمانیہ سے "ہمارا جہ سرکش پرشاد حیات اور کارنامے"  
کے زیر عنوان ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں ان کا یہ حیثیت

پچھر اردو کالج میں تقرر ہوا۔ حبیب ضیاء نے ایک قابل مثالی استاد کی طرح نہ صرف اردو کالج میں ہی اپنا نام کمایا تھا بلکہ ویمینس کالج (جامعہ عثمانیہ) کی استاد کی حیثیت سے بھی نہایت ہی عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوئیں۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں وہ انگریز اور اسکیرٹ کی حیثیت سے مامور رہی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کے بورڈ آف اسٹڈیز کی بھی چیر پرسن رہی ہیں۔ حیدرآباد میں یقیناً بہت سے قابل ترین خاتون اساتذہ رہی ہیں اب بھی ہیں۔ لیکن ہر دور میں کچھ ایسے اساتذہ اور استانیات بھی رہی ہیں جو اپنی قابلیت و صلاحیت کی وجہ غیر معمولی شہرت رکھتی ہیں۔ اور بنیٹ اردو کالج کے طلباء و طالبات کی طرح ویمینس کالج کی بیشتر طالبات بھی ایسی رہی ہیں جو پروفیسر صاحبہ کے طریقہ درس و تدریس سے بے حد متاثر تھیں۔ اور ایسے طلباء و طالبات بھی جو پروفیسر صاحبہ کے شاگرد خاص ہونے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتے تھے۔ پروفیسر حبیب ضیاء طنز و مزاح کی صف بول کی ادیبہ ہیں ان کی شگفتہ و شستہ مزاحیہ تحریریں اور ان کا طنز آمیز لب و لہجہ قاری و سامع کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے ان کی زبان، ان کا انداز بیان اور ان کا اسلوب مستند و نامور طنز و مزاح نگاروں کی یاد دلاتا ہے۔ طنز و مزاح کی اعلیٰ نحویریں، پروفیسر صاحبہ کے قلم کی سحر کاری کا ایک اہم کرشمہ ہیں۔ پروفیسر صاحبہ ایک مشہور ادیبہ کی حیثیت سے اردو دنیا میں پورے اعتماد کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس

دلانی رہتی ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کی تاحال چھ کتابیں دکنی زبان کی قواعد، جہاز، سکرشن پیرشاد شاد، شاد و نیاز، گویم مشکل نہ گویم مشکل، انیس بیس اور جو مٹر گاں اٹھائے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تقریباً تمام کتابوں پر انعامات مل چکے ہیں۔ پروفیسر صاحبہ لطافت و نفاست، شرافت و نجابت، صداقت و سروت اور حسن نظر اور فکر و خیال کا سرچشمہ ہیں وہ ایک ایسی پُر وقار شخصیت کی حامل ہیں کہ جن کی تحریروں میں شعلہ و شبنم کا امتزاج ہے پروفیسر صاحبہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں اپنی شائستگی، بردباری، میانہ روی، صاف گوئی، نرم گفتاری اور سنجیدہ طبیعت جیسی نمایاں خصوصیات کی حامل ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کا تعلق حیدرآباد کے ممتاز علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت مشرقی مائول میں ہوئی، گھر کا سارا ماحول خالص شرقی ہے۔ پروفیسر صاحبہ حیدرآباد کی تعلیم یافتہ خواتین کی ادبی انجمن محفل خواتین کی نائب صدر ہیں جبکہ ممتاز شاعرہ، عربیہ، انارصبا، معتمدہ عمومی اور نامور شاعرہ مظفر انسا، ناز شریک معتمد ہیں۔ شہر کی بعض ادبی انجمنوں، ترقی پسند معنفین، زندہ دلان، حیدرآباد وغیرہ سے بھی پروفیسر صاحبہ وابستہ ہیں۔ نہایت سادہ مزاج، پُر وقار اور محتاط رویوں کو اپنانے والی ادیبہ ہیں۔ پروفیسر حبیب فیض، قصع، بنادٹ اور ظاہری محمود و نمائش سے دور بیت ہی دُور رہتی ہیں۔ نہایت سادہ لباس میں ملبوس رہتی ہیں سادگی نے پروفیسر صاحبہ کی شخصیت کو بہت زیادہ نکھار لیا ہے اور پُر وقار بنا دیا ہے ڈاکٹر صاحبہ ادبی جلسوں میں

بہ پابندی شرکت کرتی ہیں۔ کسی نے بھی کبھی بھی انہیں بناؤ سنگھار کے  
 ساتھ شوخ لباس میں نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کا انداز گفتگو، طرزِ تکلم  
 مخاطب کو اس لئے بھی متاثر کرتا ہے کہ ان کا لب و لہجہ صاف سخرا،  
 یرکش اور سیراثر ہوتا ہے۔ سلجھا ہوا طرزِ مخاطب ان کا دیگرہ ہے  
 ادبی حلقوں میں اپنی شرافت، خاندانی و جامت اور اپنی اعلیٰ صفات کی  
 وجہ سے مقبول ہیں۔ ایک شاگرد کی حیثیت سے میں ہی نہیں سہی پروفیسر  
 صاحبہ کے قدر داں ہیں۔ میں بطورِ خاص ان کا احترام کرتا ہوں۔ میری  
 یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ ادبی حلقوں میں زیادہ سے زیادہ اپنے افکار  
 عالیہ سے تشنگانِ علم و ہنر، دانشورانِ فکر و خیال اور زبان و ادب کے  
 شیدائیوں کو فائدہ پہونچاتی رہیں۔ جو کچھ پروفیسر صاحبہ سے بے انتہا  
 عقیدت ہے اس لئے میری یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ وہ شعر و ادب  
 کی دنیا میں بلند ترین مقام حاصل کریں۔ حیدرآباد کا تعلیم یافتہ طبقہ ان کے  
 فن اور شخصیت کا معترف ہے پروفیسر صاحبہ کے مزاج میں ہلکے  
 پھلکے مگر طنز کے آمیزہ دار ہوتے ہیں ان کے طنز کی دھار بہت تیز ہوتی  
 ہے۔ خالص ادبی مزاج کی حامل اہل تحریروں میں شگفتہ و تروتازہ  
 چھو لوں کی سی خوشبو شامل رہتی ہے ڈاکٹر صاحبہ کو الفاظ کے  
 استعمال کا بہت اچھا سلیقہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے مضامین پڑھنے  
 کا انداز بھی سامع کو متاثر کرتا ہے۔ کیا ہی ہنسنے ہناتے والا جملہ کیوں  
 نہ ہو وہ پڑھتے ہوئے ہناتو دُور کی بات زیر لب سُکراتی بھی نہیں۔

پروفیسر صاحبہ ایک کامیاب طنز و مزاح نگار ہیں ان کے طنز و مزاح کے مضامین ادبی رسائل کی زینت بن جاتے ہیں روزنامہ سیاست میں بھی ان کی تحریروں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ طنز و ظرافت کا سیاری رسالہ زندہ دالان حیدر آباد کاتر حجام شگوفہ میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جس کے باصلاحیت مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ اکمال ہیں۔ ڈاکٹر حبیب صبار کے شوہر محترم رحیم الدین نوفیق بھی طنز و مزاح میں مضامین لکھتے رہے۔ شگوفہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ سال گذشتہ اردو اکیڈمی کی جرّوی اعانت سے ان کی کتاب "میں دکھاہے" شائع ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے ڈاکٹر حبیب صبار طنزیہ و مزاحیہ مضامین کے علاوہ سنجیدہ ادبی و تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی لکھتی ہیں۔ ادب کے مختلف موضوعات پر ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں کے لئے دیباچے بھی لکھتی ہیں۔ پروفیسر صاحبہ حیدر آباد کے تقریباً تمام اہم ادبی جلسوں میں شرکت کرتی ہیں محفلِ خوانین 'زندہ دالان حیدر آباد اور ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے جلسوں میں نہایت پابندی سے شرکت کرتی ہیں میرا شہر میرے لوگ کے کئی ادبی جلسوں کو مخاطب کر چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کو ادارہ میرا شہر میرے لوگ سے دلی وابستگی ہے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی شاید ہی کوئی ادبی تقریب ہوگی جس میں ڈاکٹر صاحبہ نے شرکت نہ کی ہو۔ ان جس قدر ڈاکٹر صاحبہ کا احترام کرتا ہوں وہ بھی اپنے شاگرد کا

اتنالی کا ظر رکھتی ہیں۔ محفل خوانین اور شاداں کلج کی بانی محترمہ عظمت  
عبد القیوم کی یاد میں سالانہ مستحق کی جانے والی تقریباً تمام تقاریب  
میں میری درخواست پر مضمون پیش کیے ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کے اعتراف  
خدمات کے سلسلے میں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے آجائوں کے  
مسافر کے زیر عنوان اعلیٰ ایڈیٹر نے پیرا دینی تقریب مستحق کی گئی تھی پروفیسر  
صاحبہ محفل خوانین سے وابستہ خاتون ادیبوں اور شاعرات کے علاوہ  
شہر کے دوسرے اہل قلم خوانین اور اپنے ساتھی اساتذہ ہیں کافی مقبول  
ہیں طالبات بھی ان کی فیکر کشش شخصیت سے بے حد متاثر تھیں  
اور ان کے پیروی کا بے حدی سے انتظار کرتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحبہ خاموشی  
کے ساتھ لیپنے علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہا کرتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ  
کا ادبی سفر جاری ہے میری خواہش پر ڈاکٹر صاحبہ نے کئی شاعروں ،  
ادیبوں کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے ہیں۔ پڑھیں۔ پروفیسر صاحبہ  
میری مشہور ہوں بہن صالحہ الطاف مدیر خاتون دکن کی بہت اچھی دوست  
رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ نے صالحہ الطاف صاحبہ کے ساتھ ”ارتالی پر نہایت  
پُر اثر مضمون لکھا ہے جو میری مرتب کردہ کتاب ”صالحہ الطاف فن اور  
شخصیت“ میں شامل ہے جس کے معاونین ڈاکٹر اختر سلطانہ اور ڈاکٹر طاہر  
سجید ہیں۔ اسی طرح عظمت عبد القیوم فن اور شخصیت میں شامل ان کا  
مضمون قابل مطالعہ ہے۔ پروفیسر صاحبہ کا گھریلو ماحول خالص ادبی ہے  
ان کے شوہر محترم رحیم الدین توفیق صاحب کی رفاقت ان کے لئے بہت پُر

سرمایہ دہی توفیق صاحب ان کے علمی و ادبی کاموں میں ہمیشہ معاون رہا کرتے تھے پروفیسر صاحبہ کی ازدواجی زندگی نہایت کامیاب نہ تھی ہی تو ڈاکٹر صاحبہ کا ادبی کام بغیر کسی الجھن کے جاری رہا۔ ان کا زور قلم مسلمان رعنائیاں بکھیر رہا ہے۔ ان کی تحریریں ادب کے سرمایے میں اضافہ ثابت ہو رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ ادبی جلسوں میں وقت پر شرکت کرتی ہیں کسی بھی جلسے میں درمیان سے جاتے ہوئے کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا ہوگا ادارۂ ادبیات اردو کے ادبی جلسوں میں بھی ڈاکٹر صاحبہ مضامین سناتی ہیں ان کے مضامین بہت مختصر مگر پیرائے شیریں ہوتے ہیں۔ سننے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے ڈاکٹر صاحبہ مذہبی جلسوں کو بھی مخاطب کرتی ہیں ملک کی کئی یونیورسٹیوں کے سمینار میں شرکت کر چکی ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ ڈاکٹر صاحبہ کی تقریروں اور تحریروں کی پذیرائی ہوتی ہے۔ شہر کے صفِ اول کے قلم کاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے شہر میں اسے دن بہت سی ادبی تقاریب ہوتی ہیں لیکن ڈاکٹر صاحبہ اپنے معیار کو متاثر ہونے نہیں دیتیں۔ شہر کے تمام صاحبانِ فکر و فن سے واقف ہیں ڈاکٹر صاحبہ کا اندازِ مخاطب پیرائے شیریں ہوتا ہے اپنے مخصوص لہجے میں گفتگو کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کے سنجیدہ و ادبی مضامین کالب و لہجہ بھی متاثر کن ہوتا ہے۔ ایک اچھے استاد کی طرح ان کا یہ وتیرہ ہے کہ اپنے اساتذہ کے احترام میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتیں اس طرح سینئر قلم کاروں کی عزت کرنا بھی ایسا اخلاقی فریضہ سمجھتی ہیں



اُردو کے فروغ کے لئے کام کرنے والوں کی قدر کرتی ہیں چاہے وہ کسی بھی  
 مکتب خیال سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ انھیں اس سے مطلب نہیں  
 رہتا کہ کونسی ادبی انجمن کس ادبی مسلک کی ترجمان ہے وہ صرف یہ دیکھتی  
 ہیں کہ اُردو زبان و ادب کو تہذیب کے تحفظ و بقا کے لئے کون کونسی انجمنیں  
 اور کون کونسی شخصیتیں سرگرم عمل ہیں وہ ان کے ساتھ ہمیشہ تعاون  
 کرتی ہیں ان کی ہم زبان بھی ہوتی ہیں اور ان کے ہم قلم بھی رہتی ہیں۔  
 علمی و ادبی مباحثہ میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ ان کی گفتگو دلائل کی آئینہ دار  
 ہوتی ہے۔ علمی و ادبی معاملات میں نہایت ذمہ داری سے اپنا کام انجام  
 دیتی ہیں کسی بھی موضوع پر کیوں نہ ہو جب قلم اٹھاتی ہیں تو قلم کار  
 سے بھی انصاف کرتی ہیں اور اُس کی تخلیق سے بھی۔ ان کا لب و لہجہ  
 اشیائی پہلوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان کا ناقدانہ انداز مصلحانہ ہوتا ہے  
 جارحانہ نہیں۔ صرف اشاروں و کنایوں میں اپنی بات کہہ جاتی ہیں  
 یہ ایک ایسا وصف ہے جو ڈاکٹر صاحبہ کا علمی بصیرت کا غماز ہے  
 میں بھی چاہوں گا کہ میری اسناد کی شہرت بام عروج تک پہنچے۔

## عزیز النساء صبا

دکن کی کئی نہ منہ بہر یافتہ شاعرہ شائستہ خاتون

اردو شعر و ادب کا تہذیبی ماحول اُن باشعور قلم کاروں کی  
ہمیشہ سوسلا افزائی کرتا رہا ہے جو اردو زبان اور اردو تہذیب کی  
دل و جان سے لگاؤ کرتے ہیں اور جو اپنے فکر و خیال کے نکھرے ستھرے  
اور شائستہ رویہ سے معاشرہ کے غلو خیال میں کچھ اس طرح رنگ بھرتے  
ہیں کہ ان کا رنگ و روپ فنروں تر ہو نا چاہتا ہے۔

کوئی بھی فن کیوں نہ ہو وہ چاہتا ہے کہ اس کی خون جگر سے  
آبیاری کی جائے اور اس کو اس انداز سے برتنا جائے کہ اس کے چہرہ  
کی رنگت میں کمی نہ آنے پائے۔ فن چاہتا ہے کہ اس کا حسن و جمال  
نکھرنا ہی چاہا جائے جن فنکاروں کے خیالات میں جولانی ہوتی ہے  
جذبات میں پاکیزگی، مشاہدات میں سچائی اور محسوسات میں شدت  
ہو تو اس نے ایسے فن کار بھی کاغذ و قلم کی آبرو کو متاثر ہونے نہیں دینے  
نہ دے۔ برتر نے جن فنی کاروں کے فنوں میں قلم تھما دیا

ہے ان سے کہی ایسا لفظ جنم نہ لے جو اپنی مائیت کھو بیٹھے۔ زرنگی کے مختلف رنگوں میں ایک ایسا رنگ بھی ہوتا ہے جو ہر موسم میں ٹھہرتا چلا جاتا ہے۔ ہر اچھے شاعر کی ہر چھٹی تخلیق پھولوں کے گل کی طرح کی طرح اپنے ماحول کو مہکاتی رہتی ہے۔

غزل کی شاعری ہر مہذب شاعر کا خیر مقدم کرتی رہے گی۔ جو تخلیق کار دیانت داری کے ساتھ اپنے شاعرانہ منصب کا جائزہ لیتا ہے وہ اپنے تجربات و مشاہدات اور دلی کیفیات کو پُر اثر انداز میں پیش کرتا رہتا ہے اس کا فن اور اس کی شخصیت دامن شعر و ادب کو ہمیشہ مہکاتی رہتی ہے۔ ایسی ہی شائستہ و شگفتہ خصوصیات کی حامل شاعرہ عزیز النساء بھی ہیں۔

شہرِ حیات حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں ہر دور میں صدا جہانِ فکر و نظر کا بول بالا رہا ہے ہر شعبہ حیات میں اپنی صلاحیتوں کا احساس دلانے والے ہنرمندوں نے سرزمینِ گوہر شناس کو سرچشمہ حیات اور اس کو اپنے وجود کا ایک حرمہ بنایا ہے۔ اس سرزمینِ مروت نواز کو بے شمار باکمال لوگوں نے اپنے ذہن و فکر کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ حیدر آباد کا دامن ہمیشہ علوم و فنون کی دولت کا نرونج و اشاعت اور اس کی برتری کے لئے کٹاواں رہا ہے۔ ماں کے دامن کی طرح۔

آج بھی اس شہرِ دنوازیں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔

عزیز النساء عبا ہمارے شہر کی ایک معتبر، باوقار اور قابل احترام شاعرہ کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہیں جن کی شاعری دل و دماغ کو ہمگاتی رہتی ہے۔ میں عزیز النساء عبا سے اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے اس وقت سے واقف ہوں جب وہ پوری توانائیوں کے ساتھ محفل شعر و ادب کا ایک حصہ بنیں۔ حیدرآباد کی شعری محفلوں نے عزیز النساء عبا کا پُر تپاک بغیر مقدم کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی شاعرانہ شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ عبا صرف حیدرآباد کے مشاعرے ہی نہیں پڑھتیں بلکہ ملک بھر کے مشاعروں میں ان کے کلام کی دل کھول کر پذیرائی کی گئی۔ مجھے عبا کے ساتھ کئی کل ہند مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔

میں نے دیکھا کہ انہیں ہر مشاعرہ میں بھرپور داد و تحسین سے نواز جاتا رہا۔ رباعیت نے عبا کو ظاہری و باطنی حسن و جمال سے نہایت فراخ دلی کے ساتھ نوازا ہے ان کی شخصیت کا سارا اثر ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ جو فنکار جس قدر شائستہ و برگزیدہ ہوتا ہے اس کی تخلیقات اتنی پُر اثر اور پُر کشش ہوتی ہیں۔ عبا خوش نصیب ہیں کہ انہیں شاعرہ کی حیثیت سے اچھی خاصی شہرت ملی۔ عبا جس محفل میں بھی جاتی ہیں وہاں ان کی شاعرانہ عظمت کو سمجھ کر رکھا جاتا ہے۔ عبا کا اندازِ گفتگو مقابل کو متاثر کرتا ہے ان کی شرم گفتاری ان کا اپنا وصف ہے ذاتی شرافت اور طبیعت کی

لفافہ سنتے انہیں اور بھی مغیر بنا دیا ہے ان کا مقصد طرزِ تکلم لطیف  
 و شاعرانہ کا ترجمان رہا کرتا ہے سلیجھی ہوئی شاعرانہ کلموں کی ترجمانی  
 سے وہ شائع کل مسک پہ عمل پیرا ہیں۔

صبا زائد از ۲۵ برس سے شعر کہہ رہی ہیں۔ زیادہ تر غزلیں ہی ہوتی  
 ہیں بہت کم شعرا ایسے ہوتے ہیں جن کی شاعرانہ محفلات کا اعتراف ان کی  
 ابتدائی شاعری کے زمانے ہی سے ہوتا ہے اور آخری دم تک نواز سے  
 جاتے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ صبانے مختلف اصنافِ سخن میں شعر  
 کہے ہیں لیکن صنفِ غزل سے انہیں گہری وابستگی ہے۔ ان کے کلام میں  
 کلاسیکیت کے تمام اقدار کے ساتھ ساتھ شعرِ حاضر کے سلیکے ہوئے  
 کی بھی پھر پورے کا سلیجھی جاتی ہے ان کا سحر انگیز ترنم ان کے شاعرانہ  
 کا غماز ہوتا ہے شعر سناتی ہیں تو ساری محفل کو مسحور کر دیتی ہیں ان کے  
 نکھرے سفر سے لبِ دلچسپی سے ایک خوشگوار کیفیت کا اظہار ہوتا ہے  
 صبا حیدر آباد کی ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ادبی انجمن  
 محفلِ خواتین کی بانیوں میں سے ایک ہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کو  
 بامِ شہر و پیر پہنچانے میں ان کی سعی و دلچسپی کو فراموش نہیں کیا جاتا  
 ان دنوں وہ محفلِ خواتین کی جزل سکریٹری کی حیثیت سے نمایاں خدمات  
 انجام دے رہی ہیں۔ انہیں خاص طور پر محفلِ خواتین کی ناسور شاعرانہ  
 مظاہر اساتذہ کا محفل تعاون حاصل ہے۔

ادبی رسائل میں بھی ان کی تخلیقی سوانحات کی پذیرائی ہوتی

ہے۔ کہ شاعر کئی برسوں سے آلی انڈیا ریڈیو اور دور درشن کے ذریعہ  
 بھی ہم ان کے کلام سے محظوظ و مستفیض ہو رہے ہیں۔ وہ نہایت  
 خوش اخلاق، ملنسار، رسم و راہ کو سلیقے سے برتنے والی خشک  
 مزاج، شائستہ و ہند ب شاعرہ ہیں۔ ان سے جو کوئی بھی شاعر ہے وہ  
 ان کی شہرت سے متاثر ہوئے، بغیر نہیں رہتا۔ صبا اپنے ساتھی  
 شاعرات میں مقبول ترین شاعرہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں  
 کو یہ فخر حاصل ہے کہ صبا ہمارے شہر کی ایک ایسی شاعرہ ہیں جن  
 کے فکر و فن کے نذرانے ہمیشہ چمکتے رہیں گے اور جن کی شاعری و  
 شخصیت کی خوشبو پھر موسم میں اپنا بھرپور احساس دلانی رہے گی۔

## ڈاکٹر اختر سلطانہ

شائستہ گھرانے کی نیک، نازنین صاحبہ طرزِ زادِ بیہ

ڈاکٹر اختر سلطانہ میری مدد بولی بہن ہیں۔ صالحہ الطاف سے رشتہ کے  
سے نے کی ایک روشن علامت۔ صالحہ آپ کے گھر آنے کے تمام لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ  
ہیں۔ صالحہ آپا بھامو عثمانیہ کی گرامر پڑھتی تھیں۔ ایک ادبی رسالہ خانوں دکن کی مدیر  
تھیں بہت سے علمی، ادبی، تعلیمی و تہذیبی موضوعات پر مضامین لکھ چکی ہیں ایک  
کتاب ”آؤ قبال سے ملیں“ شائع کیں۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ، صالحہ الطاف کی  
چھوٹی بہن ہیں۔ دوسری بہنیں شہینہ سعید (مردم) ڈاکٹر صابرہ سعید اور  
عذرا سعید ہیں۔

میں جب رسالہ خانوں دکن سے وابستہ ہو گیا تو ڈاکٹر اختر سلطانہ کے  
صرف نام سے واقف تھا ان سے نہ تو ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی انہیں میں  
نے کہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ اپنے سسرال میں رہتی تھیں۔ صالحہ  
انطاف صاحبہ کے گھر پر خانوں دکن کا آفس تھا صالحہ انطاف اپنے والدین

اور بجائی بہنوں کے ساتھ ان کے گھر رافض محلہ مگر کی باؤلی میں رہتی تھیں۔  
 سو اسے ماسختر سلطان کے تمام افراد خاندان سے میری ملاقاتیں ہوتی رہتی  
 تھیں۔ ڈاکٹر اختر سلطان کو اردو ادبیات سے کافی نگاہ ہے ان کے مشہور  
 جناب محبوب علی سنگ سیلو کے مشہور تاجر ہیں۔ سکریٹریٹ کے  
 قریب علی گڑھ کلب سے متصل ان کا مکان تھا وہاں مجھے ۳، ۴ دفعہ  
 جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ عذرا سعید ان کی چھوٹی بہن میں جو ایک بہت  
 ہی عمدہ آرٹسٹ ہیں ان کی پینٹنگ کے سلسلے میں اخبار سیاست کے  
 لئے مضمون لکھتا تھا عذرا سے ملنے کے لئے جاتا تھا جب ڈاکٹر صاحبہ سعید نے  
 جامع عثمانیہ سے اردو میں افسانہ نگاری کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کی ڈگری لی  
 تو اس سلسلے میں ایک نہایت قریب ڈاکٹر اختر سلطان کے گھر پر منعقد ہوئی  
 تھی۔ جہاں بہت فیسر سنی تبسم، پروفیسر گیان چند جین، ڈاکٹر غلام عمر خان  
 اور دیگر اصناف — — — بھی مدعو تھے۔ ایک اور تقریب میں  
 بھی مدعو تھا اس تقریب میں مشہور کرکٹر جناب غلام احمد صاحب بھی  
 مدعو تھے ڈاکٹر اختر سلطان ان دنوں ادبی کھیلوں میں شاید ہی شرکت  
 کرتی تھیں۔ انھیں ایک ادیب کی حیثیت سے شعر و ادب کی دنیا سے  
 واسطہ رکھنے کا شاید کبھی خیال بھی نہ آیا ہو۔ ویسے ان کے مطالعہ میں  
 شعر و ادب سے متعلق مختلف مکاتیب خیال کے دانشوروں کی کتابیں  
 رہتی ہوں گی۔ اردو کے علاوہ انگریزی ادبیات کا بھی ان کا گہرا  
 مطالعہ ہے۔ پتہ شیکو کا سفر میں مسافین کے لئے اختر سلطان سے فون پر گفتگو ہوتی



رہی۔ جب ان کے مضامین مجھ کو ملتے تو انھیں پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی کہ ایک ایسی  
 خاتون جو کسی شعری و ادبی محفل میں دکھائی نہیں دیتی۔ سمیٹا رہا سمیعوزیم  
 میں حصہ نہیں لیتی وہ کس طرح اتنی عمدہ تقریروں کی خالق ہیں۔ اختر سلطانہ  
 کے مضامین نہ صرف ادب کے موضوع پر ہی ہوتے ہیں بلکہ تہذیبی اور  
 اصلاحی موضوعات پر بھی ملتے رہے۔ انہوں نے دوسری زبانوں کے  
 قلمکاروں کی اکثر تخلیقات کا ترجمہ کیا ہے کچھ ترجمہ شدہ کہانیاں  
 "خوشبو کا سفر" میں چھپ چکی ہیں۔ ماہنامہ "سب رس" میں بھی اختر سلطانہ  
 کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اختر سلطانہ سے میری پہلی  
 شخصی ملاقات صالحہ الطاف کے تقریبی جلسہ میں ہوئی تھی جو ادارہ میرا شہر  
 میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں منعقد  
 ہوا تھا۔ دوسری ملاقات صالحہ الطاف کی زیر اہت کتاب "صالحہ الطاف  
 فن اور شخصیت" کے سلسلے میں الطاف بھائی (الطاف حسین) کی رہائش گاہ  
 پر ہوئی تھی ڈاکٹر صاحبہ سعید بھی اُس وقت موجود تھیں۔ کتاب کی  
 اشاعت کے سلسلے میں ہم تینوں کو آپس میں مشورہ کرنا تھا۔ ویسے خوشبو  
 کا سفر کے سلسلے میں فون پر گفتگو ہوا کرتی ہے۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ  
 کالبود لہجہ انتہائی شائستہ، متوازن، پُر اثر و باوقار رہتا ہے۔  
 اندازِ گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی پُر وقار شائستہ و  
 با سلیقہ خاتون ہیں۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ نے ہی مجھے صالحہ الطاف کے انتقال  
 کی خبر دی تھی۔ صالحہ الطاف کی کتاب کی اشاعت کا جب میں نے مصمم ارادہ

کر لیا تو سب سے پہلے میں نے الطاف بھائی (سید الطاف حسین) سے ذکر کیا  
 انہوں نے کہا کہ بہت ہی اچھا خیال ہے۔ کتاب شائع کیجئے۔ میں نے کہا  
 تھا کہ صالحہ آپا کی خدمت میں میرا یہ نذرانہ عقیدت ملو گا۔ کتاب کی صورت  
 گمری کا آغاز ہوا۔ کتاب میں اُن کے مضامین، سفر نامے، افسانے، خطوط  
 اور دیگر نثریہ نثریہ کے علاوہ ان سے متعلق شاعروں، ادیبوں اور اُن کے افراد  
 خاندان کے مضامین شامل کیے گئے۔ اگرچہ میں اس کتاب کا مرتب ہوں  
 لیکن میں نے ڈاکٹر اختر سلطانیہ اور ڈاکٹر صابرہ سعید کے نام معاون مرتب  
 کی حیثیت سے شامل کیے ہیں۔ چونکہ میں نے کتاب کی ترتیب کے دوران  
 دونوں ہندسے تعاون حاصل کیا تھا اس کتاب سے ان دونوں بہنوں  
 کا جذباتی تعلق برقرار ہے۔ ڈاکٹر اختر سلطانیہ نے صالحہ الطاف کے نثری  
 جلسہ میں بہت ہی پُر اثر مضمون پڑھا تھا جو قرائع عقیدت کے سلسلے  
 کی ایک پُر اثر نثریہ تھی۔ ڈاکٹر اختر سلطانیہ نے "قرۃ العین حیدرہ جیات  
 اور کارنامے" کے زیر عنوان سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد سے ڈاکٹریٹ کی  
 ڈگری حاصل کی ہے وہ ایک گھریلو خاتون ہیں اپنی ذمہ داریوں کو پوری  
 طرح نبھاتی ہیں پھر زبان و ادب کی طرف متوجہ ہوتی ہیں ڈاکٹر اختر سلطانیہ  
 صاحبان فکر و فن کے حلقوں میں توفیق کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں صرف  
 خواتین کی ادبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں محفل خواتین سے ان کی  
 وابستگی ہے انہوں نے محفل خواتین کے جلسوں میں صدارت بھی کی اور مضامین  
 بھی پڑھے۔ ادارہ ادبیات اردو (شعبہ خواتین) کے زیر اہتمام ہونے

وای مفلوئیں ہیں بھی شرکت کرتی ہیں اور اپنی عمدہ مخدروں سے اپنی صلاحیتوں کا احساس دلاتی ہیں عام تقاریب میں شرکت کرنا انہیں پسند نہیں ہے ان کا زیادہ ترفعت اپنے گھر ہی میں اچھی اچھی کتابوں کے مطالعہ میں گذرنا رہتا ہے یا پھر شوہر اور بچوں کی خدمت میں لگی رہتی ہیں اختر سلطانہ کا گھر بھی صالحہ الطاف کے گھر کی طرح پُر سکون ہے گھر کے تمام افراد شائستگی اور اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں۔ ذاتی شرافت، طبیعت کی پاکیزگی، پاک و صاف ذہن اور شفاف آئینہ کی طرح ان کا دل ایسی باتوں کو کبھی قبول نہیں کرتا جو معاشرہ کے لئے سوالیہ نشان بنا رہا ہے۔

ڈاکٹر اختر سلطانہ کے بارے میں ان کی قابلیت اور ان کی ادبی صلاحیتوں اور تحقیقات کے بارے میں صالحہ الطاف اور ڈاکٹر صاحبہ سعید سے اکثر فون پر بات ہو کر کرتی تھی۔ اختر سلطانہ، صالحہ الطاف کا بے حد احترام کرتی تھیں صالحہ الطاف ان کی بڑی بہن محبتیں ان کے مرتبہ کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں یہ جو بھائیوں پر بے حد مخلص و پیار ہے صالحہ الطاف کے انتقال کا اختر سلطانہ کو بھی بے حد صدمہ ہے وہ اپنی ایک شفیق بہن، اچھی دوست سے محروم ہوئی ہیں۔ صالحہ الطاف، اختر سلطانہ، صاحبہ سعید جیسے شائستہ گھرانے شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں جہاں خیو برکت کی بارش ہوتی رہتی ہے یہ گھرانے ان کے اپنے بزرگوں کی روایات کے امین ہیں یہ لوگ اپنے والدین اور اسلاف کی دعاؤں کے زیر سایہ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ خدا ان گھرانوں کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔

# منظف النساء تاز

جہد آباد کی پُر وقار خاتون سلیج ہوئی شاعرہ

احاطہ سکریٹریٹ میں محکمہ قانون سے وابستہ ایک برقع پوش لڑکی  
پر جب پہلی دفعہ میری نظر پڑی تو میں ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ اس کے علاوہ  
محکمہ تعلیمات سے وابستہ ایک لڑکی شمشیر بھی تھی۔ یہ دونوں جی۔ اے۔  
ڈی اور محکمہ تعلیمات کے موٹر پر محو گفتگو تھیں۔

اُن دنوں سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں شروع  
پر تھیں۔ آل انڈیا ریڈیو اور دیگر ادبی و شعری پروگرامس کے سلسلے  
میں مجھے سکریٹریٹ میں کام کرنے والے باصلاحیت فنکاروں کی تلاش  
اور ادیبوں کی تلاش تھی۔ سکریٹریٹ میں بہت سی ادب دوست  
لڑکیاں کام کرتی تھیں۔ یاد نہیں کہ محکمہ النساء تاز سے میرا تعارف کہا  
اور کس جگہ ہوا اتفاقاً البتہ اتنا یاد ہے کہ محکمہ قانون سے وابستہ ایک  
اکدھرائی ڈرامہ آرٹسٹ عبدالغفور نے تعارف کرایا تھا۔ مظفر النساء تاز

سے تعارف کے بعد میں نے اُن سے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ مظفر انسا ناز سکریٹریٹ کی دیگر سرگرمیوں کے ساتھ شریکِ ایجن ہو گئیں۔ میں نے مظفر انسا ناز کو شوہرِ خوانین کا انچارج بنایا۔ سکریٹریٹ کی جن سرگرمیوں نے اُردو اسوسی ایشن سے وابستگی اختیار کی اور پیروگرامس میں حصہ لینا شروع کیا، اُن میں۔ مظفر کے علاوہ شمسیہ شیریں قابلِ ذکر ہیں۔

مظفر انسا ناز کو شاعری کا بے حد شوق ہے وہ اُن دنوں افسانے بھی لکھ کر ناٹھیں مظفر انسا ناز بیک وقت میری شاگرد بن گئی اور بہن بھی۔ میں نے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے مشاعروں کے علاوہ شہر کے بعض اچھے اور ثقہ قسم کے مشاعروں میں کلام سننے کی ترغیب دی۔ جب محفلِ خوانین کا قیام عمل میں آیا تو وہ محفلِ خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ مظفر انسا ناز کے شوہر محضر الدین نیاز بھی شعر کہتے ہیں لیکن وہ مشاعروں میں کلام نہیں سنانے۔ مظفر کے ادبی ذوق کی ترغیب میں نیاز صاحب کا بھرپور تعاون شامل ہے شعر و ادب کی وساطت سے ہمارے روابط بڑھنے لگے۔ مظفر بلا تکلف میرے گھر آیا کرتی۔ میرے اہلِ خاندان، مظفر کی قرینہ دلی کے ساتھ پذیرائی کیا کرتے۔ جب تک مظفر انسا ناز سکریٹریٹ میں رہی، اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ جب ان کو نغز انکسپریس بھر ڈر دیدت سودھا میں ہوا تو انہوں نے وہاں کی بزم

اُردو کی سرگرمیوں میں دھیمی لہنی شروع کی۔ مظفر النساء ناز کے شعری ذوق کو محسوس کرتے ہوئے میں نے صدرِ محفلِ خواتینِ عظمتِ عبدالقیوم سے خواہش کی تھی کہ مظفر النساء ناز کو محفلِ خواتین کا رکن بنائیں۔ محترمہ عظمتِ عبدالقیوم نے نہ صرف رکن ہی بنا یا بلکہ شریکِ معتمد و خازن کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ مظفر ایک اچھی شاعرہ ہی نہیں ایک اچھی آرگنائزر بھی ہیں۔ محفلِ خواتین کے لئے مظفر کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ مظفر النساء ناز حیدرآباد کی شاعرات میں اپنے مزاج کی شائستگی، طبیعت کی پاکیزگی، سلیقہ شکاری اور وضع داری کی وجہ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ مظفر نے شہر کے مشاعروں کے علاوہ اضلاع کے بعض خاص خاص مشاعرے بھی پڑھے ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ہم عظمتِ عبدالقیوم کی رہائش گاہ خیابان، امیر سیٹ میں اکثر ملا کرتے تھے۔ عظمتِ عبدالقیوم مظفر کو بہت چاہتی تھیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں ان پر بھروسہ کرتی تھیں۔ عظمتِ عبدالقیوم کے نفویض کردہ ہر کلام سلیقہ سے انجام دیا کرتی تھیں۔ وہ آج بھی محفلِ خواتین کی شریکِ معتمد اور خازن ہیں اور پُر اعتماد فضاء میں کام کر رہی ہیں۔ مظفر النساء ناز مشرقی ماحول کی ایک — ہندو خاتون ہیں۔ خاموشی، کم سخن، پُر دباری اور بزرگوں کا احترام ان کی طبیعت کا خاصہ ہے

بانیانِ محفلِ خواتین میں ایک اہم نام مظفر النساء ناز کا بھی ہے

جو قیام محفل خوانین (۶۱۹۷۲) یعنی ۳۴ برسوں سے محفل خوانین کی شریک  
معتد رکھان کی ذمہ داریوں کو بہانیت خوش اسلوبی، دیانت داری  
اور فرض شناسی کے ساتھ نبھا رہی ہیں۔ شعری ادب سے مظفر انارناز  
کی والہانہ دلچسپی اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ وہ اردو ادب اور  
اردو تہذیب کی پیرو رہے ہیں۔

مظفر انارناز کی خواہش تہذیبِ ایران کے شعری ذوق کو ملحوظ رکھتے  
ہوئے میں نے مشورہ سخن کے لئے سرپرستی قبول کی۔ مظفر انارناز ایک  
باصلاحیت، شرف نازہ دل و دماغ کی حامل شاعرہ و ادیبہ ہیں۔ انہیں  
اردو شاعری سے والہانہ وابستگی ہے ان کا شعری سفر جاری ہے خوشبو  
کے سفر کی طرح۔ مظفر انارناز کا کلام روزنامہ سیاست کے علاوہ خوشبو کا  
سفر میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ سیدھے سادے پُر اثر خیالات سے  
مزین ان کی شاعری دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ مظفر انارناز کے ناطق  
تین شعری مجموعے بات پھولوں کی (۱۹۸۶) روشنی (۱۹۹۸) اور کتنا روشن میرا  
گھر ہے (۲۰۰۲) میری زیر نگین شائع ہو چکے ہیں۔ مظفر انارناز ان دنوں  
مینمہ ای۔ سیواسنہ (مہدی پیٹم) حکومت آندھرا پردیش کی حیثیت سے کام  
کر رہی ہیں۔ اگر انسانی رشتوں کو بنیاد پر لے لوٹ خلوص، پاکیزہ جذبات اور  
شرافت نفس کی آئینہ دار ہونو ایسے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے بلکہ جیسے جیسے  
دن گزرتے جاتے ہیں۔ ان رشتوں کی تازگی اور شگفتگی میں اضافہ  
تاجا ملے گا۔

# یوسف بکیتا

(شعری محفلوں کی برگزیدہ شخصیت - معتبر شاعر)

بعض لوگوں کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انارکلی شہر  
 لوگوں کی مٹی بونی جا رہی ہے۔ یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ انارکلی یہ  
 ڈاکھیا نام ہے کہ کچھ شریف لوگ ابھی باقی ہیں۔ ویسے بھی اچھے لوگ  
 تم ہی ملتے ہیں۔ جب کبھی کچھ مخلص اور شائستہ اور باکردار لوگوں  
 سے ملاقات ہوتی ہے تو کچھ دیر کے لیے ہی اس پاس کا ماحول نکل  
 افشاں رہتا ہے۔ محبت و شرافت، نفاست اور حریت کی  
 روشنی زندگی کے غد و نال میں اس انداز سے رنگ بھرتی ہے کہ اس  
 کا وقار بڑھنے لگتا ہے۔ شریف لوگوں کی صحبت کا ایک ایک لمحہ  
 نیم سجادوں بن جاتا ہے۔ اس طرز کے لوگوں سے ملاقات کرتے  
 ہوئے ان سے گفتگو کرتے ہوئے ایک خوشگوار مسرت سرس



ہوتی ہے۔ اگر ہر سوسائٹی میں نفوٹ سے بھی شریف لوگ مل جائیں تو  
تو وہ نجات کی ساری لغنائیاں موسم بہاراں کی پہلی سیلابی طرح  
خوشی و مسرت کا پیغام لے آتی ہیں۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ میں اپنے  
دوستوں میں شامل کچھ منتخب لوگوں کی فہرست بنا دوں تو اس میں  
یوسف یکتا صاحب کا نام بھی ملے گا۔ میرے دوستوں کا فہرست میں  
کچھ ایسے شریف لوگ بھی شامل ہیں کہ جن کو ایک دوسرے پر فوجیت دینے  
کے لیے کئی بار سوچنا پڑتا ہے۔ یوسف یکتا صاحب میرے دیرینہ  
شاعر دوست ہیں۔ ان سے میرے شاعرانہ دوستانہ مراسم زائد از  
۳۵ برس سے ہیں لیکن ۱۸۵۰ء میں میرے بہت نزدیک آگئے ہیں  
جب کبھی میرا کسی شخص کی زندگی، شخصیت اور دوستی کے مختلف گوشوں  
پر کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تو تمہیدی عبارت کا آغاز اس مخصوص  
شخص کی ابتدائی ملاقات سے کرتا ہوں اور میں جب کسی شخص کے بارے  
میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو اولین ملاقاتوں سے کچھ لمحے سرگوشیاں کرتے  
ہوئے میرے پاس ہی رہتے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب سے یہ ملاقات ان کے  
ابتدائی آفس محکمہ صنعت و حرفت کے ذمہ دار ہونے پر ایک مشاعرہ کے سلسلے میں  
ہوئی تھی۔ ان دنوں نریندر ناتھ صاحب اس محکمہ کے ناظم تھے۔ اس زمانے میں  
یوسف یکتا صاحب کا کلام شہر کے بعض اخبارات میں شائع ہوا کرتا تھا اس  
دور کے مخصوص دائرہ مشاہور میں قدیم و جدید شعراء اپنا دارم معانے تھے  
یوسف یکتا صاحب سے کاہے کاہے ملاقات ہوئی تھی۔ یوسف یکتا صاحب

ڈیٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے رہنمائی ہوئے۔ یقیناً وہ اپنے آفس  
 کے ساتھیوں اور عہدہ داروں میں اپنی شرافت اور اپنی سرنگار سرچ  
 طبیعت کی وجہ سے مقبول رہے ہوں گے۔ سکندر آباد میں ہونے والے  
 مشاعروں میں بھی ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ وہاں کی ادبی انجمنوں  
 کی سرگرمیوں سے بچتا تھا۔ صاحب کا قہر ہی لگاؤ تھا۔ وہ مشاعروں کے بہترین  
 انفراد اور جمعیہ احباب اختیار کرتے تھے۔ ان کے رفقاء کے ساتھ  
 میں ان کے اہم خیال متنازعہ مسائل اور سبب ہیں۔ سکندر آباد کی ادبی  
 انجمنوں میں ان کی وابستگی کہیں ان کے عہدہ دار کی حیثیت سے اور نہ تو  
 کیسے ان کی حیثیت سے رہا کرتی تھی۔ سکندر آباد کے مشاعروں کے علاوہ شہر  
 میں ان کے علاوہ مشاعروں میں ہم نے ساتھ ساتھ مشاعرے پڑھے ہیں  
 جب یوسف بیک صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ سے وابستہ ہو گئے  
 تو ان کی شاعرانہ عظمتوں کو سمجھنے کا مجھے زیادہ موقع ملا۔ ہمیں اندازہ ہونے  
 لگا کہ اس حشر و کشت میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو بعض اساتذہ کبار کی  
 خصوصیات ہوتی ہیں۔ میں یوسف بیک صاحب کے انداز گفتگو، ان کے  
 رکھ رکھاؤ اور ان کی وضع دارت سے متاثر ہو کر ان کی جانب کھینچا چلا گیا۔ اب  
 تیری حالت ہے کہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی محفلوں میں ان کی شرکت لازمی  
 ہو کر رہی ہے اس کے علاوہ سوغات، نظر، خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی  
 میموریل اور محبان اردو کے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنے بہترین کلام اور  
 پختہ تر نظم سے شاعرانہ پس چھابلتے ہیں۔ ان کی شاعری کی بحر اندازہ ہم سال

کی ہے۔ ان کے دو شعری مجموعے گونگی دُعا (۱۹۹۲ء) اور عنبہ سطرینز (۲۰۰۱ء) شائع ہو چکے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب کا کلام شہر کے اردو اخبارات "سیاست" اور "منصف" میں شائع ہونے کے علاوہ ماہنامہ عدو شب کو اس سفر میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ یوسف یکتا صاحب کو میں نے ہمیشہ متاثر کن ترغم میں کلام سنتے دیکھا ہے جب وہ کلام سنتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے اور ساری محفل پر کیف و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یوسف یکتا صاحب جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے انسان بھی ہیں ان کے اندازِ خطاب سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ صاحبانِ قلم کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکساری، بڑوباری، شرافت اور اخوت ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔ یہ ایسے پُر خلوص انسان ہیں کہ ان سے ملنے اور گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یکتا صاحب پُرانی تہذیب کے آدمی ہیں۔ ان کی نرم گوئی، لبک خرامی قابلِ تقلید ہے۔ اپنے دوستوں سے خوش دلی کے ساتھ محو کلام لیتے ہیں۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہماری فضل کا ہر شاعر چاہتا ہے کہ وہ ان کے قریب بیٹھا رہے۔ معاشرہ میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانا بہت اہمیت کی بات ہے۔ یوسف یکتا ہماری محفلوں کا وقار بڑھانے والے ایک اہم شاعر ہیں۔ میں ایسے شریف لوگوں کو ہمیشہ اپنے قریب پانا ہوں۔ یوسف یکتا صاحب ایک بہترین انسان نفیس دوست اور ایک نامور شاعر کی حیثیت سے ہماری محفلوں کی پہچان بن چکے ہیں۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ان کی شہیناد و شاعرانہ پہچان ہمیشہ برقرار رہے۔ یوسف یکتا صاحب کو ویلے

جس سخن سازی کا شوق نہیں ہے لیکن جب وہ کسی انجمن سے وابستہ ہو جاتے ہیں  
 یا کسی انجمن کی تشکیل ضروری سمجھتے ہیں تو اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں  
 کہ وہ اب تک ان انجمن نہ صرف معقول لوگ ہوں بلکہ انہیں واقعتاً زبان و  
 ادب سے دلچسپی ہو۔ یوسف یکتا صاحب اس وقت جن ادبی انجمنوں  
 سے وابستہ ہیں ان میں تقریباً ان کے ہم خیال احباب شامل ہیں۔ یوسف  
 یکتا صاحب ایرانی اقدار کی ایک باوقار شخصیت ہیں۔ تہذیبی و انسانی  
 رشتوں کا دل و جان سے قدر کرتے ہیں۔ نہایت سیدھے سادے شریف  
 آدمی ہیں۔ جس کسی سے بھی ملاقات کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھرپور  
 مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب بحقیق اصداغ کے مشاعروں  
 میں بھی ہمارے ساتھ رہے ہیں محفل کے آدمی ہیں تخت میں شاید ہی کبھی  
 کلام سنایا ہو۔ پھر اثر ترجم سے کلام سنا کر سماں باندھ دیتے ہیں یوسف  
 یکتا صاحب مختلف اصناف سخن میں شعر کہتے ہیں ان کے دونوں مجموعوں  
 میں غزلوں کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی کلام ملتا ہے یوسف یکتا صاحب  
 حبی و صنیع دار لوگ شعری و ادبی محفلوں کی زینت بڑھایا کرتے ہیں شاعر کا  
 کے اتنے لمبے سفر کے بعد بھی ان کا قلم چل رہا ہے۔ خدا کرے ان کا قلم  
 چلتا ہی رہے۔

# شاعری ادیب

(رسائل کی دنیا کا شاعر۔ شریف آدمی۔ بہترین دوست)

اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعری ادیب کا کھنا پٹر خاص ہی  
 اُن کا اڈھنا بچھونا ہو گیا ہے۔ جب بھی شاعری ادیب سے ملاقات ہوتی  
 ہے تو ان کے ہاتھوں میں کوئی ایک ادبی رسالہ دکھائی دیتا ہے جیسے آجکل  
 تو کبھی شاعر کبھی کتاب نما کبھی انشاء کبھی اردو دنیا کبھی انتساب  
 کبھی شب خون تو کبھی خوشبو کا سفر۔ ملک بھر کے رسائل اس بات کے ضامن  
 ہیں کہ اردو کے تفریبا تمام اہم ادبی رسائل میں ان کی شاعری یا ان کی تحریر  
 موجود رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شاعری ادیب کا یہ حال ان کے رہنا و رہنا  
 کے بعد کا ہے بلکہ وہ جس وقت بے سرِ خدمت تھے اُس وقت بھی وہ ادبی  
 رسائل کی سرفرازی اپنی بہترین شاعری اور عمدہ نثر نگاری کا ثبوت دیا  
 کرتے تھے۔

شاعری ادیب ریلوے کا وٹنس کے صدر دفتر میں اکاؤنٹس آفیسر

ن فہمیت انجام دیتے رہے۔ وہ ہیلی (کرناٹک) اور شولاپور (جہاڑ پور) میں بھی رہے۔ سکندر آباد ریلوے آفس میں وہ برسوں رہے۔ سکندر آباد کی علمی و ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف رہا کرتے ہیں جب تک وہ سروس میں تھے سکندر آباد کی شہری و ادبی محفلوں سے کچھ زیادہ ہی وابستہ رہے۔ سکندر آباد کی جن ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے ان میں بزم اردو سکندر آباد، ساؤتھ سنٹرل ریلوے اردو اسوسی ایشن، کاروان ادب اور بزم عبرت قابل ذکر ہیں۔ رہنے تو ہیں مشیر آباد میں لیکن سکندر آباد میں ان کی ملازمت ہونے کی وجہ سے ان کی پہلی پہچان سکندر آباد کی ادبی محفلوں اور مشاعروں سے ہی ہوئی۔ سکندر آباد میں کئی مشاعرے پڑھے یوسف یکتا ان کے قریب ترین شاعر دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شاعر ادیب کی شاعری اور نثر میں تاحال آٹھ کتا ہیں، شائع ہوئی ہیں، ذکرِ اعظم (۲) دریا بگرم (۳) حروفِ تابندہ (۴) دیکھوں کا سمندر، سکھوں کا جزیرہ (۵) فیضِ بشارت (۶) ادبی مضامین کا مجموعہ (۷) شاعری حصہ میں آئی ہے (۸) بچپن کے گیت۔ لکھنے پڑھنے کی شریفانہ مصروفیات نے ان کو اپنے دامن سے باندھ رکھا ہے۔ انتہائی خوشگوار اور علمی مصروفیت میں اپنے شب و روز گزار رہے ہیں۔ شاعر ادیب نہ صرف ایک عہدہ شاعر کی حیثیت ہی سے اردو دنیا میں شہرت رکھتے ہیں بلکہ بہترین نثر نگار کی حیثیت سے بھی انہوں نے اپنی پہچان بنالی ہے۔ ادبی مسائل میں کلام کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں

اکثر شاعر ایسے بھی ہیں جو نثری ادب سے کم دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن مثلاً  
 ادیب نثر و نظم دونوں سے انصاف کرے یہ ہیں جاسوسی و غنائی سے بڑا ہے  
 اور شیوا جی بونیرسی کو لکھا پور سے امتیازی حیثیت سے ایم۔ نے اردو کا  
 کیا۔ شاغل ادیب غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں بھی مذہبی شاعری  
 میں بھی پوری عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے  
 ہیں۔ شاغل ادیب کلاسیکی انداز کے شاعر ہیں۔ کلاسیکی شاعری کو  
 بنیاد بنا کر عصر حاضر کے تقاضوں پر مشتمل خیالات کو بھی شاعری کا  
 لباس پہنا رہے ہیں۔ ان کی بعض کتابوں پر اردو اکیڈمی آئندہ پربش  
 اور انٹر پربش اردو اکیڈمی نے انعامات سے نوازا ہے۔ کیسا بھی شاعر کیوں  
 نہ ہو وہ عصری آگے سے بنے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی شاعر یہ کہتا  
 ہے کہ وہ جدید شاعر ہے تو اسے دعویٰ کرنے کا حق پہنچتا ہے لیکن  
 وہ جدید شاعر سے پہلے قدیم شاعر بھی ہے یعنی کوئی شاعر کیوں نہ ہو وہ  
 شاعری کی قدیم روایات سے وابستہ رہتا ہے اگر کوئی شاعر ایسا بھی  
 ہے جو پوری طرح کلاسیکی انداز سے اپنا رشتہ نہ رکھتا ہو تو وہ ادبی  
 فضاؤں میں محلق ہو کر رہ جاتا ہے وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنے  
 فن سے باذوق سامعین و ذہین قارئین کے متاثر نہیں کر سکتا۔ اس  
 کی شاعری برائے نام رہ جاتی ہے کوئی تاثر نہیں چھوڑتی۔ شاغل ادیب  
 ایک رواں دواں شاعر ہیں ان کا کلام منجر ہے وہ زندہ حقیقتوں  
 کو اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں ان کی شاعری میں زندگی کی سرارت ملتی ہے

مشاہدات کی گہری اور جذبات کی نر و تازگی ملتی ہے وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں ان کی خیالات کو لپٹے کلام میں سمجھتے ہیں، انھیں اپنے کلام کا ایک ایسا حصہ بناتے ہیں۔ ان واردات کو خوبصورت انداز میں شعرا کے روپ میں پیش کرتے ہیں معاشرہ وہ سب کچھ دیتا ہے جس کی فنکار کو ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ شاعر ادیب اپنے فکر و فن کی قدر جانتے ہیں۔ اپنی بات اور اپنے محسوسات کو سلیقہ سے پیش کرتے ہیں اور سامعین و قارئین تک اپنا پیغام پہنچانے میں اچھے شاعر کا یہی نواہیک اچھا وصف ہو تلہ ہے کہ وہ اپنے شعرا سے معاشرہ کے شب و روز کو شفاف آئینہ کی طرح پیش کرتا ہے اور اس کی پیش کشی کو دنیا سے ادب قبول کرتا ہے۔ شاعر ادیب زیادہ چھپنے والے شاعر ہیں شاعر سے بھی پڑھنے میں لیکن رسائل کی دنیا سے وہ زیادہ قریب ہیں شاعر ادیب سے میری ملاقات شاید ۱۳ برس پہلے ممبئی (کرناتک) کے مشاعرے میں ہوئی تھی اس کے بعد برسوں ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی سکند آباد کے مشاعرہ میں ملاقات ہو جاتی تھی شہر کے مشاعروں میں کہیں بھی ان سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ ادھر گزشتہ ۱۰-۱۲ برس سے وہ شہر کے مشاعروں اور ادبی جلسوں میں دکھائی دینے لگے ہیں۔ شاعر ادیب انتہائی شریف پاک و صاف انسان ہیں۔ ایسے لوگ جن کا ظاہر و باطن یکساں رہتا ہے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ جب شاعر ادیب شہر کے بعض محفلوں میں نظر کرتے لگے تو اس سہیہ محسوس کیا کہ یہ شخص تو اپنے ہی قبیلے کا ہے پھر وہ ہماری



مخفوں میں یعنی ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوانِ پرنس معظم جاہ شہج سوغات نظر، جاتی میموریل اکیڈمی اور بزمِ جوہر میں شرکت کرنے لگے۔ وہ میرا شہر میرے لوگ کی مخفوں میں نسبتاً دوسری مخفوں کے زیادہ اور پابندی سے شریک ہوتے ہیں اور اپنے بہترین کلام سے سامعین کو محفوظ کیا کرتے ہیں آل انڈیا ریڈیو سے ان کا کلام اور مصنفین نشر ہوتے ہیں وہ دور درشن سے بھی کلام سناتے ہیں شاغل ادیب نثر نگار بھی کلام سناتے ہیں اور تحت المفظ میں بھی۔ پہلے زیادہ نثر نگار میں اپنا کلام سنایا کرتے تھے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے وہ تحت المفظ میں کلام سنار ہے ہیں ان کا نثر نگار دھیمے سروں سے شروع ہوتا ہے اور اپنی ساری مٹھاس کے ساتھ غزل کے آخری شعر یعنی مقطع تک پہنچتا ہے۔ شاغل ادیب تقریباً تمام اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں۔ شاغل ادیب ایک متحرک، فعال اور کارکرد فن کار کی حیثیت سے اپنے ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں وہ ایک ایسی رواں دواں شخصیت کا نام ہے جن کے قدم بڑھتے ہی رہتے ہیں کہ کتنے نہیں۔ اور ایسے لوگ جو مسائل سفر میں رہتے ہیں ان کی نگاہ روشن، دل منور اور ان کی فکر تازہ رہتی ہے۔ میں برسوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ بادِ صبا کی طرح ادبی مخفوں میں آنے ہیں اور اپنی شعری سوغات ساری محفل پر پھانک دیتے ہیں بے اس زور و گوشتاغر، بہترین دد منت اور شریف آدمی سے مل کر یہ حدِ مسرت ہوتی ہے معاشرہ

ہیں ایسے پاک و صاف لوگ جن کا ظاہر و باطن آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہو بہت کم ملتے ہیں۔ جب کبھی شاغل ادیب سے ملاقات ہو تو قلب میں اچھیں شگفتگی کا مظہر پاتا ہوں جس شخص کی زندگی و کھلے آسمان کی طرح باہنیں پھیلا رہی ہو اور جس کی معطر زین دیدہ دل کی تسکین کا باعث بن رہی ہو وہ سو سائشی کے اہم لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاغل ادیب کی شاعری نہ صرف ان کی قلبی واردات کی عکسِ قبل سے بلکہ انہوں نے خارجی کیفیات اور مشاہدات کی تازہ کاری سے بھی اپنی فکر کو پُر اثر بنا دیا ہے کثرتِ مطالعہ نے ان کی شخصیت کے اُن گوشوں کو بھی منور کر دیا ہے جن سے اہل علم روشنی حاصل کرتا چاہتے ہیں۔ ان کے فن اور شخصیت میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فنکار کے فن میں اور اس کی زندگی میں یکسانیت رہے۔ شاغل ادیب محفلوں میں کچھ اس انداز سے آنے میں کہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ نہ آہٹ، نہ سرسراہٹ، بے قدموں آتے ہیں اور بے قدموں جاتے ہیں۔ کم گوی کا یہ عالم ہے کہ سانس تک احتیاط سے لیتے ہیں۔ کوئی خاص بات ہو تو زیر لب مسکرا دیتے ہیں۔ میں نے انہیں قہقہہ لگاتے ہوئے بہت کم دیکھا ہے علوم و فنون سے انہیں غیر معمولی دلچسپی ہے شعر و ادب کے تمام رموز و نکات سے واقف ہیں علم و فن کی بار نیچوں اور اس کی رعنائیوں سے فیض یا ہونے رہتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترقی پسند رجحانات اقدارِ بدست

کی آمیزش ہے۔ ابا شخص سارے معاشرہ میں کامیاب رہتا ہے جو زندگی کی مثبت قدروں کا ترجمان بنا رہتا ہے۔ میں ان کی شاعرانہ عظمت اور ان کی ادیبانہ رفعت کا قائل ہی نہیں ہوں بلکہ ان کی دوستی کا بھی معترف ہوں۔ شاعری ادیب مزاج غزل کے قریب ہیں ان کا کلام تمام فنی خوبیوں سے ملبوس ہے کہنہ مشق شاعر ہونے کی وجہ سے انہیں لفظوں کو برتنے کا سلیقہ ہے استادانہ رنگ میں بھی ان کی غزلیں ہمیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ شاعری ادیب ہندی زبان سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں ہندی زبان کے بعض الفاظ نہایت خوبصورتی سے جگہ پانے میں شاعری ادیب بہترین دوست ہیں، بہترین انسان ہیں کسی کی نہ بُرائی کرنے ہیں نہ کسی کی بُرائی سنتے ہیں۔ روشن خیالات کے حامی انسان ہیں۔ ہر اچھی بات ان کے دل و دماغ کا ایک حصہ بن جاتی ہے اجاب سے نہایت خلوص کے ساتھ ملتے ہیں شاعرانہ مراسم کے ساتھ ساتھ دوستانہ مراسم کے بھی قد شناس ہیں غیر معمولی آدمی ہیں۔ معاملے کے کھرے آدمی ہیں وقت کے پابند ہیں۔ اصول پسندی، راست گوئی ان کا مسلک ہے ان کے شاعر دوستوں کی فہرست طویل ہے لیکن کچھ ہی شاعر ایسے ہیں جن سے وہ کھل کر ملتے ہیں۔ میرے حلقے کے تمام شاعر شاعری ادیب کی ترغیب و تارک سبک روی اور ان کے شریفانہ طرز سلوک کے قائل ہیں۔ شاعری ادیب کو شاعرے پڑھنے کا زیادہ شوق نہیں ہے جہاں کہیں انہیں محبت

سے بلوایا جاتا ہے۔ بہ خوشی ملتے ہیں۔ ہماری انجمنوں کے شعروں  
 میں شرکت کر کے ہی جب انھیں تشفی ہو جاتی ہے تو وہ ادھر ادھر کے  
 شاعروں کے بارے میں سوچتے بھی نہیں۔ شاغل ادیب ایک ایسے  
 شاعر ہیں اور ایک ایسے دوست ہیں جن کے ذکر سے ہی مسرت کی  
 زیریں لہریں دل و دماغ کو تروتازگی بخشتی ہیں۔ معاشرہ میں ایسے  
 شریف لوگوں کی بے حد ضرورت ہے وہ لوگ واقعتاً خوش نصیب  
 ہیں جنھیں شاغل ادیب جیسے پاک و صاف انسان سے روابط  
 رکھنے اور روابط بڑھانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ شاغل ادیب میں  
 ایک اچھی بات یہ ہے کہ وہ یک درگیر محکم گیر کے قائل ہیں وہ ذہنی طور  
 پر ہمارے اداروں سے وابستہ ہیں۔ ہماری محفلوں میں شرکت کرنا  
 کافی سمجھتے ہیں ویسے شہر کے تمام ادبی حلقوں سے ان کے روابط ہیں  
 وہ ایک محبت پسند انسان ہیں اچھی شاعری کرتے ہیں اچھی گفتگو کرتے  
 ہیں اور اچھے لوگوں میں رہتے ہیں اور کیا چاہیے ایک ہندو شہر کے  
 لئے جو شخص معاشرہ کی نظر میں ارفع و اعلیٰ رہتا ہے یہ ماننا پڑتا ہے کہ  
 اس کا وجود کسی بھی شخص کے لئے بار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا وجود دوسروں  
 کے لئے فیض رساں رہتا ہے

# مومن خان شوق

مہذب انسان۔ معتبر شاعر، قاصد، پسند شخصیت

ہمارا مشاہدہ ہی نہیں تجربہ بھی ہے کہ زندگی گزارنے کے رویہ میں انسان بسا اوقات تضاد کا شکار رہ جاتا ہے۔ ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک تہذیب یافتہ معتبر انسان کچھ ایسے حالات سے بھی گزرتا ہے جن سے بعض مقامات پر اس کے قدم لرز کھڑا جاتے ہیں۔ ثابت قدمی اس کے لیے سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین سرکنے لگتی ہے لیکن ایک ثابت قدم، اعلیٰ روایات کی پاسداری کرنے والا انسان زندگی کے ہر مرحلے پر ہر قدم پر ہر قسم کے حالات کا منکرا نئے ہوئے خیر قدم کرتا ہے۔ صاف گو، پاک طینت اور سنجیدہ طرزِ حیات سے گزرنے والا انسان زندگی کے ہر لمحوہ پر شادمانی و کامرانی کے ساتھ سفر طے کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک معتبر مومن خان شوق ہیں اور مہذب شخصیت جن سے مل کر خوشبو کا احساس ہوتا ہے وہ مومن خان شوق ہیں۔

مومن خان شوق ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جو زندگی کے نرم و گرم حالات کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ کاروان حیات کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں۔ جناب شوق بہترین شاعر اور نفیس انسان ہونے کے علاوہ اردو زبان کے خدمت گزار بھی ہیں۔

مومن خان شوق سے میری جان پہچان ادبی رسائل کے ذریعہ ہوئی۔ اکثر دہائیوں بھی ہوا کہ مومن خان شوق کما اور میرا کلام بعض ادبی رسالوں میں ساتھ ساتھ شائع ہوتا رہا۔ غالباً ۳۰ برس پہلے کی بات ہے کہ ان سے میری ملاقات ایوان اردو (ادارہ ادبیات اردو) میں ہوئی۔ میں سکرٹریٹ سے کبھی کبھی منج کے اوقات میں ادارہ ادبیات اردو چلا کرتا تھا۔ جہاں مجھے اردو کے بہت سے رسالے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان دنوں میرا کلام انڈوپاک کے ادبی رسالوں میں بہت چھپتا تھا۔ یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی بھی ادبی رسالے میں اپنا کلام دیکھ لیا کروں ادارہ ادبیات اردو سے میری گہری وابستگی اس لئے بھی ہے کہ مجھے اس ادارہ سے ایک جذباتی نگاہ ہے۔ ڈاکٹر زول مجھے بے حد چاہتے تھے۔ میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے۔ میری حوصلہ افزائی میں انہوں نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا۔ میں نے اپنے

حق کی نگین کے لیے ادارۂ ادبیاتِ اردو کے امتحاناتِ اردو عالم اور اردو فاضل، امتیازی حیثیت سے کامیاب کیے۔ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریر کے علاوہ ادارۂ ادبیاتِ اردو میں وقتاً فوقتاً ہونے والے جلسوں اور مشاعروں میں بابتی کے ساتھ شریک ہو کر لیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس ادارہ میں مجھے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے والد محترم ممتاز شاعر تلوک چند محروم سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس ادارہ کی ایک ادبی تقریب میں ممتاز ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر سے بھی مجھے ملنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اس شاعر سے میں ایک غزل سنائی تھی جس کو صدرِ مشاعرہ جناب سجاد ظہیر نے بہت پسند کیا تھا۔ اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے

اوپے چلوں کی روشنی کے لیٹے : اجنبی شہر میں غریب جاگے

داد دینے کے دوران ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی میری نگاہوں میں پھرنا ہے۔ اس ادارہ کے سرکنڈا اراء ادبی مجالس اور مشاعروں میں میں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ علمی طور پر حصہ لیا ہے۔ ایوانِ اردو میں خواجہ احمد عباس کی فلم "آسمان محل" کے مشاعرہ کی شوٹنگ کے وقت بھی میں موجود تھا اور بحیثیت شاعر میں نے کلام سنایا تھا۔ صدارتِ ممتاز ترقی پسند شاعر جناب علی سردار جعفری نے کی تھی۔

ایوانِ اردو شاعروں اور ادیبوں کے لیے ایک ایسا علمی و ادبی و

تہذیبی مرکز ہے جہاں نہ صرف بیرون ریاست کے دانشور ہی آیا کرتے ہیں بلکہ شہر کے شاعر و ادیب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایوانِ اردو کی کٹشش، شہر کے دوسرے اہل قلم کے ساتھ ساتھ جناب مومن خان شوق کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ اشوق صاحبِ ان دنوں زرعی یونیورسٹی کے دفتر واقع ”دلکشا“ میں کام کرتے تھے۔ ان کا آفس ایوانِ اردو کے بالکل قریب تھا۔ ادارہ ادبیاتِ اردو کے دارالمطالعوں سیکشن میں ان سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ کبھی کبھی ایوانِ اردو میں ملاقات ہوتی رہتی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے انہیں پہلی دفعہ کہاں سنا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جناب مومن خان شوق نے مرکزِ ادب کے ایک سالانہ مشاعرہ میں جو جانشی پرشاد ہال انوار العلوم کالج میں منعقد ہوا تھا مدعو کیا تھا۔ غالباً میں اور رہنمیس اختر اس محفل کے مہمانانِ خصوصی تھے۔ یہ تقریباً ۲۴ برس پہلے کی بات ہے۔ ویسے سیاست اخبار اور شہر کے دوسرے اخباروں میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ جب میں نے محلے ملی میں مستقل سکونت اختیار کی تو اس محلے میں مقیم ممتاز شاعر جناب مومن خان شوق کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے یہاں مکان خرید لیا ہے تو انہوں نے بڑتیپاک انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

ملے ملی سے مجھے ایک دبیرینہ نسبت ہے۔ اس محلے میں علامہ حیرت بدایونی کی قیام گاہ اور جناب شاذ تمکنت کی رہائش گاہ پر شاعروں



ادوارد بیون کا آنا جاننا رہنا تھا۔ میں زیادہ تر علامہ حیرت بدایونی کے پاس آتا تھا۔ اُن دنوں علامہ حیرت بدایونی کی صدارت میں نمائش کلب اور شہر کے دوسرے مقامات پر مناظرے ہوا کرتے تھے اور بعض مشاعروں کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بعض مشاعروں میں شرکت کے لیے مجھے بھی یاد فرمایا کرتے تھے۔

شاذ کمکت صاحب سے میری ملاقات بہت کم ہوتی تھی کوئی خاص بات ہو یا کسی خاص مشاعرہ کے سلسلے میں اُن سے ملنا ضروری ہوتا تو اُن سے ملاقات ہو جاتی تھی۔

اس محلہ میں ایک ایسی شخصیت سے بھی میری والہانہ وابستگی تھی جو میری شاعری کا مرکز تھی جس کی گلی میں آج بھی رنگ برنگی پھول کھلتے ہیں۔ گلی تازہ کی طرح۔ میری سانسوں کی گرمی میرے قدموں کے نشان اُس گلی میں آج بھی میرے ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ اُس ایک خاص کشش نے مجھے برسوں اپنی طرف متوجہ کیا۔۔۔ آج سب کچھ بدل گیا ہے ٹھے دونوں میں اور دن چینیے اور سالوں میں بدل گئے ہیں اب کچھ بھی تو نہیں رہا۔ سب کچھ اوراقِ ماضی کی نذر ہو گیا ہے جب بھی اُس گلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پیرچھائیاں سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس منقار پر میرے لیے سائبان بن جاتی ہیں۔ جہاں جلتی ہندی دھوپ بھی سایہ فگار رہتی تھی۔ پاکیزہ رشتوں کی ضمانت کھینچتے۔

مومن خان شوق کا مکان "اشرف و لا" ملے پلے کی بڑی مسجد کے  
 سرسبز واقعہ ہے جن کی قیام گاہ بُد کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نور افشانی  
 کی کیفیت سے سرشار رہتی ہے۔ ان کے گھر کا اتول نورانی ہے۔  
 تمام لوگ تعلیم یافتہ ہیں مثلاً آداب سے آراستہ اردو لکھنے پڑھنے  
 والے بچے مومن خان شوق کا سرمایہ حیات ہیں۔ ان کی سب سے  
 نایاب دولت ان کے والدہ ہیں۔ ان کی دین دار نیک صفت والدہ محترمہ  
 شوق صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کی ضمانت ہیں۔ ان  
 کے والدین نے شوق صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز  
 کیا ہے۔ ماں باپ کے قدموں میں پڑے رہتے سے ان کے ہر عمل  
 سے شائستگی، شرافت اور محبت ٹپکتی ہے۔ طرز حیات کا بانگین  
 طبیعت کی شگفتگی اور زندگی کے معاملے میں دباندارانہ رویہ  
 یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو ان کی زندگی کے خدوخال ہیں رنگ  
 بھرنے کی محرک رہا کرتی ہیں۔

مومن خان شوق ایک بے دغ، صاف گو، باکردار، نیک  
 صفت اور پُر خلوص انسان ہیں جو شخص ایک دفعہ ان کی دوستی  
 کی گرفت میں آجاتا ہے وہ یا یہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوق صاحب  
 تیز کام تو ہیں ہی نرم گفتار بھی ہیں۔ ہر ٹکڑے ان کا گفتگو کرنا  
 دانشورانہ طرز عمل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو زندگی کی مثبت  
 قدروں سے وابستہ رہتا ہے اس پر اظہار رائے کے لیے تحفظ دیتی

کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کے کردار کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے بارے میں نیکہ تمنائیں رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے احباب زیادہ ہونے کے باوجود یاد رکھنا سیکھنے کے قابل ہیں۔ مجھے مسرت ہوتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میں شوقِ صاحب کا دوست ہوں۔ اگرچہ ہم دونوں کے درمیان تفاوت ہے لیکن ذہنی طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی کشتی ہیں، ایک ہی منزل کا سفر کر رہے ہیں۔

جن لوگوں کی زندگی صاف ستھری ہوتی ہے وہ کبیر پروردی و زمینی تحفظات، کج روی اور بے راہ روی سے دامن کشا رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں جو اپنے بہترین مستقبل کی تمنا رکھتے ہیں۔ شوقِ صاحب کے ملنے والوں میں ہر قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ ہیں لیکن ان کے پاس شعر و ادب سے اچھی رکھنے والوں کی ایک خاص فہرست ہے۔ شوقِ صاحب سے ہر روز نہ سچی ہنستے ہیں، مگر بار و زوہد طاقات ہوتی ہے۔ میں جب بھی ان سے ملتا ہوں تو مجھے خوشگوار مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے بار بار ملاقات ہوتی رہے۔

ہماری دوستی کی بنیاد صرف اور صرف شاعری ہے۔ ہم نے شاعر کے وسیلے سے ہی اپنے مراسم بڑھائے ہیں۔ میں گزشتہ ۱۲ سال سے ملے پلی میں اپنے ذاتی مکان میں مقیم ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے

کوٹے پی کے میرے عزیز دوست مومن خان شوق میرے ہم نشین ہیں انہیں  
 میرے محکمہ ہی نہیں وہ ایسا ایسے پُر و محلی مخلص کی سانسوں کی خوشبو، جن کے  
 قدموں کی آہٹ اور جن کے حسن سلوک اور بہترین طوطے لہجے نے  
 بھان کیے ریا، بے عرض اور دالہانہ دوستی میں محصور کیا ہے۔  
 مومن خان شوق کی شاعری کی عمر ۳۰، ۳۲ برس کی ہوئی۔  
 اس دوران ان کے چار شعری مجموعے "بدلتے موسم"، "چاندنی کے  
 پھول"، "نرن کرن اُجالا"، "اُدُن نشاط آرزو"، "شعلہ ہو چکے ہیں  
 ان کتابوں پر ملک کی اردو اکیڈمیوں سے انعامات ملے ہیں۔  
 ان کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا ہے۔ دورِ درشن سے فیملی کا  
 ہونا رہتا ہے۔ روزنامہ "سیاست" کے علاوہ ملک کے تقریباً  
 تمام اردو رسائل میں شعلہ ہونا رہتا ہے مومن خان شوق  
 شغریں بھی کہتے ہیں۔ قطعات، نظمیں اور نعتیہ کلام بھی۔  
 مومن خان شوق اپنی ذاتی محنت اور شعروادب سے اپنی شخصی  
 دلچسپی کی وجہ سے شعری و ادبی محفلوں میں جس طرح ایک فعال شخصیت  
 کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اُسی طرح اپنے باوقار شاعرانہ  
 رویے کی وجہ سے بھی اپنی الگ پہچان کے ساتھ اپنے وجود کو سرخ رو  
 بنائے ہوئے ہیں۔ مومن خان شوق کا محبوب مشغلہ، شعری و ادبی  
 کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ مشاہدات و تجربات کو اپنے تخلیقی سفر  
 کا ایک اہم حصہ بنانا بھی ہے۔ ان کے اشعار میں داخلی و خارجی پہلو اپنی

اپنی جگہ پر اپنا منصب ادا کر رہے ہیں۔ زندگی کے مختلف گوشوں پر ان کی بڑی نظر ہے۔ ان کی شاعری زندگی کی آئینہ دار ہے جو شعاع اپنی پہچان کے لیے باوقار انداز میں اپنے فکرو فن کی منزلیں طے کر رہا ہے اس کے قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں جو قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اُن کا سفر کامرانی کے ساتھ گزرتا رہتا ہے۔ مومن خان شوق نے جس سیف کے ساتھ اپنی زندگی کے سفر کو کامیاب راستہ بلے روشناس کرتے ہوئے جاری رکھا ہے اس میں اُن کی مستقل مزاجی اور شائستہ روی کا بھی دخل ہے شوق صاحب محفلوں کے آدمی ہیں۔ محفلیں سمباتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اصول پسندی، وقت کی پاسندی اعلیٰ کردار کی پاسداری ان کا ذاتی وصف ہے۔ مومن خان شوق کا کلام ملک بھر کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے شہر کے اردو اخباروں میں خاص طور پر سیاست میں اُن کا کلام زیادہ ہی شائع ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو، دور درشن سے بھی ان کا کلام ہم تک پہنچ جاتا ہے مومن خان شوق ایک منتظم مزاج شاعر کی حیثیت سے کبھی ادبی حلقوں میں مشہور ہیں۔

جناب مومن خان شوق ادارہ میرا شہر میرے لوگ اور ایوان پرنس معظم جاہ کے سکریٹری ہیں۔ ادارہ سوغات نظر اور نگارستان بانو طاہرہ سعید کے جنرل سکریٹری ہیں۔ سہ ماہی ایوان ادب دہلی کے

مختبر برائے حیدر آباد اور ماہنامہ "خوشبو کا سفر" کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔

مومن خان شوق کو کئی ادبی و فلاحی اداروں اور انجمنوں کی جانب سے اعزاس و اہم اہوار مل چکے ہیں مومن خان شوق کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے راج بھون کے چار مشاعروں میں کلام سنایا۔ محرم کرشن کانت صاحب کی گورنری کے زمانے میں دو مشاعروں میں اور موجودہ گورنر اندھرا پردیش ڈاکٹر سی رنگارا جن کی موجودگی میں "در بار ہال" میں منعقدہ دو مشاعروں میں۔

مومن خان شوق کا چوتھا مجموعہ کلام "کرن کرن اُجالا" کو بزم عثمانیہ جلد نے شائع کیا ہے۔ انہیں "انیکتا میں انیکتا" اندرا گاندھی ایوارڈ شہر کے نامور شخصیتوں کے ساتھ ملا جن میں قابل ذکر ڈاکٹر سی نارائن دیکھی، نواب شاہ عالم خان، محبوب حسین جگر ڈاکٹر شیام سندرو وغیرہ شامل ہیں۔

ادارہ سو غائب نظر مومن خان شوق کی پہچان بن چکا ہے مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ وہ ادارہ میرا شہر ہے اور ماہنامہ خوشبو کا سفر کے شیعہ نشر و اشاعت سے متعلق بھی اپنی ذمہ داری کو نہایت عمدگی سے نبھا رہے ہیں میرا شہر میرے لوگ ابوان بیرس معظم جاہ خجیح کے مشاعروں کی کارروائی بھی عمدگی کے ساتھ چلاتے ہیں۔

ہمارے شاعرانہ روابط کا ایک خوشگوار وسیلہ ہمارے اہل جلسے اور مشاعرے ہیں۔ ان جلسوں کے سلسلے میں اور شہر اور اضلاع کے مشاعروں کے بارے میں ہماری ملاقاتیں ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دورانِ گفتگو محسوس کیا ہے کہ مومن خان شجاع کسی بھی مسئلہ پر اظہارِ خیال میں محتاط روی کا ثبوت دیتے ہیں۔ صاحبِ رائے شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے بے نیلے انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ گفتگو کے دوران قیمتی الفاظ ضائع نہیں کرتے۔ سی اور مناسب موقع کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں۔ یہ ان کی طرزِ تکلم کی خصوصیات ہیں مشاعروں میں اعتماد کے ساتھ کلام سناتے ہیں تحت اللفظ میں شعر سناتے وقت اپنی ساری شخصیت کو شعر کے معنی و مفہوم میں سموتے ہیں۔ ترغیم سے بھی کلام سناتے ہیں لیکن بہت کم۔

شوقِ صاحب کے کلام سنانے کا انداز پُر اثر ہوتا ہے۔ سامعین متوجہ ہو جاتے ہیں اشعار پر داد دیتے ہوئے منقطع تک پہنچ جاتے ہیں شوقِ صاحب جس طرح زندگی کے دیگر مسائل کو عمدگی اور سلیقے سے انجام دیتے ہیں اسی طرح شوخ و سخن کے معاملات میں بھی وہ ذمہ دارانہ رول ادا کرتے ہیں۔ ہر ادبی کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

میری دلی تمنا ہے کہ شوقِ صاحب کی ساری زندگی باوقار انداز میں اسی طرح گزرتی رہے پھولوں اور خوشبوؤں کے درمیان۔

# شفیع اقبال

باکردار انسان۔ سیرِ صوفی۔ باوقار دوست

معاشرہ کے وہ لوگ جو اپنی زندگی کے تانے بانے محنتِ شاقہ،  
 بہترین صلاحیتوں اور جہدِ مسلسل کے پس منظر میں خوبصورتی اور سلیف  
 کے ساتھ بنتے رہتے ہیں لاکھ الجھنوں اور بے شمار مشکلوں کے باوجود بھی  
 اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں وہ سفر جیسے زندگی کا ہو کہ شعری و ادبی، علمی و  
 معاشرتی، تہذیبی و ثقافتی یا اپنی فہم و ادراک اور اپنے فکر و خیال سے  
 استفادہ کرنے والے لوگوں میں ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو اپنی  
 زندگی کے ہر گوشے کو ہر نور بنا لے رکھتے ہیں۔ شفافیت ایسے  
 لوگوں کی زندگی کا ایک محور ہوتی ہے جس کے سبب وہ اپنی زندگی کے ہر  
 لمحہ کو خوشگوار بنالیتے ہیں اور کچھ اس طرح اپنے شب و روز کو آئینہ مثال  
 بنالیتے ہیں کہ ان کی ہر حرکت ہر عمل لائقِ تحسین و قابلِ تقلید بن جاتا ہے



ایسے ہی حالات سے گزرنے والے باصل جیت، باکردار، صاحب فہم و ذکا اور  
جہد مسلسل سے اپنی زندگی کو سنوارنے والے ایک شاعر شفیق اقبال بھی ہیں  
شفیع اقبال ہمارے شہر کے نمائندہ شاعروں میں اپنی ایک خاص پہچان  
رکھتے ہیں۔ بہترین نثر نگار ہونے کے علاوہ سبھے ہوئے مقرر، باوقار مقامی  
اور بہترین منتظم بھی ہیں۔ شعری و ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے  
دیکھ جاتے ہیں۔ محفل کے آدمی میرے سنجیدہ بھی ہیں اور بذلہ سخا بھی۔  
وعدہ کے پابند بھی ہیں وقت کے قدر شناس بھی ہیں۔ بے شمار خوبوں  
کے حامل شفیق اقبال نہایت نرم سکون زندگی گزار رہے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ  
کے گریجویٹ ہیں۔ علمی، ادبی، تہذیبی و شعری صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ شہر  
کی علمی و ادبی محفلوں میں ان کے رکھ رکھاؤ، ان کی شائستگی، شگفتگی، سلیقہ  
مندہ می اور ان کے خلوص کو سراہا جاتا ہے۔ آداب محفل اور تہذیبی قدروں کی  
پاسداری کرتے ہیں۔ روشن خیال ہونے کے ساتھ ساتھ کلاسیکی اقدار کو بھی  
دل و جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ اپنی بہترین شاعری سے شعری و ادبی  
محفلوں میں اپنی ایک منفرد شناخت بنا چکے ہیں۔

شفیع اقبال سے میری ملاقات تقریباً ۱۴ برس پہلے ہوئی تھی۔ ہٹل  
کیفے سے عجبیب نگر (ملے پلی) کے روبرو ان کا ایک جنرل اسٹور تھا۔  
اُس زمانے میں وہ ہماری منزل کے نام سے ایک ہفت روزہ جریدہ نکالتے  
تھان کی دوکان پر زینہ تران کے ہم خیال شعراء و ادیب دکھائی دیتے تھے  
اُس زمانے میں ملے پلی کے ایک خاص دوست کے پاس میرا آنا جانا تھا اکثر

فہم میں اُسی راہ سے گزرتا تھا۔ علیک سلیک ہوتی تھی۔ ہم نے بے شمار مشاعرے  
ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ اُس دور کے ان کے قریب ترین دوستوں  
میں رحمن جانی، عزیز بھارتی، برق یوسفی بھی تھے۔ اُس زمانے میں میری  
اُن سے کوئی خاص رکنم و راہ نہیں تھی۔ صرف معمولی شناسائی تھی دن گزرتے  
گئے۔ حالات بدلنے رہے۔ مشاعروں میں کبھی کبھی اُن سے ملاقات  
ہو جاتی تھی۔ جس زمانے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیاں عروج  
پر تھیں اُن دنوں وہ ہنری مارٹن انیسٹیٹوٹ میں منعقد ہونے والے انجمن  
ترقی پسند مصنفین کے جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ اُن  
دنوں انہوں نے ایک ادبی انجمن عصری ادب کی سرگرمیوں کو بھی جاری رکھا۔  
اُن کے بڑے بھائی عداوق نوید اُس انجمن کے صدر ہیں اور وہ معتمد۔ کچھ  
جیسے تک عصری ادب کے ادبی جلسے اور مشاعرے ہوتے رہے لیکن پتہ نہیں  
کیوں کئی برسوں سے اُس انجمن کی سرگرمیاں بند ہیں۔

ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی تشکیل جدید کے بعد سے وہ ادارہ  
میرا شہر میرے لوگ کے جلسوں میں بہ پابندی شرکت کر رہے ہیں۔ اس ادارہ  
کے وہ رکن عامل ہیں۔ خود شید احمد جانی میموریل کمیٹی اور انجمن مجاہدانہ  
کے سکریٹری ہیں۔ نہایت عمدگی سے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں  
ان کا شاعرانہ و ادیبانہ طرزِ تمثیل متاثر کن ہوتا ہے۔ سیکھے ہوئے انداز  
میں شعری و ادبی، تہذیبی و معاشرتی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں کثر  
مذاکروں میں حصہ لیتے ہیں۔ انہیں ہر موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کرنے کا

ملکہ حاعر سے۔ شفیع اقبال وعدہ کے نہایت پابند ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی کہتے ہیں صاف صاف لفظوں میں دو ٹوک انداز میں کہتے ہیں۔ تعلیمت کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہے ہندوستانی شہری کی طرح باعمل و باکردار انسان ہیں۔ شہر کے نمائندہ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے بہترین کلام سے ساری محفل کو مستعار کر دیتے ہیں کلاسیکی انداز سے ان کی شاعرانہ وابستگی نے انہیں کچھ زیادہ ہی پُر وقار بنا دیا ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو شاعر اپنی بنیادی قدروں کی اہمیت کو سمجھتا ہے وہ کبھی بھی نہدیسی انداز کے تحفظ میں ناکام نہیں رہتا۔ شفیع اقبال کل ہند مشاعرے بھی پڑھ چکے ہیں۔ خود انہوں نے ۳۰ برس پہلے کاندھلوی بھون تنصیف میں کل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ مشاعرہ ہفت روزہ "ہماری منزل" کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔ جس میں ملک کے بعض اہم شاعروں نے بھی شرکت کی تھی۔ جناب عابد علی خان مدیر سیاست نے صدارت کی تھی۔ جناب محبوب حسین جگر کی انہیں سرپرستی حاصل تھی۔ شفیع اقبال اضلاع کے شاعروں میں بھی شرکت کیا کرتے ہیں شہر کے مشاعروں کی طرح اضلاع کے مشاعروں میں بھی اُن کا کلام پسند کیا جاتا ہے۔ اضلاع کے اکثر مشاعرے ہم نے ساتھ پڑھے ہیں اضلاع کے ایسے مشاعرے جن میں، میں شریک رہتا ہوں شفیع اقبال لازماً شریک رہتے ہیں۔ بلکہ ہم ایک ہی کار کے ذریعہ مشاعروں میں شرکت کے لئے جاتے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں گلشن نارسا کے نام سے ان کا مجموعہ کلام

مولیٰ ہے۔ اس وقت ان کے ہاں اتنا کلام موجود ہے کہ وہ دو اور مجھے  
 شائع مجموعے شائع کر سکتے ہیں۔ نہایت بااخلاق، بامروت، نیک سیر  
 انسان ہیں۔ بہت پہلے اگر جبکہ ان کی نشست و برخاست کچھ مخصوص  
 شاعروں کے ساتھ رہی لیکن گزشتہ ۸، ۱۰ برس سے ہماری ادبی حلقے  
 سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ اور ہماری انجمنوں اور اداروں (ادارۃ میر اشرفیہ  
 میرے لوگ، ایوان پرنس معظم جاہ شجاع، سوغات نظر، خورشید احمد جاتی میموریل  
 انجمن محبان اردو، گلبرگ جوہر) میں شامل ہیں۔ شہر کی نامور شخصیتوں سے ان  
 کے مراسم ہیں۔ شہر کی بعض نامندہ محفلوں کے علاوہ وہ راج بھون میں منعقد  
 ہونے والی ادبی و تہذیبی تقاریب میں بھی مدعو رہتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں  
 راج بھون میں منعقدہ مشاعرہ میں بھی انہوں نے کلام سنایا جس کے دائمی  
 گورنر آنندھرا پریش ڈاکٹر سسی رزکار اجن تھے۔ ۱۹۹۵ء میں راشٹری بیلاٹم  
 میں منعقدہ مشاعرہ جس کی مہدات صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شکریال شرما  
 نے کی تھی کلام سنایا۔ شفیق اقبال ہندی ادیبوں کی محفلوں خاص طور پر  
 گیت چاندنی اور ہندی لیکچرنگ سنگھ میں یہ پابندی شرکت کرتے ہیں۔  
 ہندی محفلوں میں بھی ان کا کلام پوری توجہ کے ساتھ سنا جاتا ہے شفیق اقبال  
 اپنے محلہ فقیرہ کی مسجد محمودیہ کے صدر ہیں۔ دینی مصروفیات میں بھی اپنا کچھ  
 وقت گزارتے ہیں۔ قلمی و ادبی معاملات سے بھی انہیں دلچسپی ہے اپنے  
 محلہ کی پیس اینڈ ویلفیر کمیٹی (مانٹری کمیٹی) اور ہسپتال کمیٹی کے صدر ہیں  
 کئی اہل غرض لوگوں کو ان کا تعاون حاصل ہے اپنے محلے کے سربراہ کی حیثیت

سے بھی شہرت رکھتے ہیں اپنے جن دوستوں کو ذہنی طور پر اپنے قریب پاتا ہوں اُن میں شیخ اقبال بھی ہیں۔ شیخ اقبال سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان ہیں خاص طور پر ادبی مسائل پر ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اپنے بہترین مشوروں سے مسائل کی یکسوئی میں معاون ثابت ہوتے ہیں شیخ اقبال کا کلام ملک کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے خوشبو کا سفر کے علاوہ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ قوی زبان اور محکمہ اطلاعات سے شائع ہونے والے رسالے آندھرا پردیش اور دیگر رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ شیخ اقبال گذشتہ ۴۰ برس سے آل انڈیا ریڈیو سے اپنا کلام سنارہے ہیں۔ کشمیر ریڈیو سے بھی ان کا کلام نشر ہو چکا ہے جبکہ کبیر احمد کشمیر ریڈیو کے ڈائریکٹر تھے روزنامہ سیاست میں بھی ان کا کلام پڑھنے کو ملتے دُور روشن سے بھی ان کی شاعری ٹیلی کاسٹ ہو کر نئی ہے شہر کی تقریباً تمام ادبی انجمنوں کے سربراہوں سے ان کے مراسم ہیں مشاعروں میں بھی حصہ لیا کرتے ہیں۔ اپنے پاک و صاف شاعرانہ رویے کے سبب تمام ادبی حلقوں میں پسند کیے جاتے ہیں۔ شیخ اقبال کا شعری و ادبی سفر جاری ہے شعری ادب میں نئے نئے نکل کھڑے رہتے ہیں بہترین نثر نگار اور اچھے مقرر ہیں ان کے کلام میں مسائل کی اشعار کے ساتھ رومانی اشعار بھی ملتے ہیں۔ مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں۔ نئی اصنافِ سخن ہائیکو اور ٹکڑاں بھی اُن کی پسندیدہ اصنافِ سخن ہیں قطعات کے علاوہ معرا و پابند نظمیں بھی کہتے

ہیں ان کی مذہبی شاعری (نعتیں، منقبتیں) بھی پسند کی جاتی ہے غزلی  
 ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے ہمارے شہر کے ایک ہندو شاعر  
 کی حیثیت سے قد کی نگاہوں سے کچھ ہاتھ ہیں۔ شیخ اقبال  
 ایک باشعور صوفی کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ مشرقی ماحول  
 کے پروردہ ہیں۔ پُر سکون زندگی گزار رہے ہیں۔

# بشیر احمد

شاعر حسن و جمال و منہ دار شخصیت

تخلیقی ادب کے تجزیہ نگاروں، علم و فن کے نبض شناسوں اور  
مصرعین شعروادب کا یہ بھی خیال ہے کہ اعلیٰ اقدار کی پاسداری کرنے  
والے صاحبانِ فہم و ادراک کی کھری کھری زندگی کا عکس جمیل نہ صرف  
ان کے آئینہ زندگی میں جلوہ افروز رہتا ہے بلکہ ان کے فکر و خیال کی وسیع  
کائنات میں بھی کچھ اس طرح پھیل جاتا ہے کہ ان کے فن اور شخصیت  
کے تمام پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔

جب سچی و صنع دار شخصیتوں کا حسن خیال، فکر و آگہی کی  
وسعتوں میں ڈھل جاتا ہے تو صالح روایات کی تزجہانی کرنے والی ایک  
ایک کرن کو خراج پیش کرنا رہتا ہے جن فن کاروں کی ساری زندگی  
سفیرانِ نورِ سحر کی طرح روشنی تفہیم کرتی رہتی ہے تو ان کا ہر تخلیقی  
عمل روشن اور منور ہوتا چلا جاتا ہے اور ایسے شاعرِ دایب جن کی

سانسوں میں عطر و عنبیر کی مہک ورتا زہ پھولوں کی خوشبو موجود ہو ان کی تخلیق سارے ماحول کو مہکاتی رہے گی۔ بعض اہل قلم یہ بھی کہتے ہیں کہ شخصیت کے بہت سے نمایاں پہلو تخلیق کار کے فکر و فن کے آئینہ دار ہوتے ہیں جو شاعر سچے جذبات، زود اثر مشاہدات اور شدید واردات قلبی کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں تو ان میں روشن فکر وں کی تمازت اور پھولوں کی نازکی پائی جاتی ہے۔ پاک و صاف زندگی گزارنے والا فن کار سادگی، شگفتگی اور نفاست کی ایک نئی دنیا بساتا ہے اور اس کا تخلیق کردار باریک مباحی پہلی انگڑائی سے شروع ہو کر سارے گلشن کو شادابی عطا کرنے تک باقی رہتا ہے اور بلا قید و گنتاں رنگ و بو کو نکھارتا رہتا ہے۔

بزرگ و محترم گنہ مشق شاعر بشیر احمد بھی 'ن خوش نصیب قلم کاروں میں سے ایک ہیں جن کا علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی کی پس منظر بے داغ موسم گل کی طرح فروزاں ہے بشیر احمد صاحب کی شاعری زندگی کی تابناک شعاعوں کی طرح ادبی و شعری ماحول کو جگمگا رہی ہے۔ ایک دیانت دار، نیک صفت انسان کی طرح شاعری کے ساتھ ان کا تخلصانہ رشتہ ہے وہ خود بھی فن کی قدر و قیمت کو محسوس کرتے ہیں۔ اپنے فن کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے دلی جذبات کی ترجمان ہے وہ زندگی کی خوبصورتی کو پوری دیانت داری کے ساتھ برنستے ہیں۔ شاعرانہ طرح داری کا



ان کا مزاج ہے۔

بشیر احمد کے تاحال ۴ شعری مجموعے "رنگِ حیات" "نصویرِ حیات" "آئینہ حیات" اور "سازِ حیات" شائع ہو چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بشیر احمد کو زندگی کی روشن حقیقتوں اور خوشیوں کی دیرپا مہک سے کافی لگاؤ ہے جو شاعر اپنی شاعری کو اپنی زندگی کی طرح چاہتا ہے تو اس کے شاعرانہ بانگ میں وہ تمام خوبیاں شامل ہو جاتی ہیں جو چمکتے چمکتے گل و گلزار کے کیف اور ماحول کی یاد دلاتے ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے بشیر احمد صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کی حقیقی بھینچی، میری دلہن بولی بہن ممتاز شاعرہ انجم قمر سوز کی معرفت اُس وقت ہوئی تھی جب اُن کے مجموعہ کلام "سوزِ قمر" کی رسم اجراء تقریب منعقد کی گئی تھی۔

رسم اجراء کی یہ یادگار تقریب انجم قمر سوز کے والد محترم ممتاز عثمانی ریٹائرڈ سیشن جج جناب فصیح الدین صاحب کی رہائش گاہ واقع سالار جنگ کالونی میں انجام پانے والی تھی رسم اجراء کی تقریب سے قبل پُر تکلف عشاء کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سوزِ قمر کی رسم اجراء کی تقریب سابق گورنر ہمارا شرعاً جناب صادق علی کے ہاتھوں انجام پائی۔ جلسے کو شہر کے نامور دانشوروں نے محافلِ طلب کیا تھا مشاعرہ کی صدارت حضرت سعید شہیدی نے کی تھی۔ یہاں ان خصوصیات کی حیثیت سے ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسرو نے شرکت کی تھی۔ ادنیٰ اجلاس

شاعرہ کی ذمہ داری اچھے سونپی گئی تھی۔ ان شعرائے کرام کے علاوہ جناب بی  
قمر الدین قمر، صلاح الدین شیر، انجم قمر سوز، ربیع ختر، ڈاکٹر صادق نقوی  
نہیال سنگھ ورما، بشیر احمد نے کلام سنایا تھا۔

بشیر احمد صاحب کے بڑے بھائی جناب فصیح الدین کے اہل  
نمائند، شعر و ادب اور فن موسیقی سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔  
انجم قمر سوز کے شوہر محترم ڈاکٹر قمر الدین قمر بھی اچھے شاعر ہیں۔ انجم قمر سوز  
کے بھائی نسیم احمد اپنے دور کے مشہور فرزند جامعہ عثمانیہ رہے ہیں ان  
کی چھوٹی بہن انعمہ اور صفیہ کو شعر و ادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہے۔  
ان کی والدہ محترمہ کو فن موسیقی سے بے حد دلچسپی تھی۔ ایک اور چھوٹی بہن  
رعبہ حبیب نہایت ہادوق، اعلیٰ درجہ کا شعری مذاق رکھنے والی خاتون  
دکن ہیں جن کی گفتگو کا ہر جملہ شاعرانہ و دانشورانہ فکر و خیال کا  
نرمجان بنا رہا ہے اس طرح کے شگفتہ، شستہ اور نغمہ پرور کیفیات  
سے بشیر احمد صاحب کی شخصیت وابستہ رہی ہے اس قسم کے شائستہ  
اور خوشگوار ماحول نے ان کے شعری سفر کو جاری رکھنے میں بڑی مدد  
کی ہے بشیر احمد صاحب ایک سیدھی سادہ طبیعت کے انسان ہیں۔  
وضع دارتی گویا ان کی نس میں ریح بس ٹھٹی ہے ان کے لب و لہجے  
میں شائستگی کے وہ تمام انداز نمایاں ہیں جو شریف و معتزراعلیٰ طرف  
گھرانوں کی پہچان ہوا کرتے ہیں۔ ان کے طرزِ تکلم سے خلوص کی خوشبو آتی  
ہے ان کا مخلصانہ رویہ آج کا نہیں ہے برسوں سے ہم انہیں اسی انداز

سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کا رکھ رکھاؤ حیدر آبادی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ بھرپور گفتگو کرتا ہی نہیں ان کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی مخاطب کو اپنے دائرہ خلوص میں باندھ لیتا ہے۔ ان کے لفظوں کے جادوئی اثر سے کوئی بچ نہیں یا تا۔ نہایت شریف انسان ہیں وقت کی پابندی، وعدہ کی پاسداری کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان سے ملاقات کرتی ہو تو ان کے گھر پہنچ کر دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ حیدر آباد کے شرفاء کا مخصوص لباس شروانی زیب تن کئے ہوئے صدر دروازہ کے روپروٹھلے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جسم و جاں کو ہیکانے والے عطر کے شوقین ہیں۔ ان کے جسم کی خوشبو جہاں دل و دماغ کو محط کر رہی ہے وہیں عطر حنا، جنت الفردوس کی خوشبو ان کے لباسِ فاخرہ کو ہکاتی رہتی ہے خوش لباسی کی وجہ سے وہ سب کی نظر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھری شروانی کے اوپر کے ۳۴ بٹن ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ ان کے سرخی مائل رخسار کو عازہ کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ ہر اضافی شے سے بے نیاز ہیں البتہ خوشبودار پان کا استعمال ان کے لبوں کی تراوٹ میں اضافہ کرتا ہے مشاعروں میں ان کا پان کھاتے ہوئے آنا اچھا لگتا ہے ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کی شرافت ہے۔ افسانہ رشتوں سے انہیں والہانہ وابستگی ہے وہ کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ قبل اس کے کہ

کسی مصیبت زدہ شخص کی آٹھ سے آٹھ نکل پڑیں وہ ان آنسوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ سستی اور قابلِ اعانت لوگوں کی اس طرح مدد کرنے میں کہ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہیں ہوتی۔

بشیر احمد صاحب اپنی عمر کی موجودہ منزل پر پہنچنے تک کئی دور دیکھ چکے ہیں۔ وہ ایسے حالات سے بھی گزرے ہیں جو بیوقوفوں اور کانٹوں کے درمیان پگھلائی کی شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ ان کی زندگی کا سفر آج بھی پوری متانت اور اصول پسندی کے ساتھ جاری ہے۔ بشیر احمد صاحب کی شاعری اگرچہ غزل کی شاعری ہے لیکن وہ مسائل شاعری سے بھی وابستگی رکھتے ہیں ان کی شاعری کا رنگ بعض اساتذہ سخن کے کلام کی طرح مخصوص فکر کا حامل ہے قاری ہو کہ سامع ان کے اشعار سے فرحت محسوس کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ دیر تک کلام سناتے رہیں ان کے کلام سے جہاں طبع سلیم کو تسکین ملتی ہے وہیں دل و دماغ کو راحت بھی ملتی ہے۔

بشیر احمد صاحب کے شاعر دوستوں کی فہرست پہلے ہی بت گئی لیکن جب سے وہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوانِ پرنس منظم جاہِ شہزادہ سوفاست، نظر، خورشید احمد جانی، سید اکیڈمی کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کر رہے ہیں فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے بشیر احمد صاحب جن مشاعروں کو بہت زیادہ اپنا سمجھتے ہیں ان مشاعروں میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر

ہمارے نقوی، ہنبالی سنگھ، درما، موہن خان شوق، شفیق اقبال، انیسوری،  
 شاعر ادیب، ڈاکٹر راہی، ہاشم حسن سعید، رشید جلیلی، یوسف بخت  
 قابل ذکر ہیں۔ ادبی محفلوں میں اگر وہ کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکیں تو ان  
 کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے وہ ایک خوش گفتار، خوش اخلاق، خوش  
 مزاج انسان ہونے کے علاوہ ایک مہذب شہری بھی ہیں ایسے صاحبان  
 کج کلام، وضع دار لوگ شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ بشیر احمد کی شاعری  
 ان کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے سید علی سادے لفظوں میں خوبصورت  
 بات کہہ جاتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ طرز اساتذہ سخن سے ملتا ہے۔ رواں  
 دواں جبروں میں مخر کھتے ہیں ان کی زبان سٹھری اور ان کا لب و لہجہ  
 شگفتہ ہے چونکہ بشیر احمد صاحب ایک آئینہ صفت پاک و صاف  
 دل و دماغ رکھتے والے شاعر ہیں اس لئے ان کے اشعار ان کے  
 جذبات و مشاہدات کے سچے ترجمان بن کر صفحہ قرطاس پر بکھر جاتے  
 ہیں ان کے شعر سنانے کا انداز بھی منفرد ہے۔ تحت میں شعر سناتے ہیں  
 لیکن ادھر کچھ دلوں سے ترنم میں شعر سنار ہے ہیں ان کا ترنم سماعت  
 پر گراں نہیں گزرتا۔ بشیر احمد صاحب کے فن اور شخصیت کے مختلف  
 گوشوں کی تصویر افشاں کیفیات کا سلسلہ بہت طویل ہے

# ڈاکٹر راہی

معتبر قلم کار روشن خیال شاعر۔ حرکیاتی شخصیت

معاشرہ کدوہ کار آمد لوگ ہو رہے ہیں ہر رواں دواں رہنے کو ایک کار خیر سمجھتے ہیں اور جو اپنی حرکیاتی زندگی سے یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ خوشگوار محوں کی قدر و قیمت انکی عظمت و منزلت کیا ہے ایسے لوگ نہ صرف خود کے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک ایسا روشن چراغ بن جاتے ہیں جن کی روشنی میں معاشرہ کا ہر گوشہ پُر نور دکھائی دیتا ہے۔ خاص طور پر ایسے لوگ جو دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیتے ہیں وہ ہر دور میں پسند کئے جاتے رہیں گے۔ اس انتشاری دور میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنی تنہائی کو مصروف زندگی کا ایک اہم حصہ بنا دیتے ہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو پیراجوم حالات سے گذرتے ہوئے بھی اپنی ذات کو مجروح ہونے نہیں دیتے۔ انا کا مسئلہ ہر باشعور شخص کے لئے

ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے جو شخص اپنے آپ کو اپنی ہی نظروں سے گرا دیتا ہے وہ سماج کا بدترین شخص سمجھا جاتا ہے اور وہ شخص جو اپنی شخصیت کی ہر لمحہ حفاظت کرتا ہے وہ معاشرہ میں سرخرو رہتا ہے۔ اپنی غویشیوں کو بانٹنے کا فن ہر ایک کو نہیں آتا۔ جو لوگ خوشیاں تقسیم کرتے ہیں اگر ان کی زندگی میں محرومیاں ہوں بھی تو وہ اپنی محرومیوں میں کسی اور کو حصہ دار نہیں بناتے اور ان کا یہ فلسفہ اپنی جگہ کارفرما رہتا ہے کہ جس کا غم اُس کے ساتھ یہ اس لئے کہ ہر ایک کا دکھ، درد اپنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی خود دار طبیعت اور اپنی سائنسہ مزاجی کے تحفظ کے لئے خود ہی ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرتا رہتا ہے۔ دوسروں کو شریک غم ہونے نہیں دیتا۔ ایک ایسا شخص جس کی صبح روشنی کی علامت بن کر معاشرہ میں رفتہ رفتہ پھیل جاتی ہے اور وہاں وہاں تک روشنی پہنچاتی ہے جہاں جہاں اندھیرے ہیں تو ایسا شخص ایک کامیاب زندگی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کے اجالوں اور اندھیروں سے گزرتے والے ایک شاعر ڈاکٹر راہی بھی ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ صبح صادق کی طرح اجالوں کی بشارت دیتا ہے۔ ڈاکٹر راہی نے ایک سماجی حیثیت سے ہزاروں انسانوں کی خدمت کی ہے (اور کر رہے ہیں) لیکن ایک شاعر اور ایک ادیب و صحافی کی حیثیت سے بھی بے شمار احباب فکر و فن سے خراج وصول کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر راہی پیغمبر کے اعتبار سے

ایک مصروف ترین ڈاکٹر ہیں۔ صبح کی اولین ساعتوں سے لے کر رات کے پہلے حصہ تک وہ مصروف رہتے ہیں مسیحا کا یہ سلسلہ خیر و خوبی کے ساتھ زائدا ۳۵ برسوں سے جاری ہے۔ میں واقف ہوں کہ ان کے مطلب کہاں کہاں واقع ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مغل پورہ کمان سے متصل کلینک ریڈینٹا بہت قدیم ہے یہاں وہ زیادہ تر شاعروں و ادیبوں کی بھی طبی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ مجھے اُن سے ملاقات کے لئے اُن کے مطلب جانا پڑا تو میں نے اکثر دفعہ دیکھا ہے کہ کوئی نہ کوئی شاعر موجود رہتا ہے انہیں اپنے پاس سے دو اشیاں مفت دیتے ہیں ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کے علاج کے سلسلہ میں کوئی فیس نہیں لیتے۔ یعنی اُن سے اپنی خدمت کا معاوضہ نہیں لیتے۔ فرصت ہو تو کلینک میں انڈین میوزسٹروں کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ شہر کی حیثیت سے بھی کافی مشہور ہیں۔ ان کی بزم جوہر کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں۔ گزشتہ ۱۰ برسوں سے بزم جوہر کی ادبی و شعری سرگرمیاں جاری ہیں۔ ہر ماہ نہایت پابندی سے شعروادب اور معاشرہ سے متعلق محفلیں ادبی اجلاس منعقد کیا کرتے ہیں میں بزم جوہر کے اکثر جلسوں میں شریک رہا کرتا ہوں۔ بزم جوہر کے اجلاس عائشہ منزل (قریب مغل پورہ کمان) پر منعقد کرتے ہیں منتخب دانشور ان شعروادب ادبی اجلاس اور مذاکروں میں حصہ لیتے ہیں شعرو سخن کی محفل میں بحیثیت شاعر کلام سنتے ہیں بزم جوہر کی



نقص میں شہر کی نمائندہ شخصیتیں مدعور ہوتی ہیں جو اپنے فکر و فن کی موتیاں نکالتے رہتے ہیں۔ ایسے دانشور شاعر و ادیب بھی شرکت کرتے ہیں جن کے فکر و فن کی دولت سے ان کا دامن ہمیشہ بھرا ہوا رہتا ہے۔

ڈاکٹر راہی بزم جو ہر کے سالانہ جلسے بڑے اہتمام منعقد کرتے ہیں عام جلسوں کے مقابلے میں سالانہ جلسوں میں کچھ اور نمایاں شخصیتیں شریک رہا کرتی ہیں یہ ایک ایسی بزم ہے کہ جس کی سرگرمیاں شہر کی ادبی انجمنوں میں اپنی منفرد کارکردگی کی وجہ سے اہم سمجھی جاتی ہے ڈاکٹر راہی تنہا اس انجن کے سب کچھ ہیں سارے انتظامات وہی کرتے ہیں اگرچہ بزم جوہر کے کچھ اراکین بھی تعاون کا جذبہ رکھتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر راہی کے کام کرنے کا طریقہ کچھ ایسا ہے کہ وہ اپنا کام خود کرنا چاہتے ہیں تاکہ کارکردگی میں کسی قسم کا جھول پیدا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ بزم کے بانی ہیں جو ہر حال میں اپنے جلسوں کو کامیابی سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی نہ صرف غزل کے شاعر ہیں بلکہ انہوں نے بہت ہی اچھی اچھی نظمیں بھی کہی ہیں ان کے شعری مجموعوں میں عمدہ عمدہ نعتیں بھی ملیں گی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راہی حب رسول پاک میں ڈوب کر شعر کہتے ہیں ڈاکٹر راہی کے تاحال تین شعری مجموعے ڈسک تبت تاب، ہلکے نام سے شائع ہو چکے ہیں نثر میں ان کی ایک کتاب شائع ہوئے والی ہے جو ان کے ادبی مضامین پر مشتمل ہوگی۔ ڈاکٹر راہی کے کچھ مضامین ادبی رسائل میں چھپتے رہتے ہیں ڈاکٹر راہی شگفتہ شائستہ نثر

کہتے ہیں۔ بزم جوہر کے جلسوں میں ان کے کلیدی نوٹ کی بھی کافی اہمیت  
رہتی ہے ایک جگہ بھی بھرتی کا نہیں ہوتا۔ ان کا نوٹ مبصرین تقریریں  
کے لئے سرچشمہ موضوع ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر راہی سے میری ملاقات کا سلسلہ بہت قدیم ہے۔ میری  
ابتدائی شاعری کے زمانے میں جو شعراء مشاعروں میں شرکت کرتے تھے  
ان میں سے تقریباً ۵۷ شاعر کہاں ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ۴۰  
برسوں میں جو شعرا اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلاتے رہے ہیں  
ایسے شاعر کچھ اچھی طرح یاد ہیں۔ ڈاکٹر راہی کو میں گذشتہ ۱۲، ۱۵ برس  
سے کچھ زیادہ ہی جاننے لگ گیا ہوں۔ جیسے فقیرا شہر میرے  
لوگ سے وابستہ ہو گئے ہیں ادارہ کے جلسوں میں پابندی سے شرکت  
کرتے ہیں مجھ سے متعلق اور میرے خاص شاعر دوستوں سے متعلق  
جو ادبی محفلیں سرگرم عمل رہتی ہیں ان میں ڈاکٹر راہی موجود رہا  
کرتے ہیں جیسے ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوان پرنس معظم جاہ  
شبیخ، سوغات نظر، خورشید احمد جامی میموریل اکیڈمی وغیرہ۔  
مسلل ملاقاتوں نے دوستی اور مراسم کو کافی استحکام بخشا ہے۔ اب تو  
یہ حال ہے کہ ہر اہم شاعرہ میں جس میں شرکت کرتا ہوں یا میرے  
زیر انتظام رہتا ہے ڈاکٹر راہی بھی شریک رہتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں  
مشاعروں میں بھی ڈاکٹر صاحب سناٹھا رہتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں  
میں تقریباً ۱۲، ۱۵ سال سے شرکت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر راہی یار باش

بآردار اصول پسند، صاف گو اور اپنے دوستانہ مراسم میں دیانتدار  
 آدمی ہیں جو بات کہتی ہو صاف صاف کہتے ہیں وہ اپنے دوستوں  
 کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے مشاعرہ دوست  
 انتہائی خوشگوار ماحول میں اپنا شعری و ادبی سفر جاری رکھیں اور  
 شعر و ادب کی جو اعلیٰ اقدار ورثے میں ملی ہیں ان کی پائس داری کریں  
 اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو یاد کرتے رہیں۔ نہ صرف اپنی بہتری  
 کے لئے بلکہ معاشرہ کی بہتری کے لئے بھی۔ ڈاکٹر راہی صرف ایک شاعر  
 ہی نہیں مبصر بھی ہیں اور بہترین نقاد بھی ہیں تمام اصنافِ سخن  
 سے انہیں دلچسپی ہے لیکن غزل ان کے شاعرانہ مزاج سے ہم آہنگ  
 ہے بڑے سلیقے سے شعر کہتے ہیں تحت، اللفظ میں کلام سناتے ہیں  
 ان کا شعر سنانے کا انداز بہت منفرد ہے مشاعروں میں چھا جاتے  
 ہیں شعر اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ سامع پوری توجہ کے ساتھ  
 ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں ایسا شاعر ہمیشہ کامیاب رہتا ہے جس  
 کے اشعار کے ساتھ سامعین بھی سفر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی کے ساتھ  
 اضلاع کے مشاعروں کا سفر نہایت کامیاب رہتا ہے خوشگوار موڑ  
 میں رہتے ہیں۔ سنجیدہ، شائستہ و پُر لطف لطیف سناتے ہیں  
 لیکن سننے زیادہ ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں میں نگہ ذریعہ کار جلتے ہیں  
 کار کا سفر ہمارے لئے سہولت بخش رہتا ہے وقت پر پہنچ جاتے ہیں  
 اور آرام سے جلتے اور آتے ہیں مشاعرے کے فوری بود شہر کے لئے

رہا نہ ہونے میں صبح ۷:۰۶ بجے تک شہر لوٹ جلتے ہیں ساری رات جاگنے میں گھٹ جاتی ہے عموماً اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کے لئے ہم کو پہر کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ میں اور میرے ہم خیال مشاعرہم برس سے اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں۔

اضلاع کے مشاعروں میں میرے ہم خیال شاعر زیادہ مدعو کئے جاتے ہیں ڈاکٹر راہی نہ صرف مشاعروں کی گھم گھی سے دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اردو تحریک اور اردو کا زکے لئے بھی کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف شہر کے اور اضلاع کے مشاعرہ میں ہی شرکت کرتے ہیں بلکہ کل ہند مشاعروں میں بھی مدعو کئے جاتے ہیں۔ کل ہند مجلس انجاء المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعتیہ مشاعرہ میں بھی کلام سُنانے ہیں مشاعرہ میں ڈاکٹر صاحب کو میں نے کبھی شیر وانی پہنے نہیں دیکھا البتہ کوئی خاص تفریب ہو تو شیر وانی پہنتے ہیں ڈاکٹر راہی کسی سے دوستی کرتے ہیں تو جسم کو کرتے ہیں ان کی دوستی مثالی ہوتی ہے دوستوں کے کام آتے ہیں وہ شہر کے والا جاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی خوش مزاج، نفاست پسند، دین دار اور بامروت آدمی ہیں ان کا یہ وصف آج کا نہیں برسوں کا

# قاضی محمد اسماعیل عارفی

(مسلم معاشرہ کی مہذب شخصیت۔ کہنہ مشق شاعر)

وہ لوگ جو اعلیٰ فذروں، انسانی رشتوں اور تہذیبی افتدار کی پاسداری کرنے ہوئے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو کیف آور، سرسبز و شاداب اور خوشگوار بنانے کا ہنر مانتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی طرح داری، کج کلاہی اور وضع داری کو اپنی بہترین زندگی اور اپنے عمدہ طرزِ حیات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو محبت و اخوت، شرافت و نجابت، مردیت و صداقت، رواداری، روایت پسندی اور تہذیب و ثقافت کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رہن سہن، اپنے طور و طریق اور اپنے رکھ رکھاؤ کے تناظر میں اپنے اسلاف کی روشن علامتوں کے ترجمان ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن کا ایک ایک پل معاشرہ کی سرخروئی اور اس کی بہتری کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے اور وہ لوگ جو دوسروں کی سرنیوں کو دو بالا کرنے کے لئے اپنے حصہ کی خوشیاں دوسروں میں بانٹ

دیتے ہیں اور وہ لوگ جن کا مقصد حیات ہی پھولوں کو تازگی بخشنا،  
 ماحول کو تروتازہ بنانا، نسیم صبح کی ہر انگڑائی کو اپنا ہم نوا بنانا اور سنا  
 معطر فضاؤں کو ساری انسانیت کے لئے چشمِ نگران کا اعزاز عطا کرنا  
 ہوتا ہے اور وہ لوگ جن کا دامن ہلکتے ہوئے پھولوں، تازہ ہواؤں  
 کرن کرن آجاولوں اور حیاتِ اخروہ لمحات سے معمور ہوتا ہے ایسے ہی  
 دانشورانِ شعور و ادب اور صاحبانِ علم و دانش میں قاضی انجم عارفی کا  
 بھی شمار ہوتا ہے۔

ہر انسان کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی بخوارف ہوتا  
 ہے جن کے بارے میں سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے سے دل و دماغ جھلکے  
 نکلتے ہیں۔ خوش مزاجی و خوش طبعی، دل پذیری و دل آویزی،  
 دلچسپی و جُردباری، ملنساری و اعلیٰ ظرفی، روابط میں بے ساختگی اور  
 معاملاتِ دین و دنیا میں صداقت پسندی، راست گوئی، حق پرستی و  
 قدر شناسی انسان کو اعلیٰ و ارفع بنادیتی ہے۔

قاضی صاحب اپنے عمدہ خصائل، اپنی اعلیٰ فذ و قیمت اور اپنے  
 پُر اثر تہذیبی رشتوں کو محسوس کرنے والی شخصیت کی حیثیت سے  
 اپنے ہم عصروں میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ شعری و ادبی ذوق  
 انہیں ورثے میں ملا ہے اُن کے والدِ محترم قاضی میر سرفراز علی عارف  
 ابوالعلائی اپنے وقت کے ممتاز شاعر و ادیب ۱۲ کتابوں کے مصنف /  
 مؤلف تھے انجم عارفی صاحب اپنے ورثے کے تقدس کے تسلسل میں اپنے

شعری و ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری، ان کی زندگی کی آئینہ دار ہے چاہے وہ مذہبی شاعری ہو کہ غیر مذہبی شاعری غزل گوئی یا نظم نگاری۔ وہ پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ فلم و فرط اس کے آبرو کو باقی رکھتے ہوئے اپنے منصب شاعری پر فائز ہیں۔

قاضی صاحب سے میرے ایک یا دو دن کے نہیں برسوں کے مراسم ہیں۔ ہماری شناسائی کو دوستی کا روپ اختیار کرنے میں کچھ زیادہ دن نہیں لگے۔ ہماری ابتدائی پہچان رفتہ رفتہ دوستی کے زمرہ میں داخل ہو گئی۔ اب ہماری دوستی دوستی کے معیار پر پوری اتر چکی ہے۔ قاضی صاحب سے میرے روابط اس وقت زیادہ استوار ہوئے جب مجھے اپنے رشتے کی ایک بہن کے میریج سرٹیفکیٹ کے سلسلے میں فی الفور اُن سے تعاون حاصل کرنا ضروری تھا (چونکہ میری بہن بیرون ملک جانے والی تھی) مجھے یاد نہیں ہے کہ قاضی صاحب سے میری پہلی ملاقات کب، کہاں اور کس سلسلے میں ہوئی تھی البتہ مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ پہلی ملاقات تعمیرِ مکت کے سالانہ جلسہ رحمت للعالمین کے موقع پر ہوئی تھی وہ بھی اس جلسے میں نعت شریف سنانے والے تھے۔ اُس جلسے میں مجھے بھی نعتیہ کلام سنانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی (یہ بات شاید زائد از ۲۵ برس پہلے کی ہے) قاضی صاحب سے جب میرے روابط میں اضافہ ہونے لگا تو میں نے اُن میں وہ تمام خوبیاں پائیں

جو ایک بہترین انسان اور ایک بہترین دوست کی نمایاں خصوصیات سمجھ جاتی ہیں۔ میں نے یہ طے کیا کہ قاضی صاحب جیسے ایک اچھے انسان اور ایک اچھے شاعر کو اپنی محفلوں میں مدعو کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے انہیں اپنے ہم خیال حلقوں سے متعلق ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کرنا شروع کیا۔ مجھے اُس وقت زیادہ خوشی ہوتی تھی جب وہ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ محفلِ شعراء میں داخل ہو کر بیٹھتے۔ اور اپنی ایک صاف ستھری غزل سُنا کر محفل میں اپنی شاعرانہ عظمتوں کا رنگ جلاتے ہیں۔ مشاعروں کے علاوہ اُن سے دیگر ادبی و تہذیبی علمی و ثقافتی محفلوں میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ہر ملاقات میں ان کا انداز گفتگو، ان کی شرافت و محبت اور ان کے بے لوث خلوص کے بہت سے جوہر گھلنے لگتے۔

کہا جاتا ہے کہ اچھے لوگوں سے رسم و راہ رکھنے سے زندگی کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ لوگ اچھے دوستوں اور اچھے انسانوں کے متلاشی رہتے ہیں لیکن مجھے اچھے دوستوں کی تلاش میں زیادہ محنت نہیں لگنی۔ تازہ پھولوں کی ہلکے طرح مجھے اچھے دوست ملتے رہے اور میں ہر موسم کی تازہ ہواؤں کی طرح ان کا خیر مقدم کرتا رہا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں اپنے بعض دوستوں پر بہت زیادہ نازاں ہوں جن میں سے ایک دوست قاضی انجم عارف بھی ہیں۔ قاضی صاحب انتہائی پُر خلوص، با اعتماد، پُر فکار، صلح کن، پاکیزہ طبیعت، شائستہ طبیعت اور عمدہ افکار کی ترجمانی کرنے والے



ایک ہمدرد شہری ہیں۔ ان سے جو بھی ملتا ہے یا تو وہ اُن کا بن جاتا ہے یا اُن کو اپنا بنا لیتا ہے لیکن زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اُن کے بن جاتے ہیں۔ ہماری محفلوں میں قاضی صاحب جب رونق افروز ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ موسم بہاراں کو لا رہے ہیں بہاراں بھر رہے ہیں کہ شخصیت ہر ایک کی نہیں بنتی۔ جن کی بن جاتی ہے اُن کے پیچھے اُن کی شرافت و کردار کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے معاشرہ میں بے شمار لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے لیکن سیکڑوں لوگوں میں سے کبھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پہچان کے ساتھ ملتے ہیں۔ قاضی انجم عارفی کو کون نہیں جانتا۔ شہر کے تمام علماء و مشائخین ہی انہیں تفریباً تمام شاعر و ادیب اور مختلف علمی و ادبی اداروں سے وابستہ اصحاب بھی اُن کے قدر شناس ہیں۔

قاضی صاحب نے وقف بورڈ کی اپنی خدمات کے ذریعہ لوگوں کی برکت و مدد کی ہے (آج بھی کہہ سکتے ہیں) یہ بات بھول نہیں ہوں کہ جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر (سیاست) قاضی صاحب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وقف بورڈ سے متعلق اگر کوئی کام تھا تو مجھ سے فرمانے کہ قاضی صاحب سے کہہ دو کہ ہم سے مل لیں۔ قاضی صاحب فی الفور دفتر سیاست آتے اور انتہائی سعادت مندی کے ساتھ تفویض کردہ کام بہ حسن و خوبی انجام دیتے۔ شہر میں بہت سے ایسے صاحبانِ علم و فن و فنون کے قاضی صاحب سے تعاون حاصل کرتے ہوں گے۔

ہر شخص کی زندگی میں اپنے دوستوں کی ایک فہرست ہوتی ہے۔  
 کس کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے تو کسی کی بہت مختصر۔ لیکن قاضی صاحب  
 اپنے فرائض دل واقع ہوئے ہیں کہ ان کے دوستوں کی ایک بہت بڑی  
 فہرست ہے۔ قاضی صاحب کو میں نے ہمیشہ شگفتہ موڈ میں پایا۔ نہ تو  
 وہ دملنے کی شکایت کرتے ہیں اور نہ ہی دملنے والوں کی۔ انجم عارفی  
 جیسے مہتمم لوگ بہت کم ہوتے ہیں اپنے ہر کام کو اللہ کی مرضی پر چھوڑنے  
 والے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوتی  
 ہے کہ وہ ایک سایہ دار درخت کی طرح صد خاندان کے فرائض نہایت  
 معتبری اور وضع داری کے ساتھ نبھا رہے ہیں نیک اولاد ہر ایک کے  
 نصیب میں نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں کونسی نیکیوں نے قاضی صاحب کو اپنے  
 تمام اہل خاندان سے اس قدر جوڑ رکھا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ خدا  
 کی ہر بات کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کی دعائیں بھی ان کے ساتھ ہیں  
 تہذیب یافتہ یا ادب بیٹوں کے تذکروں سے وہ اس طرح خوش ہوتے  
 ہیں جیسے انہیں دنیا کی ساری دولت مل چکی ہے۔ اپنے شاگرد بیٹے  
 قاروق عارفی ہی نہیں بلکہ تمام بیٹوں (قاضی سلیم عارفی، قاضی ساجد عارفی  
 قاضی باوید عارفی اور قاضی خسرو عارفی) پر ان کا دست شفقت ہمیشہ  
 رہتا ہے (تبھی تو تمام بیٹے تہذیبی اقدار کے پاسدار ہیں) قاضی صاحب  
 کے گھر کا ہر فرد محضر فضاؤں اور نوز و نعمات کی برکتوں سے مالا مال ہے  
 ان تمام پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہے۔ اور جس گھر پر خدا کی خاص

دیر بانی جوتی ہے وہاں کا حال ہی کچھ اور ہوتا ہے سارے گھر میں روشنی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جس طرف بھی نظر پڑا اٹھائیے اجالا ہی اجالا نظر آئے گا۔

انجمن عارفی ایک شاعر دوست کی حیثیت سے بھی اپنی شاعر برادری میں انہیاں بیٹیت رکھتے ہیں۔ میں نے انہیں معاشرہ کی ہر اونچی سطح پر دیکھا ہے چلے وہ سرکاری ماحول ہو کر غیر سرکاری ماحول قاضی صاحب اپنے شناساؤں اور اپنے وسیع حلقہٴ احباب میں گھرے ہوئے رہتے ہیں۔ علماء و فضلا کی مجالس ہوں کہ شاعروں، ادیبوں، صحافیوں کی مجلسیں ہوں بے حد پسند کئے جاتے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب کو جہاں راسٹر نیٹی نبیلانہ میں سابق صدر جمہوریہ ہند اکٹر شنکر دیال شرما اور راج بھون میں سابق گورنر آندھرا پردیش (موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہند) جناب کرشن کانت کو شعر سناتے ہوئے دیکھا ہے وہیں انہیں چھوٹی چھوٹی شعری محفلوں میں بھی کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ بہنویں انسان اپنے بہترین فن کا مظاہرہ کرتا ہے اور ایک اچھا انسان اپنے گھرے گھرے خیالات سے معاشرہ کے تمام گوشوں کو فیض پہنچاتا رہتا ہے۔ عارفی صاحب شہر کی خاصی خاص ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ابوان پرنس، معجم جاہ شمع، سوغاتِ نظر، بزمِ جوہر، نور شیدا، حدیثی، موریل اکبڈمی کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے

میں ان کی شاعری جہاں کلاسیکل اسکول کی نمائندگی کرتی ہے وہیں عصر حاضر کے رجحانات کی بھی عکاس ہے۔ عارفی صاحب بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے موضوعاتی اظہیں بھی کہی ہیں ان کا نوجوبہ کلام عقیدت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ کل بنہ نخبہ مشاعروں میں وہ لازماً مدعو کئے جاتے ہیں۔

گزشتہ ۲۰۱۵ سال سے میں انہیں سن رہا ہوں۔ جب رسول میں سرشاران کی شاعری عاشقانِ رسول پاک کے قلب کو تسکین پہونچاتی ہے ان کی مغز لبیبہ شاعری بھی انسانی رشتوں کے اظہار کا موثر ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ عارفی صاحب کی شاعری پوری توجہ کے ساتھ پڑھے جانے کی منتقاضی ہے یا شعور قاری اور صاحبِ نظر سراج سے داد و تحسین حاصل کرنی رہتی ہے۔ قاضی انجم عارف ایک دیدہ و دانسان ہیں۔ ان کے اعلیٰ کردار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک یارِ بخش آدمی ہیں لیکن اپنے رکھ رکھاؤ اور روابط میں کبھی کبھی فاضل کی اہمیت کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں ہر ایک سے کھل کر ضرور ملتے ہیں لیکن خاص خاص لوگوں سے اپنے روابط کو اولیت دیتے ہیں۔ وہ فطرتاً خوش طبع خوش مزاج انسان ہیں۔ انہیں میں نے ہر موڑ پر کھرا اور سیدھا پایا۔

# افتخار احمد اقبال

(بہترین شاعر - نامور ادیب، عمدہ انسان)

اگر کسی گھر میں تمام کے تمام لوگ نائق و فائق ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ”اس خانہ ہمہ آفتاب است“۔ چاہے ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے کیوں نہ ہو اور اگر کسی گھر کا سارا ماحول علمی و ادبی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے تو وہاں کا ہر فرد اپنے اپنے ذوقِ سلیم کے مطابق اپنی صلاحیتوں کے بہترین اظہار کے موقف میں رہتا ہے۔ خاص طور پر ایسے گھرانوں کے لوگ جو علمی و ادبی مجلسوں سے وابستہ رہ کر معاشرہ کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں وہ اپنی انفرادیت کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارتے ہیں اس طرح کے لوگوں میں بہترین استادِ اردو، نامور شاعر و ادیب جناب افتخار احمد اقبال بھی شامل ہیں جن کے اسلاف نے علم و ادب کی چیراغ جلاسنے میں اپنی عمر گزار دی۔ افتخار احمد اقبال ممتاز شاعر، کرام محمد شید احمد جانی اور امیر احمد خسرو کے چھوٹے بھائی ہیں۔ افتخار احمد اقبال صاحب

کا لفظ پیشہ درس و تدریس سے رہا ہے۔ وہ نہ صرف ایک عمدہ شاعر  
 ہیں بلکہ ایک نامور ادیب بھی ہیں جن کی نثر کا بہترین مظاہرہ روزنامہ  
 'منصف' میں شائع شدہ تحریروں سے ہوتا رہتا ہے۔ افتخار اقبال  
 کی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھیں نہ صرف کسی خاص موضوع پر  
 اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے بلکہ وہ بہترین انشائیہ پرداز اور خاکہ نگار بھی  
 ہیں۔ ہر نئے اور اچھوتے موضوع پر اس طرح خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ محسوس  
 ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔ انہوں نے چونسٹھ بہت  
 سی انھیں کبھی ہیں جو بہت پہلے حیدر آباد کے بعض اخبارات میں شائع ہوتی  
 رہی ہیں۔ اقبال صاحب عمدہ نظمیں، غزلیں، رباعیات و قطعات بھی  
 کہتے ہیں۔ ان کی شاعری سے خاص طور پر شعرائے کرام اور مختلف مکاتب خیال  
 رکھنے والے سچے خود شنید احمد جانی، مجبور علی اکیڈمی کے شاعروں میں  
 شرکت کرتے ہیں۔ ان کے انداز ہوتے ہیں اگرچہ ان کی شاعری کلاسیکی  
 شعری ادب کا بہترین نمونہ ہے لیکن عصری رجحانات سے بھی وہ لاعلم  
 نہیں ہیں۔ شعرتخت میں بھی سناتے ہیں اور نثر غم میں بھی۔ ان کا نثرم  
 جانگر اسکول کے شاعروں کی یاد دلاتا ہے۔ افتخار احمد اقبال کو ہیں  
 تقریباً ۲۵، ۳۰ برسوں سے جانتا ہوں۔ ان سے میری اکثر ملاقات  
 اس وقت ہو کر تی تھی جب میں امیر احمد خسرو صاحب سے ملاقات کے  
 لیے ان کے دولت خانہ پر پہنچتا تھا۔ اقبال صاحب 'خسرو صاحب' کے  
 مکانی امیر اکاؤنٹن سلطان پورہ میں رہتے ہیں، نہایت مختص اور

نفس انسان ہیں۔ خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی کے صدر منتخب ہیں۔ جبکہ  
 میں اس اکیڈمی کا مشیر ہوں۔ رئیس اختر صاحب متعدد عمومی اور شغلیہ اقبال  
 سمند، شارق خسرو خازن ہیں۔ خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی کے  
 ادبی اجلاس و مشاعرے ہمراہ پابندی سے ہوا کرتے ہیں۔ اس اکیڈمی  
 کے بانی جناب امیر احمد خسرو تھے۔ اکیڈمی کا افتتاح بڑے پیمانے  
 پر ۱۹۹۶ء میں گاندھی بھون میں ہوا تھا افتتاحیہ جلسہ کے بعد کچھ مہینوں  
 تک اکیڈمی کی ادبی تحفیں ہوتی رہیں لیکن خسرو صاحب کے انتقال کے  
 بعد اس کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ لیکن اکیڈمی میں نے افتخار احمد اقبال  
 سے کہا کہ جس انجمن کی بنیاد امیر احمد خسرو صاحب نے ایک خاص مقصد کے لیے  
 رکھی تھی اس میں کسی قسم کا بھی تحطل مناسب نہیں ہے میری توجہ دہانی  
 کے بعد اکیڈمی کی سرگرمیوں کا احیاء ہوا اور الحمد للہ یہ اکیڈمی  
 گزشتہ تین برسوں سے انتہائی پابندی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری  
 رکھے ہوئے ہے۔ اکیڈمی کے اجلاس ادبی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی  
 موضوعات پر ہوا کرتے ہیں۔ مذاکرہ کا ہر موضوع اچھوتا اور چونکا  
 دینے والا ہوتا ہے۔ تاحال بیسیوں مذاکرے ہو چکے ہیں۔ اجلاسوں  
 میں منتخب شعراء اپنا کلام سناتے ہیں۔ صدر اکیڈمی افتخار احمد اقبال  
 انتہائی خلوص کے ساتھ میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ افتخار احمد  
 اقبال کا تاحال ایک مجموعہ کلام بھی شائع نہیں ہوا۔ لیکن میں نے سنا ہے  
 کہ وہ اپنا مجموعہ کلام ترتیب دے چکے ہیں جو بہت جلد زیر طباعت سے

بہترین بہتر انداز میں آراستہ ہوتے والے ہیں۔ انتخاب اہد اقبال  
 ایک ایسے مقرر بھی ہیں ان کے علمی و ادبی سیاسی و سماجی معلومات  
 قابلِ تحسین ہیں۔ ہر موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ شعری ادب  
 کی جو کہ تشریحی ادب ان کا مطالعہ گہرا ہے بہت ہی عمدگی کے ساتھ اپنا  
 مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں نامور شاعر خورشید احمد جاتی نے  
 حقیقیہ کلام کو توجیہ کر کے ایک ضخیم مجموعہ ”انتخاب کلام جاتی“ کے نام سے شائع  
 ہو چکا ہے جس کے مرتب جناب رئیس اختر ہیں اس کتاب کی ترتیب و  
 ترتیب اور اشاعت کے مراحل میں افتخار صاحب کی شخصی دہی کا بھی  
 بہت بڑا دخل رہا ہے۔ افتخار احمد اقبال کے بعض قویٰ رشتہ داروں  
 میں نامور مزاح نگار رشید قریشی اور عزیز قریشی پیر و گرام انٹرنیٹ کو  
 انڈیا ریڈیو بھی شامل ہیں جو اب ہم میں نہیں رہے۔ افتخار صاحب  
 کو علمِ عروض سے بھی اچھی خاصی واقفیت ہے غرض کہ شائے انسان ہیں  
 دورانِ گفتگو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں حسنِ مزاج بھی موجود ہے  
 مذاکرہ کے دوران ان کی گفتگو اگرچہ طویل رہتی ہے لیکن بامعنی ہوتی ہے  
 وہ ایک چمکے ہوئے شاعر و ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں شہرت  
 رکھتے ہیں وہ اگلے تیسرے کہنے ہیں کہ ایڈیٹنگ میں پیرا انداز میں جاری ہیں  
 اور ارتقائی منزل پر گرتی رہیں۔ زمانہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ اچھی لگا ہوا ہے دیکھتا ہے  
 جو اپنے بزرگوں کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں لاکھین کے ذریعہ خورشید احمد جاتی اور امیر احمد خسرو کی  
 یاد کو زندہ رکھنا رہا ہے خورشید قریشی تو شیخ کا فرما ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے بزرگوں کی اعلیٰ



روایات کو باقی رکھیں اور ان کے نقش قدم پر گامزن رہیں۔  
 افتخار احمد اقبال کو میں نے خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی کے قیام  
 سے پہلے کبھی کسی مشاعرے میں کلام سناتے ہوئے نہیں دیکھا تھا شکیلا انہیں  
 مشاعروں میں شرکت کرنا اور کلام سنانا پسند نہیں۔ بعض شاعر ایسے ہوتے ہیں  
 جو صرف اپنے مخصوص احباب کو ہی کلام سناتے ہیں۔ افتخار احمد اقبال اپنے  
 شاعرہ بھائیوں خورشید احمد جاتی اور امیر احمد خسرو کی بہت عزت کرتے تھے  
 افتخار احمد اقبال فارسی زبان پر بھی عبور رکھتے ہیں ان کے کلام میں اردو کے  
 ساتھ ساتھ فارسی اور ہندی کے بہت سے الفاظ ملیں گے۔ افتخار احمد اقبال  
 صاحب ہندی زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہیں ان کے کلام میں ہندی  
 کے مانوس لفظ بڑی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کا  
 کلام شہر کے اخباروں میں بھی شائع ہونا چاہیے اور ادبی رسالوں میں بھی۔  
 ”خوشبو کا سفر“ میں ان کا کلام شائع ہونا بہت مناسب ہے افتخار احمد اقبال کا  
 رکھ دیکھاؤ بھی ان کے بزرگوں کی اعلیٰ روایات کی ترجمانی کرتا ہے خوش  
 مزاج، مثاثہ طبیعت اور معقول انسان ہیں۔ افتخار احمد اقبال سے کسی  
 بھی محفل میر، ملاقات ہوتی نہیں کیونکہ وہ ادبی و شعری محفلوں میں  
 شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں البتہ خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی  
 کی ادبی تقریب میں ان سے لازماً ملاقات ہو جاتی ہے یہ دیکھ کر بڑی مسرت  
 ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائی امیر احمد خسرو کی قائم کردہ ادبی انجمن خورشید احمد جاتی  
 میموریل اکیڈمی کی بہتر سے بہتر ترجمانی کے لیے شخصی دلچسپی لیا کرتے ہیں۔

# رشید جلیلی

(خانوادہ جلیل کا ایک اور چراغ۔ ایک اچھے شاعر)

اُردو شعروادب کی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بعض شاعر و ادیب اپنے اسلاف کے کارناموں کا عکس جمیل بن کر ابھر چکے ہیں۔ اور اب بھی اس طرح کے کلم کار و فن کار ملتے ہیں جو اپنے باکات پر کھوں کی روایت کے امین ہیں جن شعروں کو شاعری ورثے میں ملی ہے ان کے نام شعری و ادبی محفلوں میں پچھلی روایتوں کے حوالے سے پلے جاتے ہیں ایسے بھی بہت سے شاعر و ادیب گزرے ہیں اور موجود ہیں جن کے اسلاف میں کوئی ایک بھی صاحبِ قلم نہیں تھا حیدر آباد کا ایک کہنہ مشوق شاعر جناب رشید جلیلی کا تعلق اس اہمید کے پہلے حصہ سے ہے اس لیے میں نے خانوادہ جلیل کا ایک اور شاعر لکھا ہے خانوادہ فصاحت جنگ جلیلی کے سب سے روشن و مستند شاعر ادیب و نقاد اکر علی احمد جلیلی ہیں۔ رشید جلیلی کی شاعری کا

کارشہ بھی دھات بنگ جلیل کے فکر و فن کی پرچھائیوں اور رعایتوں کا ایک تسلسل ہے جنہیں ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے رشید جلیلی کی ملازمت کا تعلق محکمہ ٹیلی کمیونیکیشنز سے رہا ہے۔ ان کی ملازمت کا آغاز ۱۹۶۵ء سے ہوا اور ۱۹۹۸ء میں یہ حیثیت اسٹنٹ انجینئر ٹیلی کمیونیکیشنز و فیلڈ پریسکندیشن ہوئے۔ ملازمت کے سلسلے میں رشید جلیلی صاحب کو ملک کے کئی مقامات (احمد آباد - سورت - ممبئی وغیرہ) پر جانا پڑا۔ جہاں بھی وہ رہے شعر و ادب سے دلچسپی لیتے رہے۔ کئی مشاعروں میں حصہ لیتے رہے۔ رشید جلیلی نے جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ جل پور (مدھیہ پردیش) سے ٹیلی کمیونیکیشنز انجینئرنگ کا ڈیپلوما لیا۔ رشید جلیلی سنگاریڈی میں بھی اسٹنٹ انجینئر ٹیلی کمیونیکیشنز کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سنگاریڈی میں مشاعروں کا اہتمام کیا۔ منتظربین مشاعر کے ساتھ تعاون کیا۔ جب رشید جلیلی کا تبادلہ حیدرآباد ہوا تو وہ مشاعروں سے دلچسپی لینے لگے اور جب ہمیں معلوم ہوا کہ رشید جلیلی ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے شاگرد ہیں تو ہم نے انہیں اپنی کفول میں شرکت کی دعوت دی۔ "میرا شہر میرے لوگ" "صوفیات نظر" خورشید احمد جالبی میموریل اکیڈمی یزم جوہر اور حبان اردو کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ رشید جلیلی غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں اور قطعات بھی۔ نعتیں اور منقبتیں بھی کہتے ہیں۔ کلامِ نعت میں سناتے ہیں داد و تحسین سے نوازے جاتے ہیں۔ غنقریب ان کا مجموعہ کلام "آبروئے قائم"

کے نام سے شائع ہونے والا ہے۔ رشید جلیلی نہایت منکسر المزاج ،  
 و صغ دلاور اور نیک صفت انسان ہیں۔ ان کی شخصیت کچھ اس طرح  
 کہے کہ ان سے ملنے والا پہلی ملاقات ہی میں ان سے متاثر ہو جاتا  
 ہے۔ بہت ہی پاک و صاف ، با اخلاق ، مخلص آدمی ہیں۔ آداب  
 محفل کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اختتام محفل تک شریک محفل رہتے  
 ہیں جو ان کی شائستگی اور ان کے اخلاقی کی دلیل ہے۔ ادبی و شعری  
 محفلوں میں وقت پر آتے ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ تقریریں بھی سنتے  
 ہیں اور شعر بھی سنتے ہیں۔ اچھے شعر سن کر داد دینے کا انداز بھی باوقار  
 ہوتا ہے۔ خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ اپنے احباب سے ملتے  
 رہتے ہیں۔ ان کے چہرہ پر دوران ملاقات مسکراہٹ نمایاں رہتی  
 ہے۔ وعدہ کے پابند اور ایک با اصول انسان ہیں۔ ہماری محفلوں  
 میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں کبھی کبھی غزل سنانے سے قبل  
 قطعات بھی سنانے ہیں۔ کچھ معلوم ہے کہ وہ اپنے حلقے کے بہت  
 سے شاعروں و ادیبوں کو ٹیلیفون ڈپارٹمنٹ کی بعض کارروائیوں کے  
 سلسلے میں تعاون کرتے ہیں میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ دوسروں کی  
 مدد کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وعدہ خلافی کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں  
 ہے۔ نہایت کھرے اور سیدھے سادے انسان ہیں۔ میرے بہت  
 سے شاعر دوستوں کی طرح رشید جلیلی بھی اپنے مزاج کی شگفتگی ،  
 طبیعت کی نفاست اور جذبہ دوستی کو محفوظ رکھنے ہوئے مجھ سے

ملتے ہیں۔ رشید جلیلی کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا رہتا ہے  
 روزنامہ سیاست کے علاوہ "خوشبو کا سفر" میں بھی اشاعت پذیر  
 ہوتا رہتا ہے۔ پاپنڈ صوم و صلوات ٹیک انسان ہیں۔ مجھے یقین  
 ہے کہ خانوادہ جلیل کے ایک مستعد شاعر کی حیثیت سے شعری و ادبی  
 حلقوں میں اپنا نام روشن رکھیں گے۔ اور ان کی شاعری شعری و  
 ادبی حلقوں میں پسند کی جاتی رہے گی۔

# سردار نانک سنگھ نشتر

(صاف گو - نیک شیر انسان، شاعر و ادیب)

سید آباد میں سکھوں کی تعداد بہت کم ہے، پارسیوں، بدھ شین اور چین منٹ کے ماننے والوں کی طرح۔ زیادہ تر سکھ، تجارت پیشہ ہیں۔ کچھ سکھ ملازم سرکار بھی ہیں۔ ان ہی سکھوں میں سے ایک کا ہمارے شہر کی انھوں میں بہت زیادہ شہہ ہے جو بنیادی طور پر ایک ادیب، شاعر، مقرر اور فلمی کاموں میں مصروف رہتے والے سیکولر انسان ہیں اور جن کا نام آج کے دن اخبارات میں کبھی شاعر اور کبھی مقرر کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے۔ معاشرہ کی وہ نامور شخصیت سردار نانک سنگھ نشتر ہیں۔ نشتر صاحب اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کا بھی احترام کرتے ہیں۔ کافی فراخ دل، روشن خیال اور دیانت دار آدمی ہیں۔ وحدانیت کے قائل ہیں۔ میں اپنے تجربات کی روشنی میں یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ اپنے مذہب کے بعد مذہب اسلام سے بہت قریب ہیں۔ دیگر

مذاہب کے سلسلے میں بھی اُن کی معلومات قابلِ تحسین ہیں۔ نشتہ صاحب  
 ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کی محفّلوں  
 اور مذہبی جلسوں میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔  
 کھلا ذہن روشن دل، پاک و صاف اور تہذیبِ فکر و خیال کے  
 آئینہ دار ہیں۔ مزاج میں بردباری، رواداری، محبت و آشتی  
 پائی جاتی ہے۔ بذلہ سیخ اور ظریف انسان کی حیثیت سے بھی اپنے  
 احباب میں مشہور ہیں۔ انہیں بے شمار لطیفے یاد ہیں ہر موضوع پر  
 بہترین لطیفے سننے کے موقف میں رہتے ہیں۔ اپنے لطیفوں سے محفل  
 کو خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ بے ساختہ ہنسی کا سامان فراہم کرتے ہیں  
 معاشرہ میں پھیلے ہوئے مسائل اور بعض شخصیتوں پر ان کے طائف  
 بر جہتہ ہوا کرتے ہیں خوب ہنستے ہیں اور خوب ہنساتے بھی ہیں نشتہ صاحب  
 جب علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو بہت  
 سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ نہایت فحصر، اچھے دوست، اصول پسند  
 نفیس انسان اور تہذیبِ شخصیت کے حامل ہیں۔ ہمارے شہر کے معززین  
 میں اُن کا شمار ہوتا ہے شہر کے مختلف علمی و ادبی اداروں اور فلوجی و  
 تہذیبی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ نشتہ صاحب کے زیادہ تر دوست مسلم  
 ہیں شہر کے مسلم اداروں کے اربابِ مجاز کی نظروں میں رہتے ہیں ہر  
 اہم موقع پر نشتہ صاحب کو اپنی محفل کا ایک حصہ بنا لیتے ہیں۔ نشتہ صاحب  
 عام مشاعروں میں اپنا کلام نہیں سنتے۔ الٹا ادارہ میرا شہر میرے لوگ

ایوان پرنس معظم جاہ شہیجہ سوغات نظر کی ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ان انجمنوں سے بہت کچھ کبھی خاص خاص محفلوں میں وہ کلام سناتے ہیں چنانچہ انہوں نے لاشریعتی نیلام میں منعقد ہ متاعرہ میں بھی کلام سنایا جبکہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما تھے۔ آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن سے شاعری کے علاوہ ان کی تقریروں سے اہل اردو استفادہ کرتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب انگریزی زبان میں KHS IN PRESENT CONTEXT اور انگریزی کے نام سے شائع ہوئی ہے

سردار نانک سنگھ فیسٹر سے میری پہلی ملاقات ۲۰ سال پہلے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے دولت خانہ پر ہوئی تھی ان دنوں وہ اردو فاضل کا امتحان کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر زور اس ہونہل سردار کی اردو دوستی اور ان کی اردو زبان و روایات سے دلچسپی کو سراہتے رہے۔ اُس پہلی ملاقات کے بعد کئی برسوں تک ہماری ملاقات کبھی نہیں ہوئی البتہ سیاست اخبار میں وہ جب کوئی مضمون اشاعت کے لئے دینے آتے تو ملاقات ہو جاتی تھی۔ جگر صاحب فیسٹر صاحب کو مضامین لکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے فیسٹر صاحب کے سیاست میں کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ گذشتہ ۶۵ سال پہلے ہمارے ملاقات کی کچھ اس طرح تجدید ہوئی کہ ہماری ملاقات دوستی میں بدل گئی۔ اب تو یہ حال ہے کہ وہ مجھ سے متعلق ہر ادبی محفل و



مشاعرہ میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے کلام اور اپنے خطاب سے  
 ڈالتے ہیں۔ غالباً حیدر آباد کے شاعر دوستوں میں ہیں ان کا قریبی  
 دوست ہوں۔ کبھی کبھی وہ میرے غریب خانہ پر زائے لائے ہیں  
 سیاسی، غیر سیاسی ادبی انجمنوں اور اردو کے مسائل، موضوع گفتگو  
 رہتے ہیں۔ شاعروں میں رئیس اختر، مومن خان شوق سے بھی ان  
 کے اچھے مراکم ہیں۔ مدینہ ایجوکیشنل سنٹر کے زیر اہتمام منعقد ہونے  
 والے جلسوں میں (جس کے داعی جناب کے ایم نارف الدین ایڈیٹر عوام  
 رہتے ہیں) شرکت کرتے ہیں۔ راج بھون کی تہذیبی و ثقافتی محفلوں  
 میں بھی وہ مدعو رہتے ہیں۔ نیشنل صاحب ایک محبت کوٹے والے  
 یار باش آدمی ہیں۔ شہر کی اعلیٰ سوسائٹیوں کی محفلوں میں بھی مدعو  
 رہتے ہیں۔ راج بھون کی تہذیبی و ثقافتی تقاریر میں بھی  
 پابند ملتے شرکت کرتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔  
 اہل اردو کی دگر دیکھتے ہیں۔ سماجی طور پر متحکم ہیں ثقافت پسند ہیں  
 خوش حال رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش دل دیکھنے کے اردو مند رہتے  
 ہیں نیشنل صاحب اضلاع کے مشاعروں میں بھی مدعو رہتے ہیں ان کی  
 موجودگی سے اضلاع کے مشاعروں میں کار کا سفر نہایت خوشگوار  
 ماحول میں طے ہوتا ہے۔ کھل کر تہفہ لگانے کے عادی ہیں اپنی گفتگو  
 سے ساری محفل کو متوجہ کرتے ہیں ان کے مزاج میں انکساری و روایت  
 پسندی اور رواداری ہے۔ نیشنل صاحب گزشتہ طمانہ کے عادی ہیں

کتابوں سے انھیں عشق ہے ہر اچھی کتاب کا مطالعہ دل لگا کر کرتے  
 ہیں۔ سوانح کا خزانہ ہیں۔ ان سے ہر موضوع پر گفتگو کی جا سکتی  
 ہے۔ وہ اپنی دلیل گفتگو سے کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے۔ انہیں علمی و  
 ادبی سوانح میں شرمندگی کا منہ دیکھنا نہیں پڑتا۔ شہر کے مہذب  
 شہر یوں ہیں اپنی ذاتی پہچان کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ ہر طبقہ  
 کا فرد ان سے مل کر خوش ہوتا ہے انتہائی مسیکولر کے مہذب و سنی  
 ہیں لیکن ساری کائنات کے انسانوں سے رشتہ رکھتے ہیں انسانی  
 رشتوں کے قدرواں ہی انہیں انسانی مسائل کے حل میں دلچسپی رکھنے میں  
 ظلم و استبداد، جھوٹ، فریب، مکر، رباکاری کے ماقول سے برسرِ کار  
 رہتے ہیں۔ ان کے ہاں مصلحت کوئی، مفاد پرستی کی کوئی گنجائش  
 نہیں ہے جو بات بھی کہی ہو تو ہے صاف صاف کہہ جاتے ہیں وہ کسی  
 کی دل آزاری نہیں کرتے مستحق لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے  
 سرگرداں رہتے ہیں۔ اعلیٰ معاشرہ میں جن لوگوں کو خاصی دلچسپی ہے  
 ان میں سے ایک اہم نام سردار نانک سنگھ نشتر کا بھی ہے نانک سنگھ  
 نشتر کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن محفلوں میں صرف اور صرف  
 اردو بولتے ہیں۔ وہ انگریزی ادبیات سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں لیکن  
 ان کی گفتگو میں انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں ہوتا۔ اردو کے مشکل  
 اور آسان لفظ ان کے دماغ میں محفوظ ہیں۔ لفظوں کا صحیح استعمال  
 کا سبق رکھتے ہیں۔ اپنے اندازِ گفتگو سے مخاطب کو متاثر کرتے

ہیں۔ دوسروں کی بات کو بھی پوری توجہ سے مینے میں کسی کی گفتگو  
 کے دوران نہ تو دخل دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے لئے مسئلہ بن جاتے  
 ہیں۔ آداب محفل کا خیال رکھتے ہیں۔ گردوارہ گولی گولہ نہیں کہے  
 صدرائین رہ چکے ہیں۔ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے رکن خاتم ہیں  
 سکھ بزرادری میں بڑی عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں  
 ان کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ میرے بہت ہی با اعتماد مخلص  
 ترمین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ تمام شاعر دوست ان کی عزت  
 کرتے ہیں ان کی اردو خدمت کو نہند دل سے خراج پیش کرتے ہیں  
 نشر و صائب ملک کی مختلف زبانوں کے معاملے میں کھلا دامن رکھتے  
 ہیں۔ انسانی ہم آہنگی ان کا مزاج ہے۔ تمام مذاہب کے لوگوں سے  
 ان کا رابطہ ہے۔ ہر ایک کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں۔  
 زندہ دل انسان ہیں۔ تمام لوگوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ان کی  
 زندگی کا مقصد خوش رہو اور خوش رہنے دو ہے جو شخص  
 دوسروں کو ہمیشہ خوش رکھنا ہے یقیناً اس کا دامن بھی خوشیوں  
 سے بھرا رہتا ہے

SIKHS IN PRESENT CONTEXT سکھ ان پریزنٹ کانٹیکٹ  
 جولائی ۲۰۰۰ میں دہلی سے شائع ہوئی جو مختلف سیناروں میں پیش کردہ  
 مضامین پر مشتمل ہے جس میں سکھ مسلم تعلقات پر بھی ایک مضمون ہے دوسری کتاب  
 SELECTIONS FROM GRANTH SAHIB سکھ شخص فرم گرو گرتھ صاحب  
 اس میں گرو گرتھ صاحب کے منتخب اشعار کا آسان انگریزی میں ترجمہ ہے  
 جولائی ۲۰۰۱ میں حیدرآباد میں شائع ہوئی

# ایم۔ یالیا

(گنگا جمنی تہذیب کی منفرد شخصیت، بہترین افسانے)

ہمارے شہر حیدر آباد کی بنیاد ہی محبت، شرافت، رواداری اور آپسی  
 بھائی چارگی پر رکھی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہمارے اسلاف نے ہی اپنے  
 حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس کیا بلکہ آج کے بکھرے ہوئے ماحول میں سانس لینے  
 والے لوگ بھی اپنے حیدر آبادی ہونے پر ناز کرتے ہیں۔ حیدر آباد کی قدیم تاریخ  
 خاص طور پر علمی و ادبی تہذیبی ثقافتی تاریخ نمایاں خصوصیات کی حامل رہی  
 ہے۔ مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے حیدر آبادیوں نے ہر دور میں  
 اپنے بہترین کارناموں کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ صدائے روایات کے  
 تسلسل میں جو لوگ اپنے اپنے زمانے میں سرگرم عمل رہے ہیں اور ان  
 کی خوبیاں اور ان کے اعلیٰ کارناموں کا تذکرہ مشہر کی مختلف محفلوں  
 میں ہوتا رہتا ہے۔ آج بھی ہم جس ماحول میں

اور جن حالات میں جی رہے ہیں ان میں بہت سے دشمنی و مدغ اور  
قابل قدر و منزلت شخصیتیں موجود ہیں جو زندگی کے مختلف  
شعبوں میں اپنے اپنے طریقوں سے ملک و قوم کی خدمت انجام  
دے رہے ہیں۔ ہمارے شہر کے اساتذت دوستوں یا مروت  
شہر بابوں اور محبت شناس لوگوں کی فہرست میں ایک نمایاں نام  
ایم بالیا کا بھی ہے جن کی نیک نامی انسان دوستی اور رواداری کی  
کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

حیدر آباد کے غیر مسلم سیکولر ذہن و فکر کے حامل لوگوں میں  
بالیا صاحب کا نام بھی سرفہرست ہے۔ ہمارے شہر میں اچھے لوگوں  
کی آج بھی کمی نہیں ہے تب ہی تو شہر محبت نواز حیدر آباد فرخندہ نیلا  
کا دامن آج بھی پھیلے دور کی طرح کٹا رہا ہے۔ ایم بالیا کو میں تقریباً  
۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ حیدر آباد کے کانگریسی قائدین میں نمایاں  
حیثیت کے حامل قائد ہیں۔ پرانے شہر کے محلہ علی آباد میں اپنے آبائی  
مکان میں سکونت پذیر ہیں۔ بالیا صاحب آج بھی کانگریس سے وابستہ  
ہیں لیکن انہوں نے ملک کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں بہت کچھ ایسا  
پایا ہے کہ وہ ان دنوں سیاسی سرگرمیوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں  
بالیا صاحب ایک عوامی خدمت گزار کی حیثیت سے ابھی زیادہ مشہور  
ہیں وہ کانگریسی حکومت کے زمانے میں (۱۹۸۲ء) ایم ایل سی رد  
چکے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ہڈا کے صدر منتخب ہوئے۔ خاص طور پر پرانے شہر

کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں  
ان دونوں ساؤتھ زون حلقہ کی پیس اینڈو بیفیر کیٹی کے صدر نشین  
ہیں جس کے جواں سال عوامی خدمت گزار قابل ذکر غلام صادق الدین  
جزی سکریٹری ہیں۔ ایم بالیا کا ذریعہ تعلیم اردو رہا۔ وہ اردو زبان اور  
اردو شعرو شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں مشاعروں میں بڑے شوق  
سے شرکت کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ انھیں صاف دل اور روشن دماغ  
انسان پایا۔ جس زمانے میں وہ ایم ایل سی تھے اُس زمانے میں بھی انہوں  
نے مسلمانوں کے لئے غیر معمولی کام کیئے۔ ضرورت مندوں کی مدد کرنے  
میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ کچھ برس پہلے تک پیرائے شہر میں  
مختلف اوقات میں فادات ہوتے رہے۔ فادات کو فرو کرنے  
کے سلسلے میں بالیا صاحب نے اپنی جان کی پروا کیئے بغیر مسلمانوں  
کی مدد کی۔ وہ مسلمانوں میں بے حد مقبول ہیں ان کی مقبولیت کا  
یہ حال ہے کہ بعض اُن کے بے تکلف دوست انہیں شیخ یا بابا کہتے  
ہیں وہ بے خوف، بے لاگ اور با حوصلہ انسان ہیں ان کی سیاسی و  
غیر سیاسی زندگی نہایت پاک و صاف ہے۔ سابق وزیر داخلہ حکومت  
آندھرا پردیش نواب میر احمد علی خان کی حب الوطنی اور ان کی قیادت  
سے بہت متاثر تھے۔ نواب میر احمد علی خان، بالیا صاحب کی بہت  
قدر کرتے تھے جناب عابد علی خاں، محبوب حسین جگر صاحب سے بھی  
بالیا صاحب کے بہت اچھے دوست تھے اخبار سیاست اُن کا چندیدہ

اجبار ہے۔ پیرائے شہر کے مسلم دوستوں میں غلام صادق الدین سے ان کے  
 نہایت قریبی روابط ہیں۔ پیرائے شہر کے اکثر نژادی معاملات کو  
 ختم کرنے کے لئے ہمیشہ بھرپور تعاون کیا کرتے ہیں۔ حیدر آباد میں  
 اردو تحریک سے ہمیشہ جڑے رہے۔ اردو کے اچھے بولنے والے مسائل کی  
 یکسوئی کے سلسلے میں انہوں نے ہر زمانے میں حکومت سے نمائندگی  
 کی۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر  
 حصہ لیا کرتے تھے اب بھی انہیں اردو زبان و تہذیب سے دلی لگاؤ  
 ہے اردو کے جلسوں میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ہیں بالیا صاحب  
 ہر مسئلہ پر چلے دہریا سی ہو کہ غیر سیاسی دھڑوں کے انداز میں گفتگو کرتے  
 ہیں۔ انہیں شہر حیدر آباد کی گونا گونا جمنی تہذیب سے دلی لگاؤ ہے  
 ان کے دوستوں میں زیادہ تر مسلم حضرات ہی دکھائی دیتے ہیں۔  
 بہترین مقرر ہیں ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں ان  
 کے مزاج میں انتہائی سادگی ہے تو طبیعت میں شگفتگی۔ بذراستی  
 ان کے مزاج کا ایک اہم حصہ ہے بالیا صاحب جس محفل میں بھی لپٹے  
 ہیں ساری محفل کو اپنی گفتگو سے زعفران زار بنادیتے ہیں بالیا  
 صاحب آداب محفل کا خاص خیال رکھتے ہیں حیدر آبادیت ان کے  
 مزاج میں رچ بس گئی ہے۔ نہایت باوقار، معتبر اور پُر اثر  
 شخصیت کے مالک ہیں بالیا صاحب نے اپنا زندگی کا بڑا حصہ سرگرم  
 لوگوں کے لئے وقف کر دیا ہے انہوں نے ہر اس شخص کی مدد کی جو محنت

تھایا بالیا صاحب لسانی ہم آہنگی کے دلدارہ ہیں۔ اُردو پُری روانی سے  
 بولتے ہیں ان کی تقریر اُردو ہی میں ہوتی ہے چلیے وہ ادبی جلسے  
 ہوں کے غوامی و سیاہی جلسے ہوں حکومت کے سربراہوں سے ہمیشہ ان  
 کے اچھے مراسم ہے شہر کے ہر طبقہ کے لوگوں میں وہ گھٹی سل کر رہتے  
 ہیں ان کے ہاں چھوٹے بڑے کی کوئی فید نہیں ہے ہر شخص جو  
 معاشرہ کے لئے روشنی کا پیغام دیتا ہے اس کی وہ دل و جان سے قدر  
 کرتے ہیں۔ بالیا صاحب سے میرے گہرے مراسم ہیں اگرچہ ان سے  
 میری ملاقات بہت کم کم ہوتی ہے لیکن جہاں کہیں بھی ان سے ملاقات  
 ہوتی ہے وہ نہایت گرم ہوشی کے ساتھ ملنے میں ان کے ہونٹوں پر  
 ہمیشہ مسکراہٹ رہتی ہے ادبی جلسوں سے انہیں کسی حد تک کٹ  
 میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ ۱۹۷۶ء میں میرے دوسرے  
 کلام انٹیم کے کلاب کی رسم اجراء تقریب اعلیٰ پیلے پیرا اردو ہاں میں  
 منعقد ہوئی تھی۔ بالیا صاحب بھی مدعوین میں شامل تھے دورانِ جلسہ  
 اچانک برقی فین ہو گئی۔ بالیا صاحب شہ نشین سے اٹھے انجن کے  
 آفس گئے اور وہاں سے سہ ماہ موم بتیاں لے آئے اور تمام بتیاں  
 روشن کیں۔ اس واقعہ نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ بالیا صاحب جس  
 وقت ہڈا کے چیرے میں تھے ان کا آفس حمایت نگر میں تھا ایک دن  
 مجھے انہوں نے ملاقات کے لئے فون کیا تھا۔ ان دنوں وہ چاہتے تھے کہ  
 صندلیوں کے لئے ہڈا کی جانب سے زمین الاٹ کی جائے۔ لیکن یہ



تجویز ممدت گری کی منزلی پر ہی ختم ہو گئی۔ بالیا صاحبہ پرانے  
 شہر کی اکثر مخصوص محفلوں میں خاص طور پر غلام صادق الدین  
 کے جانب سے منعقدہ محفلوں میں ملاقات ہوتی رہتی ہے غلام صادق  
 الدین پرانے شہر میں سال میں دو تین دفعہ بیسی کہنی کے خصوصی جلسوں  
 میں لازماً شاعر کا اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً مکتے سلسلے میں حجۃ تعاون  
 حاصل کرتے ہیں اور علی گنٹوب شاعروں کو شرکت کے لئے مدعو کیا کرتا  
 ہیں اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حیدر آبادی  
 تہذیب اور حیدر آباد کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کے لئے بالیا صاحبہ تاحیات  
 سرگرم عمل رہیں گے۔ بالیا صاحبہ کی فطرت ہی اعلیٰ تہذیبی روایات  
 اور انسانی رشتوں کی طرف دار ہے۔ جب تک بالیا صاحبہ جیے ان روایت  
 کے علمبردار لوگ حیدر آباد میں رہیں گے۔ حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب  
 سرسبز و شاداب رہے گی۔

# منظور ظفر

گوکٹنڈہ کا ہیرا۔ عوامی خدمت گزار

ہر اچھا معاشرہ ایسے ہی لوگوں کو سرا کھوں پر بٹھاتا ہے جو اپنی خوشیوں کے مقابلے میں دوسروں کے دکھ درد میں زیادہ شریک رہا کرتے ہیں۔ خوشیوں اور مسرتوں کے ماحول میں تو بے شمار لوگ مل جاتے گئے لیکن معاشرہ میں کم ہی ایسے لوگ ملتے ہیں جو دوسروں کی پریشانیوں اور مشکلات میں ان کے آنسو پونچھنے والے ہوتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم بھی ہے کہ زیادہ تر لوگ اپنی ہی بہتری و ترقی کی فکر میں رہتے ہیں۔ کسی کی درد بھری آواز کوئی سننا نہیں چاہتا۔ اس طرح کے بے حس کے ماحول میں کچھ ایسے لوگ بھی نمودار ہونے میں جبر کا ایک ایک لمحہ جھوٹوں میں ٹٹلنے والا اور روکشی کا سرچشمہ ہونا ہے جن کا وجود ہیرو کے بے سبب اور معاشرہ کے لئے مسیحا کا کام کرتا ہے معاشرہ میں اس طرح کے نبض شناس انسانی رشتوں کا آبرو کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں والے لوگ بیشتر اوقات میں حالات کی کش مکش سے گزرتے رہتے ہیں

اور ان کا کام بس یہی رہتا ہے کہ دوسروں کے لئے کچھ اچھا کام کر جائیں۔ جب کبھی اس طرح کے بہادر، انسانیت پسند لوگوں کا ذکر ہوتا ہے تو ان میں ایک اہم نام منظور ظفر کا بھی نظر آتا ہے جو گو لکنتہ کے ہیرے کی طرح اپنی جیک کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ منظور ظفر کو میں گو لکنتہ کا ہیرا اس لئے کہتا ہوں کہ انہیں کسی بھی تاج میں لگا دیں وہ اپنی جیک ضرور دے دیں گے چاہے وہ کوئی بھی رت ہو، کوئی بھی موسم ہو، منظور ظفر کے کردار میں یکسانیت ملے گی۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ، فلاحی ادبی، سیاسی و تہذیبی مصروفیات میں نہایت پاک و صاف آئینہ کی صورت رہا کرتا ہے۔ ان کے کام میں شفافیت ہوتی ہے ان سے وابستہ تمام لوگ ان کی آئینہ مثال شخصیت کا عکس جمیل ہوا کرتے ہیں۔ منظور صاحب کو میں تقریباً ۴۵ برس سے جانتا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نواب میر احمد علی خان صاحب ریاستی وزیر اقلہ تھے منظور ظفر اس دور میں جو ان کی بھرپور جوابی کارروائی تھا گو لکنتہ کی سرزمین کو مختلف ادبی، تہذیبی، ثقافتی، سیاسی و غیر سیاسی سرگرمیوں کو مثالی بنانے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان ۴۵ برس میں منظور ظفر گو لکنتہ کی سرزمین کے پہلے شخص ہیں جو ان معاملات میں زیادہ متحرک، زیادہ کارکرد اور زیادہ رواں دواں رہا کرتے ہیں۔ گو لکنتہ میں ایک زمانے میں مشاعروں کی فضا اپنے ایک خاص انداز سے عروج پر تھی۔ گو لکنتہ کی ممتاز شخصیت مولانا عبدالحی کے گھر میں شاید میں نے پہلا مشعرہ پڑھا تھا۔ داعی مشاعرہ

منظور ظفر اور عثمان علی ضیاء تھے بہت ہی شاندار مشاعرہ ہوا تھا جس میں میرے سوا بہت سے شاعروں نے شرکت کی تھی۔ گو لکندہ میں ماب سے بڑا مشاعرہ ایک ایسے فنر میں ہوا تھا جب شہر حیدرآباد میں مختلف مقامات پر اردو کے اہم جلسے ہوا کرتے تھے۔ جس کا افتتاح نواب میرا حمزہ علی خان نے کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں سرز سید شہیدی، اوج بعقوبی، تیسرات ندیم نے شرکت کی تھی۔ اس عظیم الشان مشاعرہ کے لئے میں نے غزلوں کی رات کا نام تجویز کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔ اس نام کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس نام سے شہر میں بے شمار تہجدی پروگرامس ہوتے رہے۔ محفل خواتین کی سالانہ تقریب کے موقع پر محفل موسیقی کے پروگرام کا نام غزلوں کی رات سے موسوم رہا کرتا ہے۔ یہ نام میں نے گو لکندہ کی غزلوں کی رات کے پس منظر میں دیا تھا۔ اس مشاعرہ کے بعد گو لکندہ میں کوٹا اور بڑا مشاعرہ نہیں ہوا۔ منظور ظفر اس مشاعرہ کے روح رواں تھے جنھوں نے اپنے رفقاء سے کار عثمان علی ضیاء، مجیب الدین وغیرہ کے تعاون سے مستعد کیا تھا۔ اس شاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں منظور ظفر کی پُر اثر شخصیت کا مجھے اندازہ ہوا۔ وہ اشرافیہ دل و دماغ کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے اس مشاعرہ کے بعد ہماری ملاقاتیں کم کم سہی مٹ رہی ہیں۔ منظور ظفر صاحب کے زیر انتظام گو لکندہ میں اگر کوئی بڑی تقریب ہو تو مشاعرہ کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ ضرور کرتے ہیں۔ اور شاعروں کا انتخاب مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مجھے یہ بھی یاد

ہے کہ گوگندہ میں عظیم الشان پیمانے پر جلد رحمت اللعالمین کا مہی اہتمام  
 کیا جاتا ہے بڑے بڑے علماء کو مدعو کیا جاتا ہے جلسے کے دوران نعتیہ کلام  
 مناجات کے لئے چھ شعرا کو بھی مدعو کیا جاتا ہے میں نے اکثر جلسہ ہمارے  
 رحمت اللعالمین میں تدریس عقیدت پیش کیا ہے گوگندہ میں آج ہی  
 منظور ظفر کی شخصی دلچسپی سے ہر سال ایشیائے پیمانے پر جلد رحمت اللعالمین  
 کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور کچھ برسوں سے گوگندہ قلعہ کے باب الداعیہ  
 کے قریب بڑے پیمانے پر دسمہ تقریب ہوتی ہے جس میں منظور ظفر صاحب  
 کافی دلچسپی لیتے ہیں یہ تقریب حمید آبادی گنگا جمنی ماحول کی بہترین  
 تقریب ہوتی ہے ہماروں ہندوستان اس تقریب میں شریک رہتے ہیں  
 شہر کی نمائندہ سیاسی و غیر سیاسی شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے کبھی کبھی  
 مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا ہے جلسے کے دوران ممتاز سیاسی و تہذیبی  
 شخصیتوں کو ایوارڈز دیئے جاتے ہیں مجھے بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ  
 ایک جلسے میں میری شاعرانہ خدمات کے سلسلے میں ایوارڈ دیا گیا تھا۔  
 سال ۱۹۷۸ء کو ایک خوبصورت مومنٹ دیا گیا تھا۔ منظور ظفر صاحب  
 کے مراسم عابد علی خان، محبوب حسن جگر، خدوم محی الدین سے بھی ہمت کے  
 عالم رہے ہیں خاص طور پر گوگندہ میں منعقد ہونے والے عوامی جلسوں  
 اور ہندو تہذیبی محفلوں کے سلسلے میں عابد علی خان اور محبوب حسن جگر  
 سے تعاون حاصل کرتے تھے اور بعضی جلسوں میں مدعو بھی کیا جاتے تھے  
 منظور ظفر نعمتی بہتہ خیالات کے حامل ایک متحرک انسان ہیں۔ خدوم

فی الدین اور ڈاکٹر راج بہادر گوٹہ کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ عوام کا جھلائی کے لئے ممکنہ تعاون کرتے ہیں سماجی مسرو فیات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں گوٹہ کے لئے بہت سے مسائل جو حکومت کی توجہ چاہتے تھے حکومت کے ذمہ داران کو مسلسل ذبحہ دیا کر اپنی گوشنوں میں کامیاب رہتے ہیں ۴۰ برس پہلے جس جوش و خروش سے کام کرتے تھے آج بھی ان میں وہ توانائی برقرار ہے منظور صاحب نے نوادیب ہیں اور نہ ہی شاعر لیکن ان کا ادبی ذوق نکھر نکھر اچھا اچھا تھا میں پڑھنے کا شوق ہے گوٹہ کے نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی کرنے میں گوٹہ کے ایک استاد شاعر **محمد الدین صاحب** کے بے حد خرد دان ہونے کی شاعرانہ عظمتوں کا التزام کرتے تھے اس وقت بھی گوٹہ میں بعض نوجوان شعراء ایسے ہیں جن کا مستقبل روشن دکھائی دیتا ہے گوٹہ میں ادبی سرگرمیاں جاری ہیں جو ایک خوش آئند بات ہے منظور صاحب نہایت قابل بھروسہ، دیانت دار، فرض شناس اور اثنائے دشمنوں سے بے انتہا لگاؤ رکھنے والے انسان ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی اعلیٰ اہلیتوں کو بڑے بڑے لوگوں نے تسلیم کیا ہے چاہے وہ حکومتی سطح کے لوگ ہیں کہ سوسائٹی کے ذمہ دار لوگ ہوں۔ منظور صاحب ان سے اپنا رشتہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ معاشرہ کی بہتری کے لئے تہذیبی اقدار کے تحفظ کے لئے منظور صاحب کا تعاون ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ منظور صاحب بنیادی طور پر نثری پسند خیالات کے حامل ہیں لیکن وہ ایک بہترین انسان

ان طرح تمام مکتب خیال کے لوگوں سے اپنا گہرا رشتہ رکھتے ہیں کسی بھی  
 سیاسی پارٹی سے وابستہ لوگ کیوں نہ ہوں ان سے مراسم رکھتے ہیں  
 ان لوگوں سے تعاون کرتے ہیں جہاں وہ کمیونسٹ قائدین سے اپنا رشتہ  
 رکھتے ہیں وہیں مجلس اتحاد المسلمین، کانگریس پارٹی اور دیگر سیاسی  
 جماعتوں کے سربراہوں سے بھی رشتہ رکھتے ہیں۔ ان میں اتنا سلیقہ  
 ہے کہ ہر اس شخص سے کام لینا چاہتے ہیں جو معاشرہ کی بہتری کے لئے تعاون  
 کرتے ہیں۔ منظور ظفر بار بار اس انسان ہیں ان کے دوستوں کا بہت  
 بڑا حلقہ ہے گو لکٹڈ میں یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی  
 خدمات کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں لیکن جہاں تک میری اپنی معلومات  
 ہیں ان ہم یرسوں میں گو لکٹڈ کی صرف ایک ہی شخصیت سے زیادہ  
 متاثر ہوں جو باوقار، منہرک، فعال، باکردار شخص ہے اور وہ  
 شخص منظور ظفر ہے۔ منظور ظفر صاحب سے اب بھی میری ملاقات  
 کہیں نہ کہیں ہو ہی جاتی ہے جب بھی ملاقات ہوتی ہے ان سے مل کر  
 خوشی ہوتی ہے۔ میں نے اکثر دفعہ کہا ہے کہ منظور صاحب گو لکٹڈ  
 کے بے تاج بادشاہ ہیں میری نظروں میں قابل احترام ہیں۔  
 منظور ظفر صاحب گو لکٹڈ کے عوام میں بے حد مقبول ہیں ان کی  
 یہ مقبولیت صرف مسلم معاشرہ کی حد تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر طبقہ  
 میں ان کی مقبولیت یکساں ہے ایسے لوگ جو معاشرہ کی بھلائی کے  
 لئے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں میری نظر میں وہ قابل احترام ہیں ان

نام اور ان کے کام سے مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ  
 منظور صاحب جیسے لوگوں کے لئے ہر موسم سارا گار ہے۔ چہ کہ کھس  
 پاک و صاف دل رکھتے ہیں اس لئے ان کا خوشبو تمام معاشرہ  
 کو چکانی رہتی ہے۔ منظور صاحب کو یوں تو شہر کی بہت سی انجمنوں  
 اداوں کی جانب سے عزت افزائی کی گئی ہے لیکن ان کے فلاحی و ادبی  
 خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں اجالوں کے مسافر کے زیر عنوان ادارہ  
 میرا شہر میرے لوگ کے زیر اہتمام خوشگوار فضاء میں ۱۹۹۸ء کو مولانا ابوالکلام  
 نیسٹوٹ میں شاندار پیمانے پر تقریب منعقد کی گئی تھی۔ میرا خیال ہے  
 کہ ادبی محفلوں کی جانب سے وہ پہلا جلسہ تھا جو ان کی خدمت کے اعتراف  
 میں منعقد کیا گیا تھا۔ منظور صاحب کے چلہ مئے والوں کی ایک کثیر تعداد  
 نے اس تہنیتی جلسے میں شرکت کی تھی۔ اس تقریب کے انعقاد کے  
 سلسلے میں سب سے زیادہ خوش ہونے والے ان کے عزیز ترین دوست  
 غلام صادق الدین تھے۔



# غلام صادق الدین

انسانی رشتوں کے طرفدار۔ بامروت انسان ہمدرد شخصیت

بیعزوری نہیں ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہو  
اور وہ دوسروں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے لیکن  
معاشرہ کی بنی بنی بگڑتی شکلوں پر نظر رکھنے والے ایسے لوگ بھی  
ہماری نظروں میں رہتے ہیں جنہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ بلکہ  
اس طرح کے ذمہ دار لوگ اپنے ہونے کا بھہرہ احساس دلاتے ہوئے  
ہمارے آئینوں کے سامنے بار بار جلوہ گر رہا کرتے ہیں۔ ہر ایک  
کے دکھ درد غور و فکر و مسرت میں شریک رہتے ہیں۔ انسانی رشتوں  
کو مشیت سے جو کس گریہ والے اگر غور سے بہت لوگ بھی مل جائیں تو  
انہما اور بگڑا ہوا ماحول سدھر سکتا ہے کتنے ایسے لوگ ہیں جو کسی  
کی آہ و بکا سنتے ہی اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر اس کی مدد کے  
لئے پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے مشاہدہ میں اس طرح کے بدیہ خبر سگالی

رکھنے والے سہرورد لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ایسا سلوک نہ تو ناپسند ہے نہ ہیئت  
 میر لوگ سوشل معاشرہ کا ایک اعلیٰ حصہ رہتے ہوئے ہیں لیکن ان  
 ہی میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ہم قلعہ و بیہودہ کہہ سکتے ہیں  
 میں ان کا بہترین کارکردگی کے سبب یاد کرتے ہیں اس طرح کے عوامی  
 خدمت گزاروں میں غلام صادق الدین بھی ہیں غلام صادق الدین  
 نہ صرف عوامی خدمات سے متعلق کاموں سے ہی خبر پڑے ہوئے ہیں  
 بلکہ اردو کی بناء اور اس کے ترقی کے لئے بھی کئی برسوں سے سرگرم  
 عمل ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی دل و جان سے قدر کرنی چاہیے جو  
 اپنی زبان اور اپنی تہذیب سے وابہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔  
 غلام صادق الدین کو میں اردو تحریک سے ان کی وابستگی کے حوالے  
 سے تقریباً ۲۵ برس سے جانتا ہوں جبکہ انہیں نواب میر احمد علی  
 خان صاحب سربراہین ترقیاتی اردو اور وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش  
 کے عہدہ پر خدمات کی سرپرستی حاصل تھی انہوں نے اپنی لیے پناہ محبت، ہمدردی  
 سے آسانی و تہذیبی رشتوں کو استعمال کیا۔ نواب میر احمد علی خان  
 صاحب غلام صادق الدین کی سماجی اور اردو خدمات سے بے حد  
 متاثر تھے۔ میرا نے شہر میں اردو گھر کے قیام کے سلسلے میں بھی غلام  
 صادق الدین کو ان کی خدمات کے سلسلے میں نہیں بھول سکتے۔ شہر  
 کے محبان اردو کو اچھی طرح یاد ہو گا کہ میرا نے شہر میں غلوں مبارک  
 میں ایک بڑی اردو کانفرنس مونی تھی۔ اس کانفرنس کے انعقاد کے

ذمہ داری مجھے سونپ دیا کرتے ہیں۔ غلام صادق الدین کی قیادت  
 بن اور ان کے تعاون سے شہر کے بے شمار لوگوں کو مختلف شعبوں  
 بن فائدہ پہنچ چکا ہے۔ گزشتہ ۵۰ برسوں سے پیس کھیٹی کے  
 ام کے بعد سے ان کے فلاحی کاموں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے  
 ن طور پر پرانے شہر کے ہر قسم کے سماجی مسائل کے لئے حکومت  
 بہ دامن سے رابطہ رکھتے ہیں اور مستحق لوگوں کی مدد کرنے میں  
 پ رہتے ہیں پرانا شہر کچھ برسوں پہلے تک فرقہ وارانہ فسادات  
 شہرت رکھتا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ ماحول ختم ہوتا گیا جس میں  
 تعاون کے علاوہ پیس کھیٹی کے ارکان کا بھی کافی دخل ہے  
 پیس پیس کھیٹی کے بہت سے لوگ سرگرم عمل ہیں۔ لیکن  
 یہ لوگوں کی خدمات بھی ناقابلِ قرا موش ہیں بالبا صاحب  
 نام کے لئے جو عوام سے اور حجاب اُردو سے تعلق رکھتا ہے  
 پیس رہتے ہیں غلام صادق الدین ایک بے لوث حرکیاتی  
 ت کے مالک ہیں ہر روز نہ جانے کتنے ضرورت مند لوگوں  
 ق خدمات انجام دیتے ہوں گے بعض اپنے ہم خیال اہل کج انہوں نے  
 صلاحیت کی بنیاد پر فلاحی کاموں سے وابستہ کر لیا ہے۔ ادھر  
 یوں سے غلام صادق الدین کے حوالے سے ایک نوجوان عابد  
 ی الدین (مخدوم برادر س) کی فلاحی مصروفیات بھی توجہ کا مرکز ہیں  
 گچ ہیں جو غلام صادق الدین کے بہت ہی قریب دوستوں میں شامل ہیں

ان کے بعض ایسے ساتھی بھی ہیں جنہیں ان کی بہت زیادہ سرپرستی حاصل  
 رہی، معاشرہ میں اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ غلام صادق الدین ایک  
 ٹیکہ لڑیاک طبیعت کے ہمدرد، مخلص اور بے لوث عوامی خدمت گذار ہیں  
 پیسے کمپنی کے توسط سے انہوں نے اپنی خدمات کے سلسلے میں  
 حکومت کے سربراہوں، خاص طور پر پولیس کے عہدہ داروں کی  
 نظر میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا ہے۔ غلام صادق الدین کی ہر ایک  
 جانشین سفارش کی پزیرائی کے لئے عہدہ داران پولیس نے ان کا  
 ساتھ دیا۔ نواب میر احمد علی خان صاحب، غلام صادق الدین کو  
 بہت چاہتے تھے ان کے کام کی قدر کرتے تھے۔ غلام صادق الدین نے  
 بھی نواب میر احمد علی خان صاحب کی عزت و توقیر میں کبھی کوتاہی  
 نہیں کی۔ اکثر ادبی جلسوں میں نواب صاحب کے ساتھ رہتے تھے  
 محترم عابد علی خان صاحب اور محترم محبوب حسین جگر صاحب بھی غلام صادق  
 الدین کی اردو خدمات کے معترف تھے خاص طور پر پرانے شہر کے جلسوں  
 اور اردو مسائل کے سلسلے میں ان سے تعاون حاصل کرتے تھے سیاست  
 اخبار سے ان کا قدیم رشتہ ہے اخبار سیاست سے انہیں دلی ربط ہے  
 سیاست کی بہتری کے لئے ہر خلوص جذبہ رکھتے ہیں جناب زاہد علی خان  
 بھی غلام صادق الدین صاحب کی فلاحی اور اردو کافہ کے لئے کئے جانے  
 والے کاموں کی قدر کرتے ہیں غلام صادق الدین کو اردو شاعری سے  
 بے حد لگاؤ ہے۔ حیدر آباد کے گنگا جمنی ماحول کو باقی رکھنے اور اس کو

بڑھاوا دینے کے سلسلے میں ایسے لوگ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ میرے  
 ہم خیال تمام شعراء بھی غلام صادق الدین صاحب کے جدیدہ خیر سنگالی کے  
 دل و جان سے قائل ہیں۔ غلام صادق الدین بہترین مقرر بھی ہیں  
 سماں کے ہر مسئلہ پر جامع اور کھل کر تقریر کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں اور  
 ان کی تقریر اس لئے بھی دلچسپ اور پُر اثر ہوتی ہے کہ وہ سبھی بات کہتے ہیں  
 اور بے خوف و خطر کہتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے رویے میں  
 یکسانیت ہے۔ بصورت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ جو باتیں حقائق  
 پر مبنی ہوتی ہیں ان کے اظہار میں قطعی نال نہیں کرتے۔ میں تو یہ  
 کہتا ہوں کہ غلام صادق الدین جیسے محبانِ اُردو اور انسانیت دوستوں  
 کے سبب ہی ہمارے شہر کا اعلیٰ روایات کی برقراری میں بڑی مدد  
 مل رہی ہے۔ ایسے لوگ جو اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ  
 وقت دیتے ہیں وہ ہمیشہ مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ ایک سال  
 پہلے تک بیت اللہ کی سوانحِ جاوید لکھ چکے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے شہریانِ شان پمیلے نے یو بی این ایجوکیشنل سٹریٹریل میں ان کی  
 عوامی و فلاحی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں عظیم الشان پیمانے پر  
 جلسہ ہوا۔ انہیں سکوں میں نوا گیا۔  
 میری دعا ہے کہ خدا ان کے مراتب میں اور اضافہ کرے۔

# خواجہ معین الدین

(یا سلاجیت افسیر۔ خوش نصیب انسان)

پیر در دگار عالم جن لوگوں کو بھی دنیاوی آسائشوں سے نوازتا  
چاہتا ہے تو اس کی توارشوں کا سلسلہ لامتناہی قیاس آرائیوں کی  
حد سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ وہ لوگ جن پر ہر کرم ہر سزا  
سے ان کا وجود بہ ذات خود ایک سیارہ نور کی طرح ماحول  
کو اپنی برکتوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ خدا کے خاص بندے وہ ہر ذل  
کی بھلائی اور ان کی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ سب کچھ کر جاتے ہیں  
جو ان کے بس میں رہتا ہے۔ ذاتی مشرقت سمیت شائق ایمان  
واری اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے والے لوگ ہمارے  
معاشرہ میں مل تو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے کسی  
طرح کے لوگوں کی سوچ اور فکر کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ  
اس فکر میں رہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں تقیر کھینچنے لگیں۔

انسانی شرافت و رواداری ہر مناسب مقام پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے  
 اتھا انسان دوسروں کی بہتری کے لیے سوچتا رہتا ہے۔ اس طرح کی  
 مختلف النوع خوبوں کی حامل شخصیت خواجہ معین الدین صاحب کی  
 بھی ہے۔ سرج شہر کا نفرینیا ہر مذہب شہری جو حیدر آباد کی تہذیب سے  
 جڑا ہوا ہے وہ خواجہ معین الدین صاحب سے واقف ہے۔ کون نہیں  
 جانتا کہ انہوں نے چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش جناب ٹی ایچ  
 کے پریوٹ سیکریٹری کی حیثیت سے کس قدر نمایاں خدمات انجام دیں  
 معین صاحب نہ صرف سیاسی معاملات کی سرخ روشی کے لیے ہی کار آمد  
 ثابت ہوئے بلکہ ضرورت مند حیدر آبادیوں کا بھی ہر مشکل مقام پر  
 ساتھ دیا اور ان کے جائز مسائل کو کامیابی و کامرانی کی منزلوں تک  
 پہنچایا۔ یہ بات شہرت رکھتی ہے کہ خواجہ معین الدین صاحب انتہائی  
 با اعتماد عہدہ دار، بہترین دوست اور اچھے مشیر کی حیثیت سے چیف منسٹر  
 صاحب کے معاون رہے۔ انجا صاحب کے سارے فیصلے معین صاحب  
 کی صلاحیتوں سے کا نتیجہ ہوا کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین صاحب ۱۹۵۲ء  
 سے ترقی کی موڑ لیں طے کرنے ہوئے اسٹنٹ سیکریٹری محکمہ سٹرائپورٹ  
 کے عہدہ پر فائز رہے۔ جب میرا تقریرہ حیثیت ایل۔ ڈی۔ سی۔ ڈاکٹر گریٹ  
 کمیونیٹی پروجیکٹ ٹیپارٹمنٹ میں ہوا تو خواجہ معین الدین صاحب وہاں  
 ٹاپسٹ کی حیثیت سے کار گزار تھے۔ کمیونٹی پروجیکٹ آفس میں  
 خواجہ بہاؤ الدین، خواجہ معین الدین، علیم الدین، علی نواز خان، بی این ونگر

نرسہار دیہی، افضل حسین اور صلاح الدین تیرہم خیال سا ننھی ہی بہنیں  
تھے بلکہ آپس میں بہترین دوست بھی تھے۔ معین صاحب ہم سب میں  
نسبتاً سب سے بڑے تھے۔ جب ہمارا حکم لسانی بنیاد پر ریاستوں کی  
تقسیم کے بعد ۱۹۵۶ء میں پلاننگ ڈیپارٹمنٹ (سکریٹریٹ) میں ہم  
مہو گیا تو ہم سب ساتھ ساتھ رہے۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ سے  
دائستگی کے بعد خواجہ معین الدین ٹائپسٹ سے اسٹیٹ گرافر بن گئے خواجہ  
بہار الدین، علیم الدین اور میر سے دیگر ساتھیوں کو یو۔ ڈی سی (یعنی  
اسٹنٹ سیکشن آفیسر) کے عہدہ پر ترقی ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد معین  
صاحب مسٹر ڈی ایچ جیف منسٹر کے پی اے بن گئے۔ معین صاحب کی ترقی کا  
آغاز اسی زمانے سے ہونے لگا۔ جب ڈی ایچ ایم پی، مرکزی حکومت میں سب  
منسٹر ہوئے تو انہوں نے خواجہ معین الدین صاحب کو پی اے بنا کر  
اپنے ساتھ ہی رکھا۔ جب ایچ اے صاحب کی سرکاری وزارت ختم ہوئی تو وہ  
ریاست آندھرا پردیش کے چیف منسٹر بنے۔ یہاں ہی معین صاحب  
ایچ اے صاحب کے پی اے بن رہے۔ جب ایچ اے صاحب کی چیف منسٹری ختم  
ہوئی تو معین صاحب ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ میں اسٹنٹ سکریٹری  
کی حیثیت سے کار گزار رہے۔ پھر وہ ڈپٹی سکریٹری ہوئے اور ۱۹۹۳ء  
میں بحیثیت جوائنٹ سکریٹری حکم ٹرانسپورٹ و پبلک سروس  
سیکشن ہوئے۔ معین صاحب نے سکریٹریٹ کی ملازمت کے  
دوران بے شمار لوگوں کی مدد کی۔ انہوں نے مسٹر ڈی (ب)



بھی بے شمار تھی افراد کے ساتھ تعاون کیا جبکہ وہ حیرین مٹاؤں تھے  
 ان دنوں وہ بحرم جاہ ٹرسٹ میں سکریٹری کی حیثیت سے خدمات  
 انجام دے رہے ہیں۔ خواجہ معین الدین اور ہم تمام ساتھی اپنی ابتدائی  
 ملازمت کے زمانے میں بہت سے تہذیبی پیر و گرام سے دیسی رکھتے  
 تھے خواجہ معین الدین کی شادی کی تقریب بہت شاندار بنیائے  
 پیر میوٹی۔ ان کے والد محترم محمد سلیم صاحب گورنمنٹ اسکول  
 میں صدر مدرس تھے جو تادم تربیت نیکی و شرافت کی روشن  
 مثال رہے۔ نہایت پُر وقار و وضع دار، حیدر آبادی تہذیب  
 بھی نمائندہ شخصیت تھے۔ معین صاحب کا مکان محلہ عثمان شاہی  
 میں واقع تھا۔ اسی مکان سے خواجہ معین الدین صاحب کی  
 شادی کی برائت نکلی تھی۔ ان کے خسر محترم سلیم سلطان شہر  
 کی ممتاز شخصیت تھے جن کے والد محترم محمد سلطان صاحب بانی  
 وزیر سلطان ٹو بیکو (V.S.T) تھے۔ معین صاحب نے اپنی ملازمت  
 کے زمانے میں اپنے تمام بھائیوں، بہنوں کی بہنری اور ان کی  
 کامیاب زندگی کے لیے بہت کچھ کیا۔ آج وہ تمام کے تمام خوشحال  
 اور مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے خواجہ معین الدین  
 کی شادی کے موقع پر ایک نہایتی نظم (سہرا) لکھی تھی۔ اُس  
 نظم کا ایک شعر آج بھی یاد ہے جس کو خواجہ بہاء الدین جب بھی  
 اچھے موڈ میں رہتے ہیں تو دہرانے رہتے ہیں۔

و یاں گھولی گئی ہے زلف شاید  
تبھی خوشبو بیاں ٹک آ رہی ہے

وہ زمانہ بہت اچھا زمانہ تھا ہم تمام دوست آج بھی  
نہ صرف بہترین دوستوں کی طرح ملتے ہیں بلکہ بھائیوں جیسا  
ہمارا آپسی رشتہ ہے۔ ہمارے ساتھیوں میں نسبتاً خواجہ  
بہاء الدین، خواجہ معین الدین کے بہت قریبی دوست ہیں۔ خواجہ  
معین الدین غیر معمولی خوبیوں کے مالک ہیں جب وہ بیرون  
کے پی ایس تھے تو انہوں نے علیم الدین سکشن آفیسر کو یہ حیثیت  
ایمپل مینٹ آفیسر تعینات کروایا۔ جب وہ چیف منسٹر صاحب  
کے پرائیویٹ سکریٹری تھے تو اپنے آفس کے دوستوں بل۔ این  
واگھرے اور نرسہمارٹی (سکشن آفیسر) کو اپنے سناٹھ  
چیف منسٹر صاحب کی پیشی میں رکھا۔ یہ دونوں حکمہ نیپائین لاج  
ڈپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ معین صاحب نے اپنے ساتھیوں  
کی ہر ممکن مدد کی۔ اپنے دوستوں کی ہر بائزر و کامیاب سفارشات  
کی۔ خواجہ معین الدین سکریٹریٹ اردو انسٹیٹیوٹ میں بھی وابستہ  
رہے لیکن وہ اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے ہماری محفلوں  
میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا اخلاقی رشتہ  
اسوسی ایشن سے برقرار رکھا۔ معین صاحب کے دوستوں کا بہت  
بڑا حلقہ ہے۔ ہر قسم کے لوگ چاہے وہ سیاسی ہوں کہ غیر سیاسی

اُن سے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔ معین صاحب نے اپنی اہم سرکاری کمزوریشن کے باوجود اپنی طبیعت کی انکساری میں فرق آنے نہیں دیا۔ ابتدائی ملازمت کے زمانے کے دوستوں سے خاص طور پر اپنا تہذیبی و بشری فائدہ رشتہ برقرار رکھا ہے۔ خواجہ معین الدین ہمایہ قابل و لائق انسان ہیں۔ معین صاحب کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے انجیا صاحب کی حریف منسٹری ختم ہونے کے بعد ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ان کے گھریلو اور نجی کاروبار میں ان کے سارے خاندان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ انجیا صاحب کے انتقال کے بعد بھی معین صاحب نے اُس خاندان سے اپنا تعلق خاطر برقرار رکھا۔ چاہے وہ لیبر منسٹری کا دور ہو کہ حریف منسٹری کا دور ہو، انجیا صاحب خواجہ معین الدین کی ہر بات ماننے لگے اور ان کی ہر حاکم سفارش کی پوزیٹو برائی کرتے لگے۔ انجیا صاحب کے پیر ایجوٹ سکریٹری کی حیثیت سے معین صاحب نے اردو زبان و اردو تعلیم کے مسائل کے سلسلہ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انجیا صاحب کے زمانے میں ممتاز شعراء و جلیفوں صاحب شو ملک الشعراء کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ہندی اکادمی قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ بہت سے تعلیمی و فلاحی کام انجیا صاحب کے دور میں انجام پائے۔ معین صاحب اُن اعلیٰ افسروں میں سے ایک رہے جن کا دامن ہمیشہ پاک و صاف رہا۔ ساری

ملازمت کے دوران وہ مستحق لوگوں کی دعائیں لیتے رہے۔ نہایت شریف النفس، سادگی پسند، بامروت، اعلیٰ صفات رکھنے والے انسان ہیں جن سے مل کر ہر ملاقاتی خوشی محسوس کرتا ہے۔ معین صاحب کی گھر کی ہر تفریب میں اُن کے قدیم دوست لازماً مدعو رہتے ہیں ان کے گھر کی مختلف تقاریب کے سلسلے میں اُن کی خواہش پر ہمیں بس نے کئی اشعار لکھے ہیں۔ معین صاحب کا سارا گھرانہ تعلیم یافتہ ہے۔ ان کے ۴ بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔ بڑا بیٹا محمد نظام الدین ڈاکٹر ہے جو امریکہ میں مقیم ہے۔ دوسرا اور تیسرا بیٹا انجینیر ہے یہ دونوں بھی امریکہ میں رہتے ہیں۔ چوتھا بیٹا جدہ میں ہے۔ ان کی بیٹی بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ خواجہ معین الدین، دنیا کی ساری نعمتوں سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ فیض یابی کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

میں اُن دوستوں کو خاص طور پر یاد رکھنا ہوں جو اپنی ابتدائی زندگی اور دوستی کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے ہمیں دوستی کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو ہلکاتے رہتے ہیں۔ خواجہ معین الدین میرے ایسے ہی دوست ہیں جن سے مل کر دل و دماغ میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ان کا مسکراتا ہوا چہرہ میری بینائی بڑھاتا ہے۔

# خواجہ معین الدین (الہیال)

## (منکسر المزاج - خاموش طبع انسان)

حیدر آباد کے یہ قید حیات شرفاء کی جب کبھی فہرت مرتب کا جائسگی تو اس فہرت میں خواجہ معین الدین صاحب (الہیال) کا نام بھی نمایاں رہے گا۔ ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو دوسروں کے حالات جاننے اور ان کی روزمرہ کی مصروفیات سے دلچسپی رکھتے ہوں مگر اسی سوسائٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں دوسروں کے معاملات سے انہیں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لگتی۔ خواجہ معین الدین صاحب کو میں گذشتہ نین دہائیوں سے جانتا ہوں۔ میں نے انہیں ہمیشہ کھر استحقاق پاک کے صاف اور شائستگی کا مظہر انسان پایا ہے۔ خواجہ معین الدین کی ملازمت کا تعلق نظامت زراعت سے تھا جہاں وہ مستطعم کی حیثیت سے خوشگوار ماحولی میں گزار گئے۔ مطابق وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش

کا شاعری کے دلدادہ ہیں۔ ان کے ہاں نامور شاعروں کی غزل کے کبیس کے علاوہ ممتاز مکتو کاروں کے کبیس بھی موجود ہیں ہر نئی کتاب کے وہ مندرجہ نشی رہتے ہیں۔ مجھ سے میری اور میرے دوستوں کی کتابوں کے لیے فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے دل میں میری بڑی وقعت ہے اکثر ملاقاتوں میں میری شاعری و ادبی سرگرمیوں کا دل کھول کر تذکرہ کرتے ہیں خواجہ صاحب کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک بریف کیس رہتا ہے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب جب تک زندہ تھے خواجہ صاحب دفتر سیاست زیادہ آتے تھے اب بھی وہ آتے ہیں لیکن بہت کم۔ زاہد علی خان صاحب بھی خواجہ صاحب سے غلوں رکھتے ہیں زاہد علی خان صاحب کے گھر کے تمام افراد خواجہ صاحب کی عزت کرتے ہیں خواجہ صاحب نے عابد منزل سے اپنی دیرینہ رفاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سابقہ روایت کو باقی رکھا ہے زاہد علی خان صاحب کے گھر میں ہونے والی نجی محفلوں میں بھی خواجہ صاحب مدعو رہتے ہیں ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے سلسلے میں خواجہ صاحب کا تعاون حاصل رہتا ہے یہاں شعراء کے خیر مقدم کے لیے وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں شعراء کی میزبانی میں بھی پیش پیش رہتے ہیں ملک بھر کے شاعری خواجہ صاحب کے مراسم ہیں۔ سبکی انسا ہی سے انہیں گہری دلچسپی ہے جب تک یہاں شعراء احیدر آباد میں رہتے ہیں خواجہ صاحب ان سے ہر ممکنہ تعاون کرتے ہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کی فائیل میرے پاس رہتی ہے اس لیے وہ مجھ سے مشاعرہ کے دوران ربط رکھتے ہیں۔ وہ جانتا چاہتے

ہیں کہ کوئی شاعر کب آئے گا اور اُس کی واپسی کب ہوگی؟ میرے پاس  
 ساری تفصیل رہتی تھی وہ نوٹ کر لیا کرتے تھے مہمان شعراء کے آمد و رفت کی  
 تفصیل جاننے کے بعد اُن کے قیام اور اُن کی واپسی کا ذمہ داری کو بھی سنبھالنے سے  
 بھگتاتے رہے۔ بعض مہمان شعراء کی نازیرواریاں بھی سہہ لیتے تھے مگر آف نہ  
 کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نہایت سنجیدہ اور عارف دل انسان ہیں استغناء از  
 مشاعرہ میں اگر کوئی الجھن ہوتی تو وہ عذرگی کے ساتھ نیٹھا بیٹھتے۔ مہمان شعراء کی  
 آمد پر ہی میں ریلوے اسٹیشن چل جاتا اُن کے آنے کے بعد کوئی خاص مسئلہ ہو  
 تو اُن سے مل لیتا۔ جس زمانے میں جناب عابد علی خان صاحب شکرچی میموریل  
 سوسائٹی کے مشاعروں کے نگرار رہتے تھے خواجہ صاحب مہمان شعراء کی آمد و  
 رفت کے سلسلے میں معاون رہتے تھے۔ خواجہ صاحب شہر کی تقریباً اہم ادبی  
 جلسوں و مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے پاس  
 ادبی ٹرسٹ اور شکرچی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے  
 بیہتر شعاعروں کے خطوط موجود ہیں خواجہ صاحب کی میزبانی سے متاثر ہو کر  
 مہمان شعراء اہمیتیں خطوط لکھ کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب جیسے وضع الہام جو  
 حیدر آباد کی پیرانی تہذیب و افکار کی پاسداری کرتے ہیں کم رہ گئے ہیں لیکن  
 جتنے بھی رہ گئے ہیں اُن کی فند کی جانی چلے بیٹھے۔ خواجہ صاحب کو میں سیاست  
 سے ان کے جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بھی پسند کرتا ہوں ایک شریف آدمی سمجھتا  
 اپنے محرم فرماؤں کو یاد کرتا ہے۔ خواجہ صاحب ہی ان لوگوں میں سے ایک ہیں  
 جو اپنے محسنوں کو دل و جان سے یاد کرتے ہیں۔ جب کبھی مجھ سے خواجہ صاحب

کی ملاقات ہوئی ہے۔ یہی ساخرہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی  
 یاد آجاتی ہے اور میں اپنے ان دو محترم شخصیتوں کی یاد میں کافی دیر  
 تک کھوجاتا ہوں۔ خواجہ صاحب ہماری نہایت سی رشتوں کا ایک تسلسل  
 ہیں۔ جن کی عزت کی جاتی رہے گی۔ —



# جی۔ ایکم خان

(تہذیبی رشتوں کے پاسدار، بااثر اقدار، بامروت شخصیت)

انسانی اور تہذیبی رشتوں کی پاسداری کہنے والے لوگ جب اپنی علی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ہر حرکت ان کے اعلیٰ و ارفع اسلاف کے بہنہ بین کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے اس طرح کے لوگ جب اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کرتے ہیں تو ان کے راستوں کے تمام بیج و خم، حالات کی مری و مگر، دھوپ، چھاؤں کی تمازت اور ٹھنڈک ان کے ہم رکاب ہوتی ہے اور وہ نسیم صبح کی بھیبتی بھیبتی خوشبو کی طرح اسنے دل و دماغ کو نرو تازگی بخشتے ہوئے مسرت آگئیں ہی نہیں کیف و آوارگیات سے بھی بالوس ہو جاتے ہیں اور ان کا ہر عمل ان کے تہذیبی مستقبل کی نشاندہی کرتا رہتا ہے۔ فکر و نظر کی باہدگی، ذہن و خیال کی تازگی، فہم و ادراک کے تمام دروازے کھول دیتی ہے اور معاشقہ کے بہتر نواز

اسی پائس کے ماحول کو چمکانے رستہ ہیں۔ زندگی میں کچھ بننے اور کچھ کر دکھانے کی زمیں میں لہریں مارنے جسم میں خون رواں کی طرح ایسا اثر چھوڑا ہی جاتی ہیں اس طرح کی کیفیات سے گزرنے و طوائف زندگی کے ہر مرحلہ پر کامرانی و کامیابی کے ساتھ رواں دواں رہتے ہوئے کھلے آسمان تلے راحت کی سانس لیتے ہیں۔ اسوایا سے کامیابی اور اس جو ناپے کہ زندگی رکھنے کا نہیں چلتے رہتے کا نام ہے۔ ایک نر فانی بہریر شخص اپنے سر پر پرواز کی طاقت کو پیرھانے ہوئے اونچی اڑاں بھرنے لگتا ہے۔ آسمان کی بلندیوں تک پہنچنے کا آرزو مند رہتا ہے۔ جو شخص اپنی علی زندگی کا حوصلہ مسافر پر اس کے قدیم حالات چاہتے کسی بھی طرح کے ہوں رکھتے نہیں۔ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش پر اس سرگرم عمل رہتا ہے اس طرح کے مجموعی تاثرات سے فیض یاب کامیاب و کامرات زندگی گزارنے والی شخصیت غلام محمد خان کی بھی ہے جو دل و دماغ پر چھائے ہوئے دوستوں میں سے ایک ہیں جنہیں میں اردو فیڈول (جشن اردو) ۶۰-۱۹۵۹ء کے حوالے سے اپنے ذہن و فکر کے چھوٹے اور لہرائے ہوئے گوشوں میں پاتا ہوں۔ اور میں اپنے میں ذاتی و خانہ دانی شرافت کی خوشبو سے محظوظ رہنے والے یا اخلاق و باہر و نفع نغیس انسان کی ہلک آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ جی۔ ایم خان کو میں نے پہلی دفعہ شیعہ اردو جامعہ عثمانیہ کے کمرے نمبر ۵ کے قریب دیکھا تھا ان کے مشترکہ دوست احمد اللہ قادری 'صوفی اللہ قادری' تحفہ المیزان اور کچھ اور طلباء ان کے ساتھ تھے۔ میں اس وقت کسی ادبی

نفرتیں ہیں شرکت کے لیے جامعہ عثمانیہ آجاتھا۔ جی۔ ایم۔ خان سے میری  
 ملاقات اُس دور ۱۹۵۹ء میں مختلف کالجوں اور جامعہ عثمانیہ  
 کے ادبی جلسوں اور مشاعروں کے علاوہ اردو ہال، ادارہ ادبیات اردو  
 میں ہونے والے مشاعروں کے موقع پر ہوا کرتی تھی۔ انہیں میں نے  
 کبھی تنہا نہیں دیکھا وہ اپنے احباب صفی اللہ قادری، احمد اللہ قادری  
 اور دیگر طلباء کے ساتھ رہتے تھے۔ مشاعروں سے لطف اندوز  
 ہوتے اور خوب منفرد و رکھ شاعروں کو ملوث کرتے تھے۔ اُس زمانے  
 میں صفی اللہ قادری خاص طور پر مشاعروں میں اپنی زندہ دلی کا کچھ زیادہ  
 ہی مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ گروپ اردو ہال اور ادارہ ادبیات اردو کے علاوہ  
 شہر میں متعدد اہم اہم مشاعروں میں بھی موجود رہتا تھا جی۔ ایم۔ خان اپنے  
 تمام ساتھیوں میں کنجیدہ طبیعت انسان تھے ایسے مزاج کی شناسائی،  
 طبیعت کی انصاف اور روشن ذہن و فکر کی وجہ سے ادبی غفلوں کے لیے  
 کبھی بار نہیں بنے رہے۔ اپنے تمام اساتذہ کی تعظیم کرتے تھے۔ تمام طلباء و  
 ساتھیوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنے تھے۔ میں نے جب بھی جہاں بھی  
 انہیں دیکھا ہے ان کے چہرہ پر خوشگوار مسکراہٹ کھلتی ہے، کبھی نظر اُٹتی  
 رہتا۔ ان کا گفتگو سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک نسبت یافتہ کسی  
 خاندانی نوجوان سے محو گفتگو ہوں۔ اردو فیوڈل کے بہترین دوستوں  
 میں خاص طور پر ہاشم حسن سعید، مسعود مستن (مسعود حسن اردو فیوڈل)  
 اور جی۔ ایم۔ خان کو بھی میں اپنے بہت قریب محسوس کرتا۔ یہاں بعض لوگوں

کی شخصیت اتنی جاذب نظر اور جادو اثر ہوتی ہے کہ اُن کی جہ مجھے ملاحظت  
 اور ان کے مھولے پر کئی خوشبو تاحیات جسم و جاں کو مہکاتی رہتی ہے۔ یہ  
 ضروری نہیں ہے کہ ہر روز یا اکثر و بیشتر ملنے والے احباب ہی دل کی گہرائیوں  
 میں آخر حبابیں بند ایسے لوگ بھی رگ چاں کے قریب رہتے ہیں کہ جن  
 سے بہت کم ملاقات رہتی ہے۔ میں جب اردو فیصلہ کی ہمدردی کی کیفیت  
 سے گذرنا رہتا ہوں تو مجھے اُس وقت کی تمام سرگرمیاں اُس وقت کی تمام  
 مصروفیات اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور جب میں اپنی بزم خیال کا دار فستگی  
 کے ساتھ ایک اہم حصہ بن جاتا ہوں تو اُس خوشگوار دور کے ایک ایک لمحہ  
 میں نمودار ہو کر رہ جاتا ہوں۔ اردو فیصلہ کے سلسلہ کی شعری و ادبی سرگرمیوں  
 کی بے ساختہ یاد آجاتی ہے۔ دل و دماغ پر اُس دور کی کچھ شاہکار شخصیتیں  
 بھرے ہوئے تالاب کی طرح دکھائی دیتے ہیں کچھ بیتی ہوئی ندی کی طرح  
 یادوں کے ساحل سے نکلانی ہوئی گزر جاتی ہیں اور کچھ لہریں ساحل کے وجود میں  
 کچھ اس طرح صدمہ ہو جاتی ہیں کہ نہ تو ساحل ہی باقی رہتا ہے اور نہ ہی لہریں۔  
 یادیں ہر شخص کی زندگی کا ایک اہم و محفل ہوتی ہیں۔ اگر یادیں زندگی کی  
 ہم رکاب نہ رہیں تو انسان کا سارا وجود بے معنی و بے مطلب ہو کر رہ  
 جاتا ہے۔ جی ایم خان کو اردو شعور ادب سے کافی دلچسپی ہے محفلِ موسیقی و  
 تہذیبی تقاریر سے بھی وہ دلچسپی رکھتے ہیں جی ایم خان اپنی طالب علمی کے  
 زمانے میں اپنے بہترین مستقبل کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ غلام محمد خان  
 کی تاریخِ سنیہ انش یہ ہے ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء عثمانیہ یونیورسٹی سے بی کام

کیا۔ ابتدائی تعلیم گوشہ محل ہائی اسکول میں ہوئی۔ جناب ذوالفقار علی خان  
 صدر سندس تھے۔ ۱۹۵۶ء میں میٹرک پاس کیا پیری یونیورسٹی کو ریس کے  
 تکمیل کے لئے ۱۹۵۷ء میں چادر گھاٹ کالج کے طالب علم رہے۔ ڈاکٹر مسید  
 علی اندین قادری ذور پرنسپل کالج تھے جناب ڈاکٹر حمید الدین شاہ اردو  
 کے کچرر تھے۔ چادر گھاٹ کالج کے سالانہ میگزین "فکر نو" میں مضامین  
 شائع ہوتے تھے۔ ایوننگ کالج کے "شب تاب" میں بھی مختصر سرائے شائع  
 ہوتی تھیں۔ ۱۹۵۸ء تا ۱۹۵۹ء میں رہے جہاں سے بی کام کی ڈگری  
 حاصل کی۔ جوائنٹ سکریٹری بزم اردو رہے۔ بزم اردو آرٹس کالج کے  
 تحت ایک پرچہ "سفیر" شائع ہوتا تھا جس میں ان کے مضامین شائع ہوتے  
 تھے جامعہ عثمانیہ کے خاص بزم جس کے مدیر ہاشم حسن سید تھے جی ایم خان کا  
 مضمون شامل ہے اُس وقت آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل عبدالقادر  
 صاحب تھے۔ ۱۹۶۱ء میں گراجویٹیشن کی تکمیل کے بعد ملازمت کا سلسلہ  
 شروع ہوا۔ ابتدا میں بہ حیثیت میڈیکل اسٹور و انچارج ٹی بی انسٹیٹیوٹ  
 لارم نام پر تقرر ہوا۔ پھر نرقی پیرڈاٹر کڑ میڈیکل سروس میں بہ حیثیت  
 گراجویٹ پوزیشن دی گئی یہ سلسلہ ۱۹۷۶ء تک جاری رہا۔ اگست ۱۹۷۶ء  
 میں وہ جبکہ اسٹائیکل اسٹنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ ملازمت کو خیر باد کہہ دیا  
 اور جدہ کے لیے روانہ ہوئے۔ سعودی ابراہیم لائسنس ہیڈ آفس جدہ پر یہ حیثیت  
 آڈینر اکاؤنٹ تقرر ہوا۔ یہ سلسلہ ۲۱ برس تک جاری رہا (مئی ۱۹۷۶ء تا ۱۹۹۷ء)  
 ریٹائرمنٹ کے بعد جدہ آباد واپس ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ انہیں تمام تر

سہولتیں حاصل نہیں چنانچہ دوران ملازمت مع فہمی دنیا کے بیشتر ممالک سہا  
دورہ کیا جن میں قابل ذکر امریکہ، لندن، سوئٹزرلینڈ، فرانکفرٹ اور  
کیمبنڈا ہیں۔ سیرا بیٹا غلام محمود خان ٹیکسلی جی۔ اے کی تکمیل کرتے ہوئے امریکہ  
روانہ ہوا اور آئی ایم ایس کی تکمیل کرتے ہوئے انتہائی اطمینان بخش  
زندگی گزار رہا ہے۔ دوسرا بیٹا حیدر آباد میں ہے ان کی بیٹی نصر اسکول کی  
طالبہ ہے جامو کے دوستوں میں احمد جلیس رحوم بھی اُن کے قریب ترین  
دوست رہے۔ جی۔ ایم خان جہد مسلسل اور بہترین لمحوں کی تلاش و جستجو  
میں سرگرواں رہتے تھے۔ کالج اور یونیورسٹیز سے ڈگریاں لینے کے بعد جب  
طلباء اپنی علمی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے لیے کئی راستے کھلے ہوئے  
ملتے ہیں اور بند بھی۔ لیکن ایک کامیاب انسان اپنی پوری صلاحیتوں اور  
توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہرے پورے نوگوں کی صفوں  
کو چیر کر آگے نکل جاتا ہے۔ جی۔ ایم۔ خان نے کبھی جی جستجو کی راہوں میں  
نہیں محسوس نہیں کی۔ ایک طے عرصے کے بعد جب جدہ میں منعقد ہوئی  
۱۹۸۳ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب کے سلسلے میں جی۔ ایم۔ خان سے ملاقات  
ہوئی تو مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ میں نے ایک شاعر کی حیثیت سے اس  
تقریب میں شرکت کی تھی اُس ملاقات کے بعد جی۔ ایم۔ خان جب کبھی  
حیدر آباد آنے کہیں نہ کہیں اُن سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ میں جب طے پٹی  
میں قیام پذیر رہا تو اُن سے ملاقات کچھ زیادہ ہی ہوئی رہی۔ طے پٹی میں  
اُن کے سسرال کا مکان ہے جو ہاشم حسن سعید کے مکان کے قریب ہے۔

بی۔ ایم۔ خان سے عموماً ریاست آفس سے ملنے ہوئے ملے پلے میں ملاقات ہوا جاتی تھی۔ کچھ دن پہلے مسعود مستون اور ہاشم حسن سعید میرے گھر آئے تھے کافی دیر تک اپنے قدیم دوستوں کا تذکرہ اچلتا رہا۔ اردو فیسٹول کی سرگرمیاں بھی زیر گفتگو رہیں۔ اُس ملاقات میں بھی جی۔ ایم خان کا ذکر آگیا۔ ہاشم نے بتایا کہ جی۔ ایم۔ خان بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو خدا نے دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کا گھرانہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہے۔ پھر یہ طے پایا کہ کہیں نہ جی۔ ایم۔ خان سے ایک ملاقات کی جائے ایک دن میں اور ہاشم ان کے دولت خانہ واقع (نور خاں بازار) پر پہنچے۔ جیسے ہی ہم نے کالی بل دی وہ فوراً باہر آئے۔ ہمارا پُرتباک خیر مقدم کیا۔ اپنے بہترین آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ہماری خاطر تواضع کی۔ سوچیاہوں آپ کتنے ایسے دوست و احباب رہ گئے ہیں جن کی زندگی آئینہ مثالی ہے۔ کتنے ایسے دوست ہیں جو بے غرض دوستی کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ میں تو سبھی چاہوں گا کہ خدا سے برتر میرے تمام دوستوں کو دین و دنیا کی برکتوں سے سرفراز کرے۔ میں ہاشم حسن سعید کے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گا کہ اُس شخص نے ایک بہترین ویلے نوٹ دوست کی طرح مجھ سے اپنے مراحم استوار رکھے ہیں۔ ہاشم حسن سعید جو کچھ لوگوں اور بعض دوستوں کی وجہ سے بھی ہمیشہ میرے دل کے قریب ہیں۔ ہاشم کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ

ہیں۔ آعظم صاحب کو شیخ عبداللہ حقیق منتر جموں و کشمیر کے  
 ہاتھوں ہندو مسلم یونیورسٹی ایوارڈ مل چکا ہے وہ اسٹنڈ ڈائریکٹر اگر بنگلہ  
 ڈیپارٹمنٹ رہ چکے ہیں عابد علی خان میجور ریل ٹرسٹ کے رکن بھی ہیں  
 آعظم صاحب کے یقیناً بہت سے دوست ہوں گے اور ہر طرح  
 کے دوست زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے  
 ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک شاعر کی صرف کسی شاعر سے ہی دوستی  
 ہو یا کسی ادیب و صحافی کی کسی ادیب و صحافی سے ہی دوستی ہو۔ حقیقی  
 دوستی کے لیے کسی خاص پیشے کے سبب ایک دوسرے سے وابستگی ضروری  
 نہیں ہے۔ دوستی کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے کسی بھی ہو سکتی ہے  
 ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ دو دوست ایک دوسرے کے سبب  
 سے قطعی تعلق نہیں رکھتے۔ یہاں محمد آعظم اور جناب زاہد علی خان  
 صاحب کی دوستی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جناب زاہد علی خان صاحب  
 ایک بہت بڑے اخبار سیاست کے ایڈیٹر ہیں اور محمد آعظم نہ تو کوئی  
 صحافی ہیں نہ ہی شاعر و ادیب بلکہ وہ زاہد علی خان صاحب کے دوست  
 ہیں صرف دوست۔ ان دونوں کا رشتہ صرف دوستی کی اساس کا  
 سر ہون منت ہے۔ محمد آعظم، زاہد علی خان صاحب کے بہت ہی اچھے  
 دوست ہیں۔ دونوں ہم خیال ہیں دونوں میں بے تکلفی ہے اور دونوں  
 کی دوستی مثالی ہے زاہد علی خان صاحب کی طرح محمد آعظم بہ ذات خود ایک  
 نفیس اور شریف النفس انسان ہیں۔ آعظم صاحب سے میرے بھی



مرا سم ہیں لیکن ایسے نہیں کہ جو ایک شاعر کے دوسرے شاعر یا ایک ادیب کے دوسرے ادیب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آغظم صاحب کو میں اُنس وقت سے جانتا ہوں جب وہ عابد علی خان صاحب کے گھر کی تقریباً تمام تقریبات میں مصروف رہا کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب آغظم صاحب کو بہت چاہتے تھے جگر صاحب تو دس بیٹے تو کہتے تھے کہ آغظم صاحب سیاست کے بی آؤ ہیں آغظم صاحب عابد علی خان صاحب کے گھر کے ایک فرد کی طرح گھریلو تقاریب میں برہہ چہرہ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ عابد علی خان صاحب کے گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ آغظم صاحب کو اپنے ہی گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں حیدر آباد کی یا ضلع کی علمی و ادبی محفلوں میں جب کبھی زاہد علی خان صاحب شرکت کرتے ہیں تو عموماً آغظم صاحب اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ زاہد علی خان صاحب آغظم صاحب کو آغظم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور آغظم صاحب زاہد علی خان صاحب کو نواب کہہ کر۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آغظم صاحب تہابیت خود دار، یا اصول اور بے لوث انسان ہیں۔ محمد آغظم صاحب کو میں نواب شاہ عالم صاحب کے حوالے سے بھی جانتا ہوں۔ خاص طور سے نواب شاہ عالم کی ایک تقریب کے حوالے سے میں زیادہ واقف ہوں جو سالانہ گلابوں کے چھوٹوں کی ٹائٹل کے موقع پر ہوتی ہے جس کے نواب شاہ عالم صاحب سربراہ رہتے ہیں اور محمد آغظم صاحب ان کے معاون۔ محمد آغظم صاحب کو میں اخبار سیارہ کے حوالے میں بھی حیثیت سے

حائل ہوتے ہیں دیکھا۔ آءِ عظم صاحب زاہد علی خان صاحب سے وابستہ  
خاص خاص محفل شعر و نغمہ میں بھی دلچسپی لیتے رہتے ہیں آءِ عظم صاحب  
حیدر آباد روز سوسائٹی کے رکن بھی ہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں  
بھی آءِ عظم صاحب تھے نہ کہرتے رہتے ہیں بیکان الہوند نے بہت کم عمل  
حصہ لیا ہے البتہ وہ دو سال قبل عبد علی خان آئی ہا سپیل کی رقم  
اعانت کے لیے منعقدہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ میں کافی سرگرم رہے۔  
خاص طور پر انہوں نے جہان شعراء کے انتخاب اور حیدر آباد میں ان  
کی میزبانی کے سلسلے میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ محمد آءِ عظم صاحب نمائش  
سوسائٹی سے بھی تعلق رکھتے ہیں شنکرجی میموریل سوسائٹی کے بھی وابستہ ہیں  
سوسائٹی کے ایک مقبول رکن ہیں نمائش سوسائٹی سے متعلق تہذیبی پروگرام  
سے بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں نمائش سوسائٹی کے مختلف شعبوں سے کسی  
نہ کسی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں آءِ عظم صاحب شنکرجی میموریل سوسائٹی  
کے مشاعروں میں گذشتہ ۲، ۳ سال سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے  
ہیں شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کے روبرو ان جناب فی الدین  
جلیلانی تھے۔ آءِ عظم جب بھی مجھ سے ملتے ہیں تو بے حد خلوص کا مظاہرہ  
کرتے ہیں ان کے لبوں پر ہمیشہ "نیر بھائی، نیر بھائی" کے الفاظ  
رقص کناں رہتے ہیں۔ بے حد پُر خلوص شخصیت کے حامل ہیں۔ تین  
سال پہلے جبکہ وہ نمائش کلب کے پروگرامس سکریٹری تھے صنعتی نمائش  
کے موقع پر نمائش سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعرہ میں وہ بیرونی

شعراء کو مدعو کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں کئی دفعہ غریب قلعے کے مشورہ کیا کرتے تھے۔ میں ہر ممکن تعاون کرتا رہا۔ جب بھی وہ سب میں زلمہ علی خان صاحب کے ملنے آتے ہیں تو مجھ سے بھی مل لیتے ہیں۔ وہ سیاست اخبار سے میری برسوں کی وابستگی سے واقف ہیں۔ سیاست سے میرے اٹوٹ رشتہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آغا صاحب باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ہمیشہ مسکراتے ہوئے گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے رکھ رکھاؤ اور ان کے انداز گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی ایک پاک و صاف شخصیت ہیں نظام کلب کی سرگرمیوں سے بھی واسطہ رکھتے ہیں نظام کلب کے زیر اہتمام ہونے والے ہر تہذیبی پروگرام میں سیرۂ جزیرہ حصہ لیتے ہیں۔ آغا صاحب اپنی ملازمت کے زمانے میں بھی تمام اعلیٰ عہدہ داروں کے منفقو نظر رہتے۔ اپنے ساتھیوں اور اپنے ماتحتین کے ساتھ ان کا دوستانہ و برادرانہ سلوک رہا۔ ساری ملازمت انہوں نے باوقار انداز میں گزاری۔ آغا صاحب کو شعر شاعری اور موسیقی کی محفلوں سے بھی وابستگی ہے خاص طور پر محفل موسیقی کے انعقاد میں اپنی پوری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہیں آج بھی کئی (اعلیٰ عہدہ دار) ان کے دوست ہیں آغا صاحب کے مراسم بے توش و ادب کا آئینہ دار ہونے میں آغا صاحب کے خلوص کا انداز اس بات کی بھی تائید کرتا ہے کہ ان کی زندگی کا سفر بھی اجالوں کے سفر کی طرح جاری رہے گا پوری شگفتگی و شائستگی کے ساتھ۔ آغا صاحب

مشرقی ماحول کے پروردہ ہیں نبی ہی تو وہ آداب گفتگو اور آداب  
نشست و درخواست سے پوری طرح واقف ہیں نہایت فراخ دل  
خوش مزاج اور ہلکی جھومٹی شخصیت ہیں۔ ان کے گھر کا سارا ماحول  
علمی اور دینی ہے۔ اعظم صاحب پابند صوم و صلوات ہیں۔ جس ادارہ یا  
انجمن سے بھی وہ وابستہ رہتے ہیں تو اپنی پوری توانائی ادارہ یا انجمن  
کے لیے صرف کرتے ہیں۔ نہایت محنتی انسان ہیں۔ سماجی و قلمی  
کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں ہر ممکنہ طور پر خدمات انجام دیتے ہیں  
باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ہمیشہ ان کے چہرہ پر شگفتگی  
نظر آتی ہے خوش مزاج اور دوستی کے قابل انسان ہیں منکسر المزاج  
ان کی فطرت کا ایک خاص وصف ہے ہر شخص سے خندہ پیشانی گئے  
ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ صاف دل، پاک و صاف اور متاثر کن  
شخصیت ہیں۔ جس محفل میں بھی یا جن لوگوں کے ساتھ بھی اعظم صاحب  
رہنے میں یقیناً وہاں کا ماحول عطر و عذرا ہو گا۔

# بصیر افضل

( اچھے شاعر۔ منکسر المزاج، فرض شناس عہدہ دار )

محکمہ بلدیہ کے اعلیٰ افسروں میں جناب سرنیدر لو تھر اور جناب جنٹل منسٹر جیسی شخصیتوں کی اعلیٰ کارکردگی اور مقبولیت کو ہمیشہ سراہا جاتا ہے گا۔ محکمہ بلدیہ کے بعض فرض شناس عہدہ داروں میں عباس ہاشمی ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ساتھ بصیر افضل صاحب اسٹیشننگ سٹی پلاننگ سکند آباد دیو پور کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ محکمہ بلدیہ کے سرسرخ خدمت عہدہ داروں میں میرے شاعر دوست بصیر افضل کی کارکردگی بھی محکمہ بلدیہ کے اعلیٰ افسروں اور دیگر اسٹاف کی نظروں میں قابل قدر سمجھی جاتی ہے جو اپنی خوش اخلاقی کے سبب سارے محکمہ میں اپنی منفرد پہچان بنائی ہے۔ یقیناً ہر محکمہ میں کچھ آفیسر اور ملازمین ملایسے ہونے میں جو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں، عمدہ کارکردگی اور فرض شناسی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ میں نے بصیر افضل صاحب کے بارے میں یہ بھی

سنا ہے کہ وہ اپنے آفس کے تمام ساتھیوں میں بشمول عبدالرزاق پندیدہ  
 نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اہل عرض حضرات بھی اُن کے حسن سلوک کے  
 محترف ہیں اور اُن کے تعاون سے مطمئن رہا کرتے ہیں۔ بصیر افضل صاحب  
 کی نارتھ پیڈ اسٹیشن ۱۱ جون ۱۹۴۸ء سے ٹامپلی ملٹی پیرسز ہائی اسکول یا پتو  
 جماعت تک تعلیم پائی۔ گورنمنٹ ہائی ٹیکنک ماں صاحب ٹیکنک سے ایس  
 سی۔ ای دیپول انجنئرنگ (ڈپلوما) کیا۔ ۱۹۷۱ء میں محکمہ لبریری میں اپنی ملازمت  
 کا آغاز کیا۔ بصیر افضل صاحب وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے شعر کہنا شروع  
 کیا۔ انہوں نے بھی لکھا کرتے تھے ان کے دو ناول ”پیاسے پتھر“ اور ”بھگداد“  
 شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے ناول ”پیاسے پتھر“ کی رسم ابراہیم باگا ریڈی  
 وزیر بھاری مصنوعات کے بافقوں انجام پائی۔ جو ۱۹۸۲ء کو سہری  
 مارش انٹیٹیوٹ میں منعقد ہوئی تھی ریاستی وزیر قانون جناب آصف پاشا  
 نے ان خصوصیت تھے۔ بصیر افضل سے میری دلچسپی ایک شاعر دوست کی حیثیت  
 سے ہے۔ انھیں شاعر برادری میں کم آئین شاعروں کے زمرے میں شامل  
 کیا جاتا ہے شاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں لیکن وہ شعر گوئی سے  
 اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں لیکن  
 غزل ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے اُن سے میری پہلی ملاقات دفتر سبکدوش  
 میں ہوئی۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ مجھے وہ پہلی ملاقات میں ہی بعد  
 شریف النفس، شائستہ مزاج، نفیس انسان معلوم ہوئے۔ اُن کا انداز  
 گفتگو اور شائستہ لب و لہجہ اپنی پوری شناخت کے ساتھ مجھے متاثر کرتا رہا۔

انہوں نے دوران گفتگو یہ بھی کہا کہ وہ استاد سخن، ملک الشعراء اور بعقوبی  
 رحوم کے شاگرد رہے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ میر سے استاد بھائی ہونے میں  
 فیض احمد فیضی سے بھی جیسے جدید سند استاد سخن سے شرف تلمذ رہا ہے  
 دج بعقوبی صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے میں ان  
 سے ہر قسم کے شاگردوں سے واقف ہوں۔ حیدر آباد کے بہ قید حیات  
 استاد سخن ہیں ڈاکٹر علی احمد جلیل اور خواجہ شوق ان کے قریب ترین شاعر  
 یستوں میں شامل رہے ہیں۔ بصیر افضل صاحب کے شاعر دوستوں میں  
 راستہ ندیم اور شاذ تمکنت بھی تھے۔ بصیر افضل صاحب کے کلام کے مطالعہ  
 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلام بلا سبکی اقدار سے گہرا رشتہ رکھتا ہے  
 یا نہیں ہے کہ بصیر افضل صاحب کا کلام گل و بلبل کے مضامین کی حد تک  
 محدود ہے۔ بلکہ ان کے کلام میں عصر حاضر کا وہ کرب و درد شامل ہے  
 انسانی اقدار کی شکست و ریخت کا ایک سلسلہ لا منہا ہی ہے۔ ان کی  
 ت کم غزلیں میری نظروں سے گزری ہیں کبھی کبھی سیاست اور مصطفیٰ  
 ، ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اگر بصیر افضل کچھ وقت شعری ادب  
 جیسے بھی نکالیں تو ممکن ہے کہ ان کا شمار حیدر آباد کے مشہور شاعروں  
 میں ہو جائے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ بصیر افضل مشاعروں کی  
 انجمن سے بہت دور رہنا چاہتے ہیں۔ اپنے آفس کی ذمہ داریوں  
 بہت ہی محنت کی ساتھ عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ بصیر افضل کے  
 تنوں میں اب اس معلوم ہوتا ہے کہ شاعر دوستوں کی تعداد کم سے

اس کی اصل وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ شعری و ادبی  
 خفوں سے کم کم تعلق رکھتے ہیں۔ شاعروں میں بہت کم شریک ہونے  
 ہیں۔ اگر وہ شعری و ادبی خفوں میں شرکت کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ شعاع  
 اور ادب کے ساتھ ان کے مراسم بڑھیں گے۔ اگرچہ بصیر و فضل کا  
 تاحال کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا ہے لیکن ان کے ہاں اتنا کلام  
 موجود ہے کہ وہ ایک مجموعہ کلام شائع کر سکتے ہیں۔ ایک ملاقات میں  
 انہوں نے مجھ سے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں تعاون کی خواہش کی تھی  
 مجھے اُس وقت بے حد مسرت ہوئی ہے جب کوئی قلمکار اپنی شاعری اور  
 اپنی تحریروں کو کتابی شکل دینا چاہتا ہے۔ ہمارے شہر میں اب بھی  
 بہت سے ایسے قلمکار موجود ہیں جن کے ہاں کافی شعری و ادبی ذخیرہ  
 موجود ہے لیکن وہ ان کی اشاعت پر توجہ نہیں دیتے۔ میرے خیال  
 میں اس کی شاید دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک نوات کی افتادِ طبع  
 اور سادگی اور دوسری وجہ وسائل کی کمی اور کمزور مالی موقف و بصرہ  
 میں سے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض قلمکار پوری تنہائی کے ساتھ اپنی تخلیقات  
 کو کتابی شکل دینے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے  
 موجود ہیں رفتارِ ادب کا تجزیہ تو ہوتا ہی رہتا ہے اس مسئلہ پر  
 غور کیجئے بغیر عملی اقدام ضروری ہے۔ میں خود اپنے کئی شاعر و ادیب  
 دوستوں کو کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں توجہ دلاتا رہتا ہوں  
 اردو اکادمی کی رقی اعانت سے بھی اردھر ۲۲۶ برسوں میں



سنیکڑوں کتابیں ہمارے شہر کے شاعروں اور ادیبوں نے شائع کی ہیں۔ جن میں سے بعض کتابیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بعیر افضل کے مجموعہ کلام کی اشاعت سے مجھے بے حد مسرت ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ان کا مجموعہ کلام منظر عام پر آجائے گا۔ بعیر افضل ایک بہترین دوست، اچھے شاعر، خوش اخلاق اور مہذب شہری ہیں۔ میں اپنے دوست بعیر افضل سے کتنا رہنما ہوں کہ شعری و ادبی محفلوں میں کم کم ہی کسی شرکت کرنے میں ناکامی اچھی اچھی شاعری اور عمدہ عمدہ مضامین سے استفادہ کرتے رہیں۔

میری یہ خواہش ہے کہ بعیر افضل کا شعری سفر جاری رہے چاہے اس سفر کی رفتار دھیمی ہی کیوں نہ ہو، ان کے دل میں جو شمع ادب جل رہی ہے اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہے۔

# خواجہ بہاء الدین

(بہترین دوستدار بے مثال دوست و خفیہ کامی)

حرام کی بنیاد پر ہر سودا سالی میں کچھ لوگ ایک دوسرے کی افادیت کے لئے کچھ ایسے کام بھی کر جاتے ہیں جو روختی کی افادیت میں سرخروی کا باعث بن جاتے ہیں حبيب کسی کو دوست مان لیا جائے تو دوستی کی آبرو باقی رکھنے کا خیال دلی میں جائز ہے یہ تو ہے خورجہ بہاء الدین بھی میرے ایسے ہی دوستوں میں شامل ہیں جن کی دوستی میں جو کوئی نقصان کی سر ہوں منت نہیں رہی۔ بہاء الدین سے میری دوستی کی بنیاد اوّل سے ہے تقریباً ۱۵ سال سے ہم ایک دوسرے کے بہترین و با اعتماد دوست ہیں۔ خواجہ بہاء الدین میرے افس کے ساتھی ہیں ۱۹۵۵ء میں جب میرا تقرر حکم کمپنی سے رجسٹریشن کے تحت کرکے ہوا تھا تو وہاں بہت سے ایسے اچھے لوگ غور سے دوستی کرنے کو ہی چاہتا تھا۔ مجھ سے پہلے علیم الدین پر بھا کر اوائل اسٹیشن اور این واگھے چھپے قالی اور جوانوں کا تقرر ہو چکا تھا۔

میرے بعد خواجہ بہار الدین کشپاکرن اور ارجمند راؤ کا تقرر ہوا۔ اس وقت  
 مسٹر کروسووانی محلہ کمیونٹی پر وکٹ کے ڈائریکٹر تھے۔ آفس کے منتظمین  
 کی حیثیت سے محمد عمر صاحب اور محمد سعید صاحب اور محمود نواز خان کام کرتے  
 تھے۔ مسلم اسٹاف کچھ زیادہ ہی تھا۔ ان دنوں بہار الدین میرے ساتھ  
 زیادہ مراجم نہیں رہے۔ پھر ہمارا محلہ تشکیل آندھ پریڈیش کے وقت  
 سکریٹریٹ کے پلاننگ / پیمنٹس راج ڈپارٹمنٹ میں ضم ہو گیا۔ یہ  
 بات ۱۹۵۶ء کی ہے۔ سکریٹریٹ میں جگہ کی قلت کی وجہ سے ہمارے محلہ کے  
 اسٹاف کو کچھ مہینوں کے لئے سکریٹریٹ کے دوسرے واقعہ عمارت شاہ پور  
 وادی میں کام کرنا پڑا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جب ہمارا محلہ پوری طرح سکریٹریٹ  
 سے واپس ہو گیا اور جب ہم سکریٹریٹ میں تھے تو ہمارے محلہ کے سکریٹری سی  
 سرسم تھے جو بہت ہی محنت گیر آدمی تھے۔ محلہ پلاننگ / علاقہ آندھ پور  
 علاقہ تانک کے مشترکہ اسٹاف کا ملا جلا حکم بن گیا۔ میری پوسٹنگ پہلے  
 O.P.I. میں ہوئی جو انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خواجہ بہار الدین بھی کسی  
 اور سیکشن میں تھے۔ ہندو راج ہم میں دو تہی بڑھتی گئی۔ تانک کے کافی ملازمین  
 ان دنوں سکریٹریٹ میں تھے۔ ہم ملازمین کی تعداد بھی لیجی غاصی تھی۔  
 آپس میں اتحاد تھا۔ ہم لوگ آپس میں ملتے رہتے۔ لیکن ہماری دوستی  
 پروان نہیں چڑھ سکی۔ پتہ نہیں چلا کہ ہم ۱۹۵۷ سال کس طرح گزر گئے۔  
 سکریٹریٹ میں ان دنوں تمام ملازمین سکریٹریٹ کی ایک تہذیبی  
 آندھ پریڈیش سکریٹریٹ پھول اسوسی ایشن کے نام سے کام کرتی تھی۔ اس تقریب

کچھ دوماں جو ایک ہفتہ جاری رہتی تھی ہم لوگ جو اردو زبان سے دلچسپی رکھتے تھے، گلو کے ماحول میں کبھی کبھی اردو سپروگرام پیش کرتے تھے، دن میں صرف ایک گھنٹہ دیا جاتا تھا ایک دفعہ ایک مشاعرہ بھی میرے مشورہ سے منعقد ہوا۔ خواجہ بہار الدین، علیم الدین، افضل حسین، شکیل احمد، عباس ہاشمی، محمد حسین خان اور قادر علی بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ڈرامے میں خواجہ بہار الدین، افضل حسین اور سکریٹریٹ کے کچھ اور لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا جس کا میں بانی سکریٹری ہوں۔ اس وقت کے پہلے صدر اسوکا ایشن بھارت چند کلمہ سکریٹری گورنر آئندہ رپریڈیشن نائب صدور کی حیثیت سے غلام احمد اسٹنٹ سکریٹری، مسٹر جی راؤ جوائنٹ سکریٹری اور رشیہندی ایشن اسٹنٹ سکریٹری شامل تھے جب انہیں تشکیل پائی تو میں نے صدر اسوکا ایشن بھارت چند کلمہ کے مشورہ سے خواجہ بہار الدین کو شعبہ موسیقی کا انچارج بنایا اور آج بھی وہ سکریٹریٹ کے سپروگرامس میں حصہ لیا کرتے ہیں سکریٹریٹ اسوکا ایشن کے زیر اہتمام بہار الدین نے بے شمار تہذیبی پروگرام کامیابی کے ساتھ پیش کئے۔ خواجہ بہار الدین کے ہم خیال دوستوں میں عباس ہاشمی اور شکیل احمد تھے جنہوں نے خواجہ بہار الدین کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ قافلہ بڑھتا گیا۔ نئے نئے مسافر شامل ہوتے گئے پھر شکیل احمد آئے۔ غفار تنویر آئے کرشنا کمار اور جیتی بھی آئیں۔ مرد گلوکاروں میں محمد حسین خان، قادر علی اور عباس ہاشمی

بیروگرام میں شامل رہنے لگے۔ بہار الدین نے کسی محفل میں بھی غزلیں نہیں کی تمام  
 گلوکار بہار الدین کی موسیقی کی دھنوں پر گایا کرتے تھے۔ خواجہ بہار الدین  
 نے اگرچہ کسی موسیقی کے اسکول یا کالج سے موسیقی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی  
 لیکن خداداد صلاحیت کی وجہ سے وہ مکمل موسیقار بن گئے۔ خواجہ بہار الدین  
 کی موسیقی کی دھنیں مثالی ہوتی تھیں۔ ان کی شہرت کا یہ عام ہے کہ دور  
 درشن سے اب انہی کی زیر نگرانی موسیقی کے اکثر پروگرامس پیش کیے جاتے ہیں  
 موسیقی کی محفلوں کے ذریعہ خواجہ بہار الدین نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے  
 سکریٹریٹ میں ایک خوشگوار ماحول بنایا۔ خواجہ بہار الدین سکشن آفیسر  
 کی حیثیت سے ریٹائر ہو کر ایک فری شانس اور ذمہ دار ملازم سرکل کی طرح  
 ساری ملازمت نیک نامی کے ساتھ گزاری۔ موسیقی کے حوالے سے شہر کے  
 تمام گلوکاروں اور موسیقی کے کئی سربراہوں سے ان کے مراسم ہیں سکریٹریٹ  
 اردو اسکی ایشن کے توسط سے پروگرام پیش کئے جانے کی وجہ سے ان کی  
 شہرت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ انہوں نے غیر اردو داں مرد و خواتین  
 گلوکاروں کی سرپرستی کی۔ آج بھی یہ خدمات انجام دے رہے ہیں خواجہ  
 بہار الدین ایک بہترین دوست اور اعلیٰ کردار کے حامل انسان ہیں۔  
 ہماری دوستی کا معیار، ہماری دوستی کی بنیاد بے لوث ہے ہم نے سکریٹریٹ  
 میں شعر و ادب اور موسیقی کی محفلوں کے لئے خوشگوار ماحول بنایا۔  
 سکریٹریٹ اردو اسکی ایشن کی وجہ سے سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں  
 سے ہمارے مراسم بڑھے اور ہم نے زبان و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی کی

سبھی خدمت کی۔ خواجہ بہار الدین کے لیے شمار شاگرد ہیں اُن کے دولت خانے  
 واقع کالا ڈیرہ کالونی (ملک پیٹ) میں گلوکاروں کا کفر تیار ہوا روز  
 بمبھٹا رہنما ہے اور جب کوٹا غام پیر و گرام پیش کرنا ہو تو رہبر سل  
 کی نشینیں ہوا کرتی ہیں خواجہ بہار الدین سکریٹریٹ کی مقبول شخصیت  
 ہے ہیں۔ مسلم اسٹاف میں کچھ ملازمین ایسے بھی تھے جنہوں نے شعر و  
 ادب اور موسیقی کی بدولت کافی شہرت حاصل کی اور جنہوں نے نہ صرف  
 زبان و ادب و موسیقی کی خدمت کی بلکہ حیدر آباد کی تہذیبی روایات کو بھی باقی  
 رکھا اور اپنے رکھ رکھاؤ سے آندھرا کے ملازمین کو بہ تباہی کر حیدر آباد کے  
 لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں ان کی تہذیب اس طرح کی ہوتی ہے۔ ہم  
 نے سکریٹریٹ میں نہایت خوشگوار ماحول برقرار رکھا۔ ہمارے محکمہ کے  
 آندھرائی ساتھیوں میں مسٹر وینکٹ رمنہا۔ جی پرمبو۔ محمد لطیف۔ شیش گری  
 کے نام قابل ذکر ہیں جو ہماری محفلوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے  
 تھے۔ سکریٹریٹ کے ملتے جلتے والے دوستوں میں نرسہاراؤ، خواجہ بہار  
 الدین، خواجہ حسین الدین، افضل حسین، کننیا کرن، پربھا کراؤ، ارجن راؤ  
 اور نرسہارائی، جی پرمبو، محمد حسین، قادری، عیاس ہاشمی، شکیل احمد  
 وغیرہ قابل ذکر دوستوں میں شامل ہیں جنہوں نے ہمیشہ اردو زبان  
 سے دلچسپی لی۔ سکریٹریٹ کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ خواجہ بہار  
 الدین کی شخصیت قابل قدر و لائق تحسین ہے بہترین انسان ہیں  
 سٹاف گھڑنے میں ماہر ہیں خوش مزاجی ان کا وصف ہے بد کہ سنی ان کے

مزاج میں رچ بس گئی ہے۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں میں خاص  
 طور پر اپنے محکمہ کی حد تک پس منظر سے ہمارے بے تکلفانہ مراسم تھے  
 وہ ہمارے محکمہ میں ڈپٹی سکریٹری / جوائنٹ سکریٹری تھے ان کے زمانے  
 میں ہم نے بے شمار اہل غرض حضرات کی مدد کی ہے سکریٹریٹ کے اپنے محکمہ  
 کے سٹاف میں کی جانتی مدد کی۔ پس اے عزیز جی اے ڈی میں ڈپٹی سکریٹری  
 تھے ان سے بھی ہمارے دوستانہ مراسم تھے ان عہدہ داروں نے آپس  
 میں کبھی تفریق نہیں پیدا کی کہ ہم سگشن آفیسر ہیں اور وہ ڈپٹی سکریٹری  
 جوائنٹ سکریٹری ہیں سکریٹریٹ کے آفیسر میں غلام احمد صاحب کے  
 علاوہ تھراپلٹن تھے بھی ہم لوگ بہت قریب تھے خواجہ بہار الدین نے  
 میری مشق کے ابتدائی زمانے میں میری بہت سی غزلیں ریڈیو سے  
 پیش کیں۔ سکریٹریٹ کے پیر و گرامس میں بھی میری غزلیں پیش کیں  
 کورس نکایا جاتا رہا۔ دور درشن سے میرا کلام پیش کر چکے ہیں۔ اکثر  
 گلوکاروں کے ذریعہ خواجہ بہار الدین نے میری غزلیں گوائیں۔ جن  
 میں قابل ذکر گلوکارہ دیوی رمنامورنی، امیر محمد خان، مالا سرارانیہ،  
 غفار تنویر، صابر حبیب وغیرہ ہیں۔ سکریٹریٹ میں غیر اردو والے گلوکار  
 شانتا مہتا، مس جیتی اور کرشناکاری جن کی آواز کوئل کی طرح  
 ہے۔ بہار الدین کی دھنوں پر غزلیں گائی رہیں۔ آل انڈیا  
 ریڈیو کی ڈیوٹی آفیسر نے مئی نے بھی بہار الدین کی دھنوں پر غزلیں  
 گائیں۔ خاص طور پر انہوں نے پہلی دفعہ جب ریڈیو سے میری یہ غزل

گالی تھی میری پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ غصہ

یہ سوچا بھی نہ تھا اک دن بچھڑ جائیں گے ہم دونوں  
 خواجہ بہاء الدین دوستی کے قابل انسان ہیں ہم دونوں کے مراسم  
 انتہائی دوستانہ ہیں ہماری دوستی کی عمر تقریباً زائد از ۴۰ برس کی  
 ہے لیکن آج تک ہم میں کسی بات پر بھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ  
 ہماری دوستی جیسے جیسے دن بڑھتے جا رہے ہیں پختہ ہوتی جا رہی ہے  
 وہ ایک یار باخش، زندہ دل انسان ہیں۔ پاک و صاف ذہن و  
 فکر کے مالک ہیں۔ ہمدرد ہیں، روادار ہیں حیدر آبادی مزاج کے  
 عامل ہیں۔ خواجہ بہاء الدین کا خاندانی پس منظر بھی اہم رہا ہے ان  
 کے والد محترم احمد خان ایڈووکیٹ اپنے دور کے بہت مشہور وکیل  
 رہ چکے ہیں۔ اچھے انہیں دیکھنے کی سعادت حاصل رہی۔ بہاء الدین صاحب  
 پہلے اپنے والدین، بھائیوں کے ساتھ ایک بڑے مکان میں رہتے تھے جو  
 بانسٹی کھیت میں واقع تھا وہاں ان سے ملاقات ہوتی تھی ان دنوں  
 محفل موسیقی کے بہت سے پروگرامس ہوتے تھے جن میں میری غزلیں  
 گائی جاتی تھیں اب ایسی ساری باتیں، ساری سرگرمیاں منقطع ہوتی  
 جا رہی ہیں۔ سکریٹریٹ میں ہم لوگوں نے ملازمت کی اور شازار ملازمت  
 کی۔ ہمارا وجود ایک بے تاج بادشاہ کی طرح رہا۔ ہم نے سکریٹریٹ میں  
 ہمیشہ اپنے کچے حیدر آبادی ہونے کا ثبوت دیا۔ باوقار انداز میں ہم اپنا کام  
 کرتے تھے کسی سے بھی مرعوب نہیں تھے۔ اپنی صلاحیت پر بھروسہ تھا اور



اپنی دیانت داری پر یقین۔ سکریٹریٹ میں اردو کا ماحول بنانا ہمارے لئے  
 مشکل تھا آندھرا والوں نے کبھی اردو سپر ڈیگراس اور اردو زبان کے خلاف  
 کوئی کام نہیں کیا بلکہ بعض آندھرائی اخبارات نے ہمیشہ اخبار میں کیا سکریٹریٹ  
 اردو اسوسی ایشن نے سرکاری محکموں کی تاریخ میں اپنا اونچا نام کمایا ہے  
 اس زمانے میں جب اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تھا سو اٹھ لے۔ جی  
 آفس کے کسی بھی محکمہ میں اردو اسوسی ایشن نہیں تھی۔ ہم نے شاندار  
 پیمانے پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اردو سے دلچسپی رکھنے والے خجانات  
 اردو دانشوران، شعروادب، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں  
 سے ہمیشہ متاثر رہے۔

خواجہ بہاء الدین ریٹائرمنٹ کے بعد بھی موسیقی کے ذریعہ اردو  
 کی خدمت انجام دے رہے ہیں میرے بہت ہی اچھے اور چاہنے والے  
 دوستوں میں سے ایک ہیں جنہیں میں ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ بہاء الدین  
 سے اکثر فون پر گفتگو ہوتی ہے۔ وہی انداز، وہی لب و لہجہ۔ بڑے  
 دلچسپ اور زندہ دل انسان ہیں۔

اللہ انہیں ہمیشہ پُر مسرت رکھے۔

# محمد سلیم الدین

سکرٹریٹ کے سفید پوش نیک سیرت انسان

معاشرہ کے نیش و قرار اور حالات کے مد و جزر کے درمیان،  
 روشب کے تذکروں، لمحوں اور ساعتوں کے آس پاس جن لوگوں کا  
 رہتا ہے ان کی نیکیوں، ان کے حسن سلوک اور ان کی شرافت و  
 مروت کی وجہ سے کچھ نام ذہن کے گوشوں میں اس طرح ابھرتے ہیں کہ جیسے  
 وہ کسی آبشار گنگو لپڑی پر کیفیت سے ہم کنار ہوں۔

پتہ نہیں کیوں جب کبھی میں سکرٹریٹ کے نیک فاضلت اور  
 بہت زیادہ شریف انسان علیم الدین صاحب کو یاد کرتا ہوں تو وہ ایک  
 جسم شرافت، انتہائی بااخلاق، مروت شناس، وفا پیکر، انسانیت  
 کے علمبردار اور نیکیوں کے سرچشمہ کی حیثیت سے میری نگاہوں کے سامنے  
 جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنی ملازمت کے تقریباً ۳۵ برس  
 کے دوران بے شمار ملازمین سکرٹریٹ کو دیکھے۔ ان سے گفتگو کرتے

ان سے روشنی کی ہے لیکن علیم الدین صاحب جیسا سب سے الگ، منفرد  
 انسان نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے علیم الدین صاحب کو صرف  
 اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو، اہل غرض حضرات کی مدد  
 کرتے رہیں۔ علیم الدین صاحب بھی ان خوش نصیب طائفت میں  
 سکریٹریٹ میں سے ایک ہیں جو کلرک سے ڈپٹی سکریٹری کے عہدہ  
 تک پہنچ گئے تھے۔ علیم الدین صاحب اور میرا بنیادی رشتہ سلسلہ خلافت  
 ڈاکٹر کریمینوٹی پراجکٹ آفس سے استوار ہوا۔ اس محکمہ میں میرے تقرر  
 سے پہلے علیم الدین صاحب کا تقرر بہ حیثیت کلرک ہو چکا تھا۔ ان کے تقرر  
 کے ۳، ۴ ماہ بعد میرا بھی تقرر بہ حیثیت کلرک ہوا۔ اس محکمہ میں ہم نو جوانوں  
 کا ایک اچھا خاصا حلقہ تھا علیم الدین، خواجہ بہاؤ الدین، خواجہ معین الدین،  
 افضل حسین، صلاح الدین تیر، علی نواز خان، نست نارائن، نرسہارائی  
 سوشیل کارما تھر، بی این واگھرے، ارین راؤ اور کشیا کرن۔ مجھ سے سینئر  
 لوگوں میں محمد افضل، رحیم الدین غوری، محمد علی عابدی، شانتی کارا اور عبد الرحیم سید  
 تھے۔ ہم نے اپنے محکمہ میں بھائیوں اور دوستوں کی طرح اپنی ملازمت کی مدت  
 نہایت خوشگوار انداز میں گزاری۔ مسلم عہدہ داروں میں بہ حیثیت منتظم  
 محمد عمر اور سعید جی تھے۔ گرو سوامی ڈاکٹر جی ناہیم جی، محمد ڈپٹی سکریٹری اور  
 ظہیر احمد کمشنر تھے۔

۱۹۵۶ء جب آندھرا پردیش کی ٹیکس عمل میں آئی تو ہمارا محکمہ  
 سکریٹریٹ کے محکمہ پلاننگ میں ضم ہو گیا۔ پلاننگ ڈپارٹمنٹ، ہند میں بنیادیت

راج ڈیپارٹمنٹ کی شکل اختیار کر گیا۔

پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری مسٹر سی نرہم نئے جو ایک نہایت معزول، سست گیر آفیسر تھے۔ اُس زمانے میں ہمارے محکمہ میں خواجہ حمید احمد اسٹنٹ سکریٹری تھے۔ گزشتہ آفیسر کی حیثیت سے انہوں نے ہماری سفارش پر بے شمار لوگوں کے متعلقہ فارمز پر دستخط کئے۔ ان کا یہ طریقہ تھا کہ بسم اللہ کہہ کر دستخط کرتے تھے۔ ہمارے محکمہ میں لکشی نارائن اسٹنٹ سکریٹری ایک نہایت ذمہ دار شخص تھا جو O.P.I. II کا انچارج تھا۔ برخلاف اس کے آندھرا کے اکاؤنٹس آفیسر نارائن راؤ اور راما چوگاراؤ نہایت شریف النفس انسانیت دوست آفیسر تھے سکریٹریٹ کے ماحول پر اُس وقت آندھرا پودیش کے ملازمین چھاپے ہوئے تھے۔ علیم الدین صاحب سکریٹریٹ کے اہم اہم شعبوں میں کام کرنے رہے۔ پہلے وہ ہمارے محکمہ O.P.I سکشن میں تھے پھر وہ اکاؤنٹس سکشن میں بھی رہے۔ علیم صاحب ہمارے محکمہ میں سکشن آفیسر کے عہدہ تک رہے پھر وہ اکاؤنٹس آفیسر بن کر G.O.A.D چلے گئے وہیں وہ اسٹنٹ سکریٹری بھی رہے اور ڈپٹی سکریٹری بھی۔ کچھ عرصہ کے لئے ایمپلائمنٹ آفیسر بھی رہے۔ انہوں نے سیکٹروں اہل غرض اصحاب کی مدد کی۔ ان کے ایمپلائمنٹ آفیسری کا دور بھی نہایت کامیاب رہا۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو بلا تفریق مذہب و ملت فیض پہنچایا۔ سکریٹریٹ کے کسی بھی محکمہ کا کام کیوں نہ ہو اہل غرض حضرات کی مدد کے لئے تیار رہتے۔ اور متعلقہ سکشن پہنچ جاتے۔

انہیں حج بیت اللہ شریف کا بھی شرف حاصل رہا۔ عظیم صاحب ابوظہبی  
 شمالی دو سنوں میں ایک میں۔ کبھی کبھی وہ میرے گھر تشریف لاتے ہیں  
 فون پر بھی گفتگو ہوتی رہتی ہے عظیم صاحب کا ادبی ذوق نکھر اُسٹھرا ہے  
 وہ بھی سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے بانیوں میں سے ہیں۔ ہم تمام  
 ساتھی ہمیشہ ہم خیال رہے۔ اردو اسوسی ایشن کے لئے ہم سب مل کر  
 بے لوث خدمات انجام دیتے رہے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سبزہ زار پر  
 ہم تمام ایک ساتھ لپخ کرتے تھے۔ ہم نے اپنی ساری ملازمت کے دوران اپنی  
 بہترین دوستی کا سٹاپ ہو کیا۔ عظیم الدین صاحب سکریٹریٹ کے تمام ادبی  
 شعری و تہذیبی پروگرامس میں شریک رہا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں  
 میں سب سے زیادہ زندہ دل انسان، خواجہ بہاء الدین سکریٹریٹ اللہ  
 اسوسی ایشن کے شعبہ موسیقی کے انچارج تھے۔ اب بھی وہ اپنے شاگردوں  
 سے ہمیں سرشار کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ بہاء الدین سکریٹریٹ کے شعبہ  
 موسیقی کے انچارج کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کو سلیف سے نبھاتے رہے  
 سکریٹریٹ کے موسیقی و تہذیبی پروگرامس کی وجہ سے ان کی بہت شہرت ہوئی  
 وہ اپنے سخیروں جو نیر ساتھیوں محمد حسین خاں، قذافی، عباس ہاشمی، شکیل احمد  
 کے تعاون سے موسیقی کے بہترین بہترین پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔ ۱۵۵  
 کی دہائیوں کی شہرہ کاری اور جتنی نے بھی اردو اسوسی ایشن کی بڑی خدمت  
 کی۔ پروگرامس میں عملہ کے ساتھ غزلیں، گیت، کورس گاٹی رہیں۔ آج بھی وہ  
 سکریٹریٹ کے پروگرامس میں حصہ لیتی ہیں۔ نمائش سوسائٹی کے زیر اہتمام

صحنی نمائش کے موقع پر ہر سال موسیقی پر وگرام پیش کیا جاتا ہے۔ علیم الدین ایک نیک صفت، فہم شناس، دیانت دار، مگر بھی رہے اور آفیر بھی رہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان سے ملنے کے لئے کوئی نہ کوئی شخص تقرباً ہر روز سکریٹریٹ آتا تھا۔ علیم صاحب ان کے کام کی یکسوئی کے لئے متعلقہ محکموں سے رابطہ پیدا کرتے اور کامیابی کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ انہوں نے کسی بھی حاجت مند کو بے نیل و مرام نہیں ٹوٹایا۔ علیم صاحب ایک وضع دار، یار ہمتی اور دوستی کے قابل انسان ہیں۔ ان کی خوبیل کی ایک طویل فہرست ہے۔ علیم صاحب کو میں نے ہر مرحلے میں ایک باکردار، شرافت پسند انسان کی حیثیت سے پایا ہے۔ تقرباً ہم برس کا ہمارا قریبی رشتہ دوستی ہے ان برسوں میں بے شمار خوشگوار لمحوں سے ہم گزرتے رہے ہیں۔ کن کن بانوں کا ذکر کیا جاوے۔ ہماری دوستی کا ایک ایک لمحہ یادگار ہے جو لوگ پاک طبت، ایماندار، بے غرض اور اعلیٰ خصوصیات و بہترین کردار کے حامل ہوتے ہیں، انہیں بہت زیادہ یاد رکھا جاتا ہے۔ علیم الدین صاحب کو میں نے سکریٹریٹ میں سفید پوش شخص کی حیثیت سے ہمیشہ سفید شیر والی میں دیکھا ہے۔ سفید شیر والی ان پر خوب سمجتی تھی۔ آفیروں کی نظروں میں علیم الدین صاحب کی بڑی عزت تھی۔ آفیر ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ ہمارے تمام ساتھی اپنی ملازمت کے آخری دنوں تک ایک دوسرے سے اپنے خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ ایسے دوستوں میں خواجہ سمیع الدین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل حسین، پریم کراد

نہ ہمارے بڑے بکشتیگر، رحمن و قابل ذکر ہیں۔ اُن میں سے ایک۔  
 داکٹر بھی تھے جو اب ہم نہیں رہے۔ بے تمام دبیائیں رہ چکے ہیں۔  
 جب بھی اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے تو میں اپنے ماضی میں کھو جاتا ہوں  
 وہ بھی کھو جاتے ہیں اور ہم لوگ اپنے ماضی کے اوراق الٹتے رہتے ہیں  
 اور یہ دیکھتے ہیں کہ ماضی کے اُن اوراق میں ہمارا کہاں کہاں کس کس  
 حیثیت سے نام لکھا ہوا ہے۔ یادداشت خدا کا بہت بڑا عطیہ ہے  
 یادیں انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔ اور خاص طور پر تنہا بچوں کے لمحات میں  
 یادیں انسان کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ اگر انسان سے اس  
 کی یادیں چھین جائیں تو اس کی زندگی بے مطلب ہو کر رہ جاتی ہے۔  
 علیم الدین صاحب اُن لمحات کی یادگار ہیں جن لمحوں میں اُجالوں کی  
 تقسیم ہوتی تھی جن میں خوشیوں کی فہک سے ہم سرشار رہتے تھے۔ ہماری  
 ایسی خواہش ہے کہ ہم اپنی باقی زندگی بھی ایسے خوشگوار لمحوں کی یاد  
 میں گزاریں جن میں دوستی بھی ہو اور رفاقت بھی ہو۔ نیکی بھی ہو اور  
 کئی ختم نہ ہونے والی مشرافت بھی ہو۔

# عباس ہاشمی

(سکرٹریٹ کی ایک باغ و بہار شخصیت۔ نیک صفت انسان)

اسد صدر ابرار دیش سکرٹریٹ میں اپنی ملازمت کے دوران میں نے  
 بے شمار ملازمین سکرٹریٹ کو دیکھا ہے بے شمار ملازمین سے صاحب  
 سلامت رہا ہے لیکن ان میں کچھ ہی ایسے لوگ تھے جو اپنی خصوصی  
 پہچان کے ساتھ نمایاں تھے۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ اپنے فرائض  
 منصبی کو پیشہ و زندگی کے ساتھ انجام دینے کا انداز اپنے ساتھیوں  
 سے بہت دور مراعہ رکھنے کا پتہ سب سے فراخ دلی کے ساتھ اپنے روابط  
 کو اپنی رکھنے کا سبق آپسی یکسانیت کا عمل مظاہرہ کرنا اور اس  
 طریق پر ہمتی و یقین کے ساتھ ہر سکون انداز میں اپنی زندگی کا  
 سفر جاری رکھنا۔ ان کے ایک خصوصی موقف کی نشاندہی کرتا رہا ہے  
 سکرٹریٹ میں بلا تفریق مذہب و ملت بلا تفریق اندھ و بین کا نہ  
 کچھ لوگ ایسے ہی تھے جو ہر امت و ملت کی دیانت داری اور خوشحالی  
 کے ساتھ سکرٹریٹ کے ہمہ رخ ماحول میں اپنے آپ کو جذب کر چکے تھے



اس طرح کی سکرٹریٹ کی مفیول ترین شخصیتوں میں عباس ہاشمی بھی شامل تھے۔ ہمارے مراکم و دوستی کا آغاز سکرٹریٹ میں شہری اردنی و ہندوئی سرگرمیوں سے ہوا۔ عباس ہاشمی اپنے محکمہ کے ایک بہانہ خود دار ملازم ہونے کے علاوہ سکرٹریٹ کے تمام محکموں سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں سے واقف تھے۔ سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے قیام سے قبل آندھرا پریش کچنرل اسوسی ایشن سرگرم عمل تھی جس کی سالانہ تقاریب ہر سال ماہ دسمبر میں سلسلہ دان یادا کرتی تھیں۔ ہم ملازمین تلنگانہ بھی اس اسوسی ایشن سے وابستہ تھے۔ کچنرل اسوسی ایشن سکرٹریٹ کے تمام نان گوٹشہڈ ملازمین سے تعلق رکھتی تھی۔ پیر و گرامس کے ان ۷ دلوں میں ہنگوٹنگ ایک ان اردو پیر و گرامس کے لئے حاصل کرتے تھے جس میں خاص طور پر ڈرائے یا موسیقی پیر و گرامس ہوتے تھے۔ ایک دفعہ نوہ نے مشاعرے کا بھی اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ یہ اس مشاعرہ کا نمونہ تھا۔ سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے قیام ۱۹۶۹ء کے بعد عباسی ہاشمی سے میرے رذابط میں اغافہ بیوتا گیا۔ میں نے انھیں ہر مرحلہ پر اپنا ہم خیال پایا۔ عباسی ہاشمی بھی ہانیاں سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن میں سے ایک ہیں۔ چونکہ انھیں موسیقی سے دلچسپی تھی اس لئے عہدہ داران اسوسی ایشن نے انھیں شعبہ موسیقی سے وابستہ کیا۔ اور وہ اپنا راج شعبہ موسیقی جناب خواجہ پھارادین کی قیادت

میں سرگرم عمل رہے ان کے بہترین معاون ثابت ہوئے۔ عباس ہاشمی  
 نے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے بے شمار سپردگرمیوں میں حصہ لیا۔  
 آل انڈیا ریلوے جیلڈ آباد سے ہونے والے سپردگرمی میں بھی انہوں  
 نے ساز سپردگرمیوں سنائیں۔ کورس میں تھے لیا۔ بعض سپردگرمیوں کے  
 وہ انچارج بھی رہے۔ خواجہ بہار الدین کے دست راست کی حیثیت سے ان کے  
 ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ عباس ہاشمی نے اپنے محکمہ تعلیمات سے وابستگان  
 علاوہ بہت سے اہل عرض حضرات کی مدد کی۔ سکریٹریٹ ہاشمی کی مشہور ترین  
 شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے  
 تمام سپردگرمیوں میں انتہائی خلوص و قیاسی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔  
 سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا وجہ سے سکریٹریٹ کے مختلف محکموں  
 کے اعلیٰ عہدہ داروں سے بھی ان کے مراسم تھے جن سے انہوں نے بہت  
 سے اہل عرض لوگوں کی مختلف محکمہ باقی کارروائیوں کے سلسلے میں تعاون حاصل  
 کیا۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں میں جو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن سے  
 وابستہ تھے جن میں قابل ذکر ہیں اے فار (چیف سکریٹری) رائے سنگھ  
 بہاری لال، چیف سکریٹری، بھارت چند کھنہ، سید ہاشم علی اختر، غلام احمد  
 رشید قریشی، ایس اے واسح، صادق احمد، تراب الحسن ہیں عباس  
 ہاشمی کا سکریٹریٹ کے محکمہ تعلیمات میں بہ حیثیت کلرک تعزیر ہوا  
 کئی برسوں تک محکمہ تعلیمات سے وابستہ رہے بعد میں اسٹنٹ سکشن  
 آفیسر اور ایکٹنگ آفیسر ہوئے۔ جب وہ اسٹنٹ سکشن آفیسر تھے تو

محکمہ بلدیہ سے وابستہ ہو گئے۔ پہلے وہ میونسپل کمشنر کی حیثیت سے منیچر یاں پر رہے۔ پھر نرمل پیران کا تیار دلہ ہوا تھا۔ نرمل سے گھبر آباد پر ڈیویشن آفیسر کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ گھبر آباد کے بعد میونسپل کمشنر گھبر آباد کے عہدے پر مامور رہے۔ ۱۹۹۱ء میں گریڈ I ڈیویشن آفیسر ہوئے۔ پھر میونسپل کمشنر کٹر پہر خدمت انجام دی، پھر کاشم خٹک۔ پھر محکمہ بلدیہ کے مین آفس وائس ٹینک بینڈ پر پی آر اڈ ہوئے۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر میونسپل کالپوریشن ہوئے۔ اسپیشل گریڈ میونسپل کمشنر کے عہدہ سے مئی ۱۹۹۸ء کو بہ حسن خدمت ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۹۹ء میں موہلیہ جج اکبر کی سعادت حاصل کی۔

سکرٹریٹ کے خوبصورت، وجہ پُرکشش نوجوانوں میں عباس ہاشمی بھی شامل تھے۔ اپنے آفس کی ذمہ داریوں کو نہایت ہی فمردانہ شناسی کے ساتھ نبھاتے رہے۔ اپنے محکمہ میں بے حد مقبول اور ہر دل عزیز تھے۔ متعلقہ افسروں سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم تھے۔ شہر کے علماء و معزز مشائخین کے خاندان سے عباس ہاشمی صاحب کا تعلق ہے۔ ان کے بزرگ شہر کے نامور شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ عباس ہاشمی نے سکرٹریٹ کے علاوہ محکمہ بلدیہ میں بھی بہت سے اہل عرض لوگوں کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے محترم بوریٹ ہیں انہیں اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی شعور و ادب و موسیقی سے رشتہ رہا۔ سکرٹریٹ اردو اسکی ایشن کے زیر اہتمام ہونے والی تقریباً تمام

سرگزینوں میں حصہ لیتے، بہت ہی شریف النفس، مہذب و پُر وقار  
 پاک طینت، پاک باطن، ہاکردار انسان ہیں۔ سکریٹریٹ کے ماتحت  
 میں اپنی بہترین صلاحیتوں، اپنے رکھائو اور اپنی محنت و رواداری  
 کی وجہ سے بھی لوگوں کی نگاہوں میں رہے۔ دورانِ ملازمت جہاں  
 بھی رہے وہاں کے اسٹاف اور عوام نے ان کی شخصیت کا التزام  
 کیا۔ بلا تخصیص مذہب و ملت، بلکہ کسی ذہنی تحفظات کے اپنے  
 عہدہ کا صحیح اہتمام کیا۔ عباس ہاشمی سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو  
 طبیعتِ جال ہو جاتی ہے۔ ان کی بزمِ مزاح گفتگو لطف دے جاتی ہے ہنسنے  
 اور قہقہہ لگانے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ  
 اپنی نیک نیتی، نیک نامی اور اپنی نیک فطرت کے سبب تاجاتِ خوش  
 رہیں گے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں جو شخص دو سروں کی مسرتوں  
 کو فخرِ پیش کرتا رہتا ہے وہ خود بھی مسرتوں سے ہم کنار رہتا ہے۔  
 سکریٹریٹ میں کام کرتے والی لڑکیوں / خواتین کی نظروں میں عباس  
 ہاشمی چشمہٴ نور بنے رہے۔ انہوں نے خاص طور پر سکریٹریٹ (اردو  
 اسوسی ایشن) کے موسیقی کے پروگرامس کے سلسلے میں سکریٹریٹ کی خانوں  
 گلوکاروں کی حوصلہ افزائی میں مکمل تعاون کیا۔ مس جینتی اور کرشناکار  
 سکریٹریٹ کی بہت ہی اچھی گلوکارہ ہیں۔ ان لڑکیوں / خواتین کو  
 اردو غزل سے مانوس کروانے میں خواجہ بہاؤ الدین کی طرح عباس  
 ہاشمی کی دلچسپی کو بھی بڑا دخل رہا۔ عباس ہاشمی کا ایک اور کارنامہ یہ

کہہ سکتے ہیں ان کی پٹریوں میں موجودہ پروگرام آگے کیلئے انڈیا ریڈیو شرمی  
 وٹے نے نئی کو سکریٹریٹ آرڈو اسکی ایشن کے رسالہ سے شہرت دلوائی  
 جو ایک غیر معمولی صلاحیت کی گلوکارہ ہیں۔ سکریٹریٹ کے مرد گلوکاروں  
 میں محمد حسن، نثار علی، شکیل احمد کی گائیکی کو سراہتے ہوئے ان کے لئے  
 بہترین پروگرامس کی پیش کش کے لئے مواقع فراہم کرتے رہے۔  
 سکریٹریٹ کے ان کے دوست و احباب آج بھی ان کی حسی کی دوستی  
 پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ سکریٹریٹ  
 کے ہم خیال دوستوں میں خواجہ بہاء الدین صاحب ان کا بار بار فانی  
 رشک ہے۔ جن کے پر غلوں دوستانہ مراسم آج بھی خوشگوار انداز  
 میں باقی ہیں۔

# عابد محمد الدین

ایک مخلص سماجی کارکن۔ کامیاب تاجر، دین و دنیا کی شخصیت

معاشرہ میں انسانیت، دوستی، رواداری، ہمدردی، شائستہ قدر و  
 اور تہذیبی رشتوں کی پاسداری کرنے والے بہترین مسلم قوم و ملت  
 ہر زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے کچھ لوگ مختلف گوشوں میں  
 بیٹے ہوئے۔ اپنے کے باوجود اپنی فطری صلاحیتوں، ذاتی خوبیوں اور  
 اعلیٰ تہذیبی روایتوں کی روشنی میں بہت ہی کم عرصہ میں اپنی ایک مخصوص  
 پہچان بنا لیتے ہیں جب وہ فلاحی، فوری و تعمیری سرگرمیوں میں رہیں  
 لینا شروع کرتے ہیں، تو حالات خود بہ خود ان کے ہم رکاب ہو جاتے  
 ہیں۔ ہند معاشرہ انہیں پوری عزت و اعزاز کے ساتھ قبول کرتا  
 ہے۔ انسان میں کتنی ہی صلاحیتیں ہوں نہ ہوں اس سے بہترین رہنمائی  
 کی ہی انہیں بہترین سہاویہ کی بھی ضرورت ہوتا ہے جس کی بنیاد و  
 رہنمائی میں وہ اپنی خدمات کا سفر خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رکھ سکتا

ہے اگر ایسے شخص کو کسی کی بہترین رہنمائی حاصل ہو تو وہ جو کچھ بھی کر دے کھڑا ہوتا ہے اس کے خیالات میں ہی تروتازگی نہیں بلکہ اس کے دل و دماغ میں تشگفتگی در آتی ہے ہمارے معاشرہ میں بے شمار ایسے مسائل ہیں جو معاشرہ کے نبض شناسوں اور اصلاح پسندوں کے لئے سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں مسائل کو سمجھنا اور صحیح سمت پر اپنے قدم بڑھانا ایک اہم ذمہ داری سمجھی جاتی ہے ایسے لوگ جو بہترین ماحول کے سبب کبھی فضاؤں میں آسمانوں کی وسعتوں کو نا پینے اور دنیا کو زیادہ سے زیادہ روشنی سے سرفراز کرنے کے لئے میدانِ عمل میں قدم رکھتے ہیں وہ ہر مرحلہ پر کامیاب و کامران رہتے ہیں اس طرح کے پس منظر میں معاشرہ کے آفاق پر ایک اصلاح نوجوان عابدی الدین کی بھی تصویر ابھر رہی ہے جن سے نوجوان کی جاسکتی ہے کہ وہ قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے بہتر سے بہتر کام انجام دیں گے۔ میرے یقین کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں غلام صادق الدین جیسے فعال اور سرگرم عمل شخصیت کی سرپرستی و رہنمائی حاصل ہے۔ ۷۶ برس پہلے عابدی الدین سے میری ملاقات اپنے بہترین دوست غلام صادق الدین کی معرفت ہوئی۔ عابدی الدین ایک محض سماجی کارکن اور ایک کامیاب تاجر ہیں جو اپنی تیار ملیوساتشکی حالتیں دوکان مخدوم برادر س کے لڑکھواں اور سربراہ ہیں آئے دن ان کی ترقی کے اسباب قابی رشک مدنگ بننے جا رہے ہیں۔ ابتداء میں انہیں میں صرف ایک تاجر کی حیثیت سے ہی جانتا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ وہ خدائی

خدا سے بھی دُشمن رکھتے ہیں۔ ۲۰۔ ۲۲ برس پہلے ہم کچھ شاعر (پس خضر ناصر گرنولی وغیرہ کی مدینہ ہوٹل کے ایڈوکیٹ ہال میں ۹ بجے شہسباز صاحب ملک شعیب شاہد رہا کرتی تھی۔ یہ ہمارا روز کا معمول تھا ایک ادب دوست شخصیت عابدی الدین صاحب سے کبھی کبھی مدینہ ہوٹل کے ایڈوکیٹ ہال میں ملاقات ہوتی تھی۔ ہوٹل کے باہر بھی ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ عابدی الدین صاحب کو شعر و شاعری سے کافی دلچسپی ہے میں نے عابدی الدین سے ان کے بارے میں بتایا تو کہنے لگے کہ وہ میرے والد محترم ہیں۔

عابدی الدین صاحب دینی و ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے ہیں پنہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس کس ضرورت مند کی کس کس انداز سے مدد کرتے ہیں۔ کامیاب بزنس میں ہونے کے علاوہ ایک کامیاب عوامی خدمت گزار بھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلام صادقی الدین جیسے بالغ نظر انسانیت دوست شخصیت کے زیر اثر وہ اپنی شخصیت کو بدلنے اور سنوارنے میں مصروف ہیں۔ عابدی الدین بہترین دوست بہترین شہری اور بہترین انسان ہیں وہ اپنے خاندان کے فخر و گوارا سربراہ کی طرح اپنے تمام بھائیوں کی بھلائی اور ان کی ترقی کے لئے ہمراہ تھا وں کیا کرتے ہیں اپنے والد محترم کا یہی عدا احترام کرتے ہیں۔ ایک سعادت مند اولاد کی طرح اپنے والد کی ہر بات کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں ان کے والد کی سرپرستی اور رہنمائی نے بھی ان کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے جا رہے ہیں اپنے والد بزرگوار سے بے حد محبت کرتے ہیں



اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی مشفق خانہ سلوک نہوار کھتے ہیں۔ گھر بنو مساجد  
 ہیں اپنے بزرگوں کے زیر سایہ سکون قلب کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر جاری  
 رکھے ہوئے ہیں۔ عابد محمد الدین اولڈسٹی پینس اینڈ وینفیر کیٹی کے سرگرم  
 کارکن ہیں۔ اولڈسٹی ٹریڈرس کے سربراہ بھی ہیں۔ ضرورت مندوں اور  
 سہلج کے قابل توجہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان کے دوستوں کا علاج کافی بڑا  
 ہے حکومت کے سربراہوں سے ان کے روابط ہیں جو بھی ان کے غرض ان کے پاس  
 آئے ہیں ان کے کام کی تکجی تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ عابد محمد الدین جوڑی  
 سولڈائن میں بھی نہایت کھرے انسان ہیں تجارتی مطلقوں میں بھی کافی مقبول ہیں  
 انہیں اردو شاعری سے بھی کافی دلچسپی ہے۔ کبھی کبھی اپنے دوست فلفے پر شاعروں  
 کا تہمام کرتے ہیں۔ عابد محمد الدین نہایت سنجیدہ وریبہ خلیق انسان ہیں۔ ان  
 کا انداز گفتگو سنجھا ہوا رہنما ہے شگفتگی ان کے راج کا ایک اہم حصہ ہے۔  
 شکر لے ہوئے ان کا گفتگو کرنا اچھا لگتا ہے۔ بشور انسان ہیں۔  
 عابد محمد الدین کو اپنی زندگی کا ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ میرا نیک  
 تمناؤں ان کے ساتھ ہیں۔

# اظہار تشکر

● میری اس کتاب میں جن دوستوں پر میرے ناشراتی مفاد میں شامل ہیں اُن میں سے مجھے بعض کرم قراؤں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ خاص طور پر میرے اردو فیٹول (۱۹۶۰ء) کے ساتھی درویش عیاض الدین، مسعود عتیق اور جی ایم خان کے علاوہ میرے دوست بعیر افضل نے بھی اپنی ضرورت کے مطابق کتابیں محفوظ کروائی ہیں۔ میں اس تعاون کے لیے ان دوستوں کا ممنون ہوں۔

● صدر نشین اردو اکیڈمی آندھرا پردیش جناب سید شاہ نواز الحق قادری اور اپنے سکریٹریٹ کے دیرینہ ساتھی، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے سابقہ رکن موجودہ ڈائریکٹر سکریٹری اردو اکیڈمی آندھرا پردیش جناب ایم اے نعیم کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس دستاویز کی کتاب کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرنے میں بڑے حسبِ گنجائش اشاعت کے سلسلے میں رنجی اعانت کی، بروقت کتابت کے لیے جناب نواز احمد کامنٹو میں اُن تمام دوست و احباب کا بھی شکریہ گزار رہا ہوں جو میرے شعری و ادبی مصروفیات کے سلسلے میں اپنی نیک نیتوں سے نواز ا کرتے ہیں۔

صلاح الدین تبّر

# انتساب

انہی ماں کی اُس خوشبو کے  
 تاں جو میرے جہنم و جہاں میں  
 پیوستہ ہے۔

ملاح الدین نصیر

نام: صلاح الدین شیر

تاریخ پیدائش: ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء  
سکونت: حیدرآباد (آندھرا پردیش)  
تحلیم: پورٹ گزٹ کیویٹ (جامعہ عثمانیہ)

صلاح الدین شیر کی کتابیں — مجموعہ کلام

گل نازہ (۱۹۶۵ء) • زخموں کے گلاب (۱۹۷۲ء) • منم تراش (۱۹۷۸ء)  
شکن در شکن (۱۹۷۹ء) • خوشبو کا سفر (۱۹۸۳ء) • ارغٹوں کی ہلکائی (۱۹۸۶ء)  
سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) • یہ کیا رشتہ (۱۹۹۰ء) • کیا کیا جائے (۱۹۹۴ء)  
نثری مطبوعات: گلشن (۱۹۹۹ء) • نیلم و ریشاں (۲۰۰۰ء)

سلسلہ چھوٹوں کا (خودنوشت سوانح (۱۹۹۲ء) • پھر وہی پرچھائیاں (مضامین  
فلک، سفر نامے، تبصرے (۱۹۹۳ء) • قافلے یادوں کے (المیہ تحریریں ۱۹۹۳ء)

گہشتاں (۱۹۹۶ء) • سائبان (محبوب حسین جگر ۱۹۹۸ء)  
خوشبو پہاراں (۲۰۰۱ء) • عین سو گئے، ارستاں کچھ کہتے (۲۰۰۱ء) • روشنی خوشبو بہک (۲۰۰۲ء)

تالیف: عظمت عبدالقیوم: فن اور شخصیت (۱۹۸۸ء)

عظمت خیاباں: عظمت عبدالقیوم مضامین، افسانے، شاعری (۱۹۸۹ء)

فیمنان رسول (۱۹۹۵ء) • صالحہ الطاف: فن اور شخصیت (۲۰۰۱ء)

صلاح الدین شیر سے متعلق کتابیں

قافلہ چلتی ہے گا (صلاح الدین شیر فن اور شخصیت (۱۹۹۲ء) از صالحہ الطاف — ڈاکٹر

صابرہ سعید • شیر گینالو (۱۹۶۵ء) گل تازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ —  
مترجم: شمس الدین محمودی — ترجمین کار: سیر اللال موریہ

صلاح الدین شیر: فن اور شخصیت ۱۹۹۴ء



ثواب میرزا محمد علی خاں صاحب کے پرنسپل اسٹنٹ رہے۔ ۱۹۸۱ء  
 میں آپریشن ڈسٹریکٹ آفیسر محکمہ زراعت و ٹھیکہ پرنسپل  
 تھے۔ خواجہ صاحب کو ثواب میرزا محمد علی خاں صاحب سے بہت زیادہ  
 قربت حاصل تھی خواجہ صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے ان  
 کے ہاں قدیم و جدید اردو کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ خواجہ  
 معین الدین صاحب سے میری رسم و راہ سیارت کی معرفت ہوئی۔  
 خواجہ صاحب جناب عابد علی خاں صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب  
 کے دو سنوں میں تھے۔ خواجہ صاحب دفتر سیاست آنے رہتے تھے۔  
 اور خاص طور پر اس وقت ضرور موجود رہتے تھے جب عابد علی خاں صاحب  
 اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کے ہمراہ کسی علمی و ادبی جلسے میں شرکت  
 کرنی ہوتی تھی۔ خواجہ صاحب عابد منزل میں منعقد ہونے والی اکثر  
 دعوتوں میں موجود رہتے تھے۔ نہایت با اخلاق، مخلص انسان ہیں  
 ان کا مخصوص لباس مشرٹ اور پینٹ ہے ٹائی لارڈا ان کے لباس کا حصہ  
 بنی رہتی ہے کبھی کبھی شردانی میں بھی بلبوس رہتے ہیں بلے پٹی میں  
 سکونت پذیر ہیں گھر سے بہت کم باہر نکلتے ہیں محلہ کے بعض اصحاب  
 سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں حسن اتفاق سے میں خود بھی بلے پٹی میں  
 ایئر زانی کان میں رہتا ہوں لیکن محلہ میں ان سے ملاقات نہیں ہوتی  
 خواجہ صاحب سے یا تو سیاست میں ملاقات ہوتی ہے یا ادبی جلسوں  
 یا پھر مشاعروں میں۔ خواجہ صاحب کا شعری ذوق کھرا کھرا ہے۔ وہ غزل

غلام صادق صاحب دینی بہت زیادہ سرگرم عمل ہے۔ غلام صادق  
 دین نام و نود کی خواہش اور کسی عہدہ پر نظر رکھے بغیر اردو کے ایک  
 "فنی کارکن کی طرح اردو کا کام کرتے رہتے (کہہ رہے) ہیں اردو  
 عہدہ کا عمل ثبوت دینے کے لئے انہوں نے گوکندہ میں  
 اردو ماڈل اسکول قائم کیا۔ اردو ذریعہ تعلیم کا یہ منفرد اسکول آج  
 ہائی اسکول کی درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اس اسکول کے نتائج بہت ہی  
 حوصلہ افزاء رہتے ہیں۔ اس اسکول کے قیام کے سلسلے میں خواجہ میر  
 احمد علی خان صاحب کی شخصی دلچسپی کو بڑا دخل رہا ہے اس اسکول  
 کے سلسلے میں جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسن بنگر  
 صاحب کی سرپرستی بھی انہیں حاصل رہی۔ اسکول کے بعض جلسوں میں  
 ان دونوں محترم شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا رہا ہے گوکندہ میں  
 ان کے بہترین سینئر دوستوں میں منظور ظفر ان کے لئے اہم شخصیت  
 کے حامل ہیں جو اسکول کی تقریباً ہر تقریب میں شریک رہتے ہیں  
 غلام صادق الدین کے زیر انتظام جہاں کہیں جی سیکی و غیر سیکی  
 جلسے ہوتے ہیں ان میں مشاعرہ لازماً ہوتا ہے۔ مشاعرے کے  
 سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کرتے ہیں اور میری وساطت سے  
 شہر کے منتخب نمائندہ شعراء ان کی محفلوں میں اپنا کلام سناتے ہیں  
 یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور ہر ۲۰، ۲۲ برسوں میں غلام صادق الدین  
 نے بے شمار جلسوں میں شعراء کو مدعو کیا ہے شعراء کے انتخاب کی پوری